سلسلۂ مطبوعات
۳۳۳

تحفۂ گجرات

''صوبۂ گجرات کے مختلف مقامات پر کی گئی اہم علمی، دینی و دعوتی تقاریر جن میں موجودہ حالات اور عصری مسائل میں علماء اور مدارس کی ذمہ داریوں کی طرف خاص توجہ دلائی گئی ہے، اور کچھ مشاہداتِ سفر بھی پیش کیے گئے ہیں۔''

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

جمع و ترتیب
سید سحبان ثاقب ندوی

مشاہدات سفر
سید محمود حسن حسنی ندوی

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام لکھنؤ

(جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں)

بار دوم

(جدید ایڈیشن اہم اضافوں کے ساتھ)

شعبان المعظم ۱۴۴۰ھ - اپریل ۲۰۱۹ء

نام کتاب	:	تحفۂ گجرات
نام مصنف	:	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
جمع و ترتیب	:	سید سحبان ثاقب ندوی
صفحات	:	۲۹۸
تعداد اشاعت	:	۱۱۰۰
طباعت	:	کاکوری آفسیٹ پریس لکھنؤ
قیمت	:	۲۰۰/روپے
باہتمام	:	محمد کلام الدین ندوی

ناشر

مجلس تحقیقات و نشریات اسلام

ندوہ کیمپس، ٹیگور مارگ ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔

فون نمبر:0522-2741539

Email:info@airp.org.in-airpnadwa@gmail.com

Website: http://www.airp.org.in

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عناوین	نمبر شمار
۱۲	عرض ناشر	۱
۱۵	مقدمہ (طبع اول) از: حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ (گجرات)	۲
۱۷	مقدمہ (طبع جدید) از: حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم	۳
۲۱	**علماء گجرات کی علمی وادبی خدمات ایک جائزہ**	۴
۲۵	علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۹۹۸ھ)	۵
۲۸	محدث شیخ علی متقی (صاحب کنز العمال) (م ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء)	۶
۳۰	مولانا محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۷۶ھ)	۷
۳۲	مفتی قطب الدین محمد نہروالے (م ۹۹۹ھ)	۸
۳۲	شیخ عبدالقادر بن سید شیخ حضرمی احمد آبادیؒ (م ۱۰۳۸ھ)	۹
۳۳	علامہ علی مہائمی (م ۸۳۵ھ)	۱۰
۳۴	علامہ آصف خان (م ۹۶۱ھ)	۱۱
۳۴	اردو زبان وادب اور اصلاحی کام	۱۲
۳۷	سید پیر مشائخ (م ۱۱۰۲ھ)	۱۳
۳۸	علوم ادبیہ:	۱۴
۳۹	خان خاناں مرزا عبدالرحیم بن بیرم خان (م ۱۰۳۶ھ)	۱۵
۴۱	ادبی سرپرستی	۱۶
۴۲	خاناں بیگم (م ۱۰۷۰ھ)	۱۷
۴۲	مولانا نظیری (م ۱۰۲۰)	۱۸
۴۵	علامہ عبدالعزیز میمنؒ (۱۹۷۸ء)	۱۹
۴۸	**قرآن کا مطالبہ سو فیصد اسلام کا ہے**	۲۰
۴۸	دارالعلوم فلاح دارین سے میرا اور ندوۃ العلماء کا پرانا تعلق ہے	۲۱
۵۰	اخلاص اور اختصاص	۲۲
۵۰	دنیا کے پھل پھول اصل نہیں ہیں	۲۳
۵۰	دعوت وتبلیغ دین علماء کا فریضہ ہے	۲۴
۵۱	کل مسلمان اور مکمل اسلام	۲۵

۲۶	دنیا دین کے مطابق برتی جائے گی	۵۲
۲۷	ہر معاملہ میں اللہ کی رضا پیش نظر رہے	۵۲
۲۸	صوبہ گجرات کا امتیاز اور آپ کی ذمہ داری	۵۳
۲۹	مدارس کی حیثیت دینی پاور ہاؤس کی ہے	۵۴
۳۰	مولانا عبداللہ کاپودروی کی شخصیت اور مقام	۵۴
۳۱	دینی مدارس اسلام کی بقاء وتحفظ کا ذریعہ ہیں	۵۵
۳۲	ایک نسل کا عمل تیس سال کا ہوتا ہے	۵۶
۳۳	مشرقی ترکستان کا ایک سبق آموز واقعہ	۵۷
۳۴	نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کی فکر کیجیے	۵۷
۳۵	اقلیت کو اپنے مسائل کی خود فکر کرنی ہے	۵۸
۳۶	تفرقہ سے بچنا اور بچانا ہماری اولین ذمہ داری بنتی ہے	۵۹
۳۷	ندوۃ العلماء کا قیام اور اس کے فضلاء کا کام	۶۰
۳۸	علماء دیوبند کی خدمات اور اس کے اثرات	۶۱
۳۹	دو ضروری باتیں	۶۱
۴۰	آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی افادیت	۶۴
۴۱	تبلیغی جماعت کی برکات	۶۴
۴۲	نیک صحبت کے اثرات	۶۵
۴۳	تعلیم، تزکیہ، دعوت وتبلیغ نبوت کے بنیادی مقاصد ہیں	۶۷
۴۴	علم دین کی خدمت ایک بڑی ذمہ داری	۶۷
۴۵	کوئی چیز اتفاقی نہیں ہے	۶۸
۴۶	قرآن کریم کی حفاظت اللہ کا وعدہ ہے	۶۹
۴۷	دین کی روشنی اگر نہیں پہونچے گی تو کفر کی ظلمتوں میں زندگی گزارنی پڑے گی	۷۱
۴۸	اللہ تعالیٰ جسے جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے	۷۲
۴۹	انسان اور دوسری مخلوقات کا فرق وامتیاز	۷۲
۵۰	مظہر سعادت کی خصوصیت وامتیاز	۷۳
۵۱	دین وعلم دین کی مجالس فرشتوں کی مجالس ہیں	۷۴
۵۲	فرشتوں کی ہم نشینی کا بڑا ذریعہ دینی وعلمی مجالس ہیں	۷۴
۵۳	ذکر کی مجالس سے متعلق فرشتوں کا مکالمہ	۷۵

۷۷	اچھی اور بری بات در و دیوار، لباس، فضا، ماحول سب پر اثر انداز ہوتی ہے	۵۴
۷۸	صرف محبت کا اظہار کافی نہیں اتباع سنت ضروری ہے	۵۵
۷۸	درود شریف کی کثرت امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے	۵۶
۸۰	''الا لہ الخلق والامر''	۵۷
۸۰	تحدیث نعمت اور شکر کیا ہے	۵۸
۸۲	ایمان سب سے بڑی نعمت ہے	۵۹
۸۳	اسوۂ حسنہ	۶۰
۸۴	ایمان بڑھانے سے بڑھتا اور دین پھیلانے سے پھیلتا ہے	۶۱
۸۶	**ہماری زندگی اللہ کی اطاعت اور تابع داری والی ہو**	۶۲
۸۶	اللہ تعالیٰ باطن کو دیکھتا ہے	۶۳
۸۹	تنبیہ اور توبہ کا موقع سب کو ملتا ہے	۶۴
۸۹	تین اسباب	۶۵
۹۰	باغ والا قصہ اور عبرت کا پہلو	۶۶
۹۴	انسان اور شیطان کا فرق	۶۷
۹۵	قارون کی ہلاکت کا سبب	۶۸
۹۷	قارون کی ہلاکت سے لوگوں کی عبرت	۶۹
۹۸	اللہ کے عذاب اور گرفت کے دوسرے اسباب	۷۰
۱۰۰	**مغرب کا نظام تعلیم و تربیت اور انسانی سماج پر اسکے مہلک اثرات**	۷۱
۱۰۰	قابل قدر نظام تعلیم و تربیت	۷۲
۱۰۱	اسلامی فکر و روح کے ساتھ تعلیم و تربیت ہو	۷۳
۱۰۲	مغربی فلسفہ تعلیم میں الحاد کی دعوت اور اس کا مقابلہ	۷۴
۱۰۴	تعلیم تربیت کے بغیر جہالت ہے	۷۵
۱۰۴	گھر کی تعلیم کے اثرات اور فوائد	۷۶
۱۰۵	اسکول اور مدرسہ کی تعلیم - فوائد اور نقصانات	۷۷
۱۰۵	یورپ نے تعلیم کے مقصد پر خراب اثر ڈالا	۷۸
۱۰۵	یورپ کا فلسفہ خودغرضی اور مادیت پر مبنی ہے	۷۹
۱۰۶	رزق اللہ کا مقرر کردہ ہے	۸۰
۱۰۹	تعلیم و تربیت کی جامعیت' وقت کا تقاضہ ہے	۸۱

٨٢	مستشرقین کا فریب	١١٠
٨٣	یورپ کے مفکرین تعلیم کا طرز فکر	١١١
٨٤	آپ اپنا مقصد صحیح کریں	١١١
٨٥	جامعۃ العلوم والتربیۃ کا امتیاز وتفوق	١١٢
٨٦	پوشیدہ شیطان	١١٤
٨٧	سارا انحصار نیت وارادہ پر ہے	١١٥
٨٨	عصری تعلیم گاہوں اور دینی درسگاہوں کے مقاصد جدا جدا ہیں	١١٥
٨٩	جامعۃ العلوم والتربیۃ دینی تعلیم کے رائج نظام میں ایک نیا تجربہ	١١٧
٩٠	لیس الخبر کالمعاینۃ:	١١٧
٩١	دینی تعلیمی نظام ہی ایک انقلابی کوشش	١١٨
٩٢	نظام تعلیم کے دو نمونے	١١٩
٩٣	نظام تعلیم کا ایک تیسرا نمونہ	١١٩
٩٤	دعوت اسلامی اولین ضرورت	١٢٠
٩٥	سب سے بڑا خطرہ	١٢٠
٩٦	تعلیم وتربیت کا مکمل نظام	١٢٢
٩٧	تعلیم وتربیت کا اقامتی نظام	١٢٣
٩٨	علوم کے ساتھ تربیت اور ذہن سازی جڑی ہوئی ہے	١٢٤
٩٩	جامعۃ العلوم و التربیۃ الاسلامیۃ	١٢٤
١٠٠	"ثورۃ فی التعلیم"	١٢٥
١٠١	"علم کی اہمیت اور علماء مدارس کا کردار"	١٢٧
١٠٢	ملائکہ کی شرکت وہم نشینی	١٢٧
١٠٣	مجالس میں روحانیت اللہ کے نام سے ہی ہوتی ہے	١٢٨
١٠٤	آدمی دیکھ کر سیکھتا ہے	١٢٨
١٠٥	قرآنی استاذ اور اس کی حفاظت	١٢٩
١٠٦	آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم	١٣٠
١٠٧	عربوں کا امی ہونا	١٣١
١٠٨	علم کیا ہے؟	١٣٢
١٠٩	علم کی دو قسمیں	١٣٢

۱۱۰	ترقیات کے باوجود بے چینی	۱۳۳
۱۱۱	علم غیب دائمی کامیابی کا ذریعہ	۱۳۳
۱۱۲	علم غیب کا تقاضا	۱۳۴
۱۱۳	بے عملی نقصان دہ ہے	۱۳۵
۱۱۴	قرآن مجید آدمی کے لئے مفید بھی اوراس کے خلاف حجت بھی	۱۳۵
۱۱۵	تقویٰ کیا ہے؟	۱۳۵
۱۱۶	قرآن مجید کتاب ہدایت اور معلم انسانیت ہے	۱۳۶
۱۱۷	عربی سیکھنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اسے حاصل کرنا	۱۳۶
۱۱۸	قرآن کی صحیح فہم کے لئے استاذ کی ضرورت	۱۳۷
۱۱۹	علم کی مثال دولت کے مانند ہے	۱۳۸
۱۲۰	اپنے علم کو عملی بنائیے	۱۳۸
۱۲۱	انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں رہنمائی	۱۳۹
۱۲۲	اللہ تعالیٰ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں	۱۴۰
۱۲۳	وقت کی اہم ضرورت	۱۴۰
۱۲۴	ہماری ذمہ داری	۱۴۱
۱۲۵	احسان صرف استادوں کا نہیں انتظامیہ کا بھی ہے	۱۴۲
۱۲۶	مفتی احمد صاحب خان پوری کی شخصیت کی قدر کیجئے	۱۴۲
۱۲۷	مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی کا کام اور مقام	۱۴۳
۱۲۸	خلافت فی الارض کا مطلب اور حقیقت	۱۴۴
۱۲۹	میں آپ ہی جیسا طالب علم ہوں	۱۴۴
۱۳۰	علم بحر زخار ہے	۱۴۵
۱۳۱	دین ہم تک کیسے اور کن سے پہنچا	۱۴۵
۱۳۲	ہر چیز طے شدہ اور مقرر ہے	۱۴۷
۱۳۳	اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو آزمائش سے گزارتا ہے	۱۴۸
۱۳۴	انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے	۱۴۸
۱۳۵	زمانہ اور حالات کا خیال کر کے صلاحیت بنائیے	۱۴۹
۱۳۶	ہدایت یوں ہی نہیں ملتی	۱۵۰
۱۳۷	من مانی زندگی کا انجام بہت خراب ہے	۱۵۱

۱۳۸	ہم جس ملک میں رہ رہے ہیں اس کا اپنا تقاضہ ہے	۱۵۳
۱۳۹	خلافت فی الارض کی ذمہ داری	۱۵۳
۱۴۰	جیسے حالات ویسی ذمہ داری	۱۵۵
۱۴۱	عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار	۱۵۶
۱۴۲	اس درسگاہ کا امتیاز	۱۵۷
۱۴۳	**گجرات کے اسفار مشاہدات وتأثرات**	۱۵۹
۱۴۴	**دورۂ گجرات (صفر وربیع الاول ۱۴۳۱ھ-جنوری ۲۰۱۰ء)**	۱۶۰
۱۴۵	رابطۂ ادبِ اسلامی کا مذاکرہ علمی جمبوسر (صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق جنوری ۲۰۱۰ء)	۱۶۰
۱۴۶	استقبالیہ	۱۶۱
۱۴۷	افتتاحی نشست	۱۶۲
۱۴۸	تجاویز	۱۶۸
۱۴۹	مشاہدات وروداد	۱۷۱
۱۵۰	گجرات سیمینار کی انفرادیت وخصوصیت	۱۷۱
۱۵۱	حضرت مولانا عبداللہ کاپودری کی منزل پر	۱۷۳
۱۵۲	مدارس کا تاج محل	۱۷۴
۱۵۳	فلاح دارین ترکیسر میں	۱۷۴
۱۵۴	دوسری مصروفیات	۱۷۵
۱۵۵	جامعہ فلاح دارین کی ایک یادگار نشست	۱۷۶
۱۵۶	**دورۂ گجرات (شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ جولائی ۲۰۱۱ء)**	۱۸۱
۱۵۷	گجرات دار الخیرات	۱۸۱
۱۵۸	رویدرا کا پروگرام	۱۸۲
۱۵۹	مرکز اسلامی انکلیشور میں	۱۸۳
۱۶۰	کاپودرا میں	۱۸۴
۱۶۱	دار العلوم ماٹلی والا میں	۱۸۵
۱۶۲	جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ میں	۱۸۵
۱۶۳	بڑودہ (ورودرا) میں	۱۸۶
۱۶۴	گودھرا میں	۱۸۷
۱۶۵	موڈاسا میں	۱۸۸

۱۶۶	پالن پور اور گڈھا اسلام پور کا سفر	۱۸۸
۱۶۷	احمد آباد میں	۱۸۹
۱۶۸	دورۂ گجرات (رجب المرجب ۱۴۳۵ھ مئی ۲۰۱۴ء)	۱۹۱
۱۶۹	پٹن اور پالن پور کا سفر	۱۹۱
۱۷۰	اجتماعی نکاح کا ایک سادہ اور مؤثر پروگرام	۱۹۲
۱۷۱	دارالعلوم نذیریہ کاکوسی کا پروگرام	۱۹۳
۱۷۲	دارالعلوم چھاپی میں جلسۂ تقسیم انعامات	۱۹۴
۱۷۳	مولانا اسماعیل بھولا ندوی کی فیکٹری میں	۱۹۴
۱۷۴	شفاء اسپتال میں تقریب ودعا	۱۹۴
۱۷۵	پٹن کا پروگرام	۱۹۵
۱۷۶	جامعۃ النور کا سنگ بنیاد	۱۹۵
۱۷۷	پٹن کے دوسرے اداروں اور پروگراموں میں	۱۹۷
۱۷۸	ہمت نگر، موڈاسا اور گودھرا میں گذرے لمحات	۱۹۸
۱۷۹	دارالعلوم رحمانیہ گودھرا میں ایک اہم خطاب اور لکھنؤ واپسی	۲۰۰
۱۸۰	سفر گجرات (شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ/ جون ۲۰۱۴ء) سورت، ترکیسر، رویدرا، انکلیشور، کاوی، جمبوسر، ڈابھیل، گودھرا وغیرہ میں قیام اور خطابات	۲۰۳
۱۸۱	سورت میں منیار برادران کی ضیافت میں	۲۰۳
۱۸۲	حضرت مولانا کا خطاب جمعہ	۲۰۴
۱۸۳	ترکیسر اور رویدرا	۲۰۵
۱۸۴	جامعہ عربیہ کاوی میں	۲۰۷
۱۸۵	مدرسوں کا تعلق دعوت سے بہت گہرا ہے	۲۰۷
۱۸۶	جامعہ عربیہ نقیب الاسلام کاوی ایک تعارف	۲۰۸
۱۸۷	جلسۂ دستار فضیلت جامعہ علوم القرآن جمبوسر، بھروچ	۲۰۹
۱۸۸	خطبۂ صدارت اجلاس ڈابھیل	۲۱۰
۱۸۹	علم وفن میں اختصاص اور کمال چاہئے	۲۱۱
۱۹۰	''الکتاب'' کا مطلب وتفسیر	۲۱۱
۱۹۱	ذرائع اسباب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں	۲۱۲
۱۹۲	خلافت فی الارض کا مطلب ومنشا	۲۱۲

۱۹۳	دنیا میں کسی کا وجود بلا مقصد نہیں ہے	۲۱۳
۱۹۴	"اینقص الدین و انا حی"	۲۱۴
۱۹۵	اپنی محنت اور کمال پر نظر نہ رہے	۲۲۴
۱۹۶	دستار بندی کی تقریب	۲۱۵
۱۹۷	خانقاہ محمودیہ میں	۲۱۵
۱۹۸	عالی پور میں چند لمحات اور ممبئی واپسی	۲۱۶
۱۹۹	ادارہ دینیات (ممبئی سنٹرل)	۲۱۶
۲۰۰	دورہ گجرات (صفر المظفر ۱۴۳۷ھ-نومبر ۲۰۱۵ء) مہاراشٹر، گجرات اور مدھیہ پردیش کے سفر	۲۱۹
۲۰۱	نندوربار شہر میں	۲۱۹
۲۰۲	جلسۂ عام	۲۲۰
۲۰۳	گجرات اور مدھیہ پردیش کا غیر متوقع سفر، رویدرا (انکلیشور) میں	۲۲۱
۲۰۴	مدرسہ محمدیہ کا قیام وتاسیس	۲۲۲
۲۰۵	مستورات میں خطاب	۲۲۲
۲۰۶	المرکز الاسلامی انکلیشور میں حضرت مولانا کا خطاب	۲۲۴
۲۰۷	گودھرا میں	۲۲۶
۲۰۸	دارالعلوم گودھرا میں خطاب	۲۲۷
۲۰۹	رات کا قیام اور اندور کا سفر	۲۲۸
۲۱۰	جھابوا اور میگھ نگر میں کچھ وقت	۲۲۹
۲۱۱	جامعہ سعادت العلوم میگھ نگر میں	۲۲۹
۲۱۲	مدرسۃ الفلاح آزاد نگر اندور میں	۲۳۰
۲۱۳	بھوپال میں	۲۳۲
۲۱۴	دورہ گجرات (ربیع الاول ۱۴۳۷ھ-جنوری ۲۰۱۶ء)	۲۳۳
۲۱۵	شمع اسکول گجرات، سردھانک ویلفیئر ٹرسٹ احمد آباد کا تعلیمی پروگرام	۲۳۳
۲۱۶	زبان کے ساتھ کیفیات اثر ڈالتی ہیں	۲۳۳
۲۱۷	دارالقرآن سرخیز احمد آباد میں تقریب ختم قرآن	۲۳۵
۲۱۸	جامعہ ابن عباس سرخیز روضہ میں خطاب	۲۳۷
۲۱۹	کچھ نوجوانوں کی ملاقات اور حضرت مولانا کی نصیحت	۲۳۸
۲۲۰	تقریب سنگ بنیاد کے دو پروگرام	۲۳۹

۲۲۱	دار الحدیث دار العلوم رحمانیہ گودھرا کا سنگ بنیاد	۲۴۱
۲۲۲	براہ ممبئی لکھنؤ واپسی	۲۴۳
۲۲۳	گجرات کا دینی ودعوتی سفر (شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ - اپریل مئی ۲۰۱۸ء)	۲۴۴
۲۲۴	ممبئی کا قیام اور حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی عبقری شخصیت کتاب کا اجراء	۲۴۴
۲۲۵	جامعہ علوم القرآن جمبوسر کا پروگرام	۲۴۶
۲۲۶	علم تنافس چاہتا ہے	۲۴۶
۲۲۷	انسان کی بڑی خصوصیت علم ہے	۲۴۸
۲۲۸	رویدرا اور جامعہ قاسمیہ کھروڈ میں	۲۵۰
۲۲۹	حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی عیادت	۲۵۲
۲۳۰	بیجاپور، ویس نگر، اور پٹن کے پروگرام	۲۵۴
۲۳۱	بیت الحمد فیروز پور پالن پور کا سہ روزہ قیام	۲۵۶
۲۳۲	مجلس توبہ	۲۵۷
۲۳۳	الفاظ بیعت	۲۵۹
۲۳۴	توبہ کے بعد کی ہدایات	۲۶۰
۲۳۵	شفاء ہاسپٹل	۲۶۱
۲۳۶	جامعۃ النور کی جدید عمارت کا افتتاح	۲۶۳
۲۳۷	کنز مرغوب پٹن کی جامع مسجد میں اوائل سنبلیہ کا درس اور اجازت حدیث کی مجلس	۲۶۳
۲۳۸	مولانا عبدالقادر ندوی پٹنی کے نام ایک یادگار مکتوب	۲۶۴
۲۳۹	مکۃ المکرمۃ (۱۵؍ جمادی الثانیۃ ۹۹؍ یوم الجمعۃ المبارک)	۲۶۵
۲۴۰	لوناواڑہ کے احباب کی دعوت	۲۶۸
۲۴۱	دار العلوم گودھرا میں	۲۶۸
۲۴۲	اسوۂ حسنہ	۲۶۹
۲۴۳	سورت کا سفر اور ساحل میں قیام	۲۷۰
۲۴۴	دوبارہ ممبئی میں	۲۷۲
۲۴۵	گجرات کا بین الاقوامی مولانا عبداللہ کاپودروی سیمینار	۲۷۴
	خطبہ صدارت	۲۷۵
۲۴۶	مولانا عبداللہ کاپودروی علم وعمل کی جامع شخصیت (از حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی)	۲۸۵
۲۴۷	مولانا عبداللہ کاپودروی ممتاز داعی ومفکر دین وملت (از حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی)	۲۸۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی الہ وصحبہ أجمعین

پیش نظر کتاب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء کی تقریروں پر مشتمل ہے، جوانھوں نے جولائی ۲۰۱۱ء شعبان ۱۴۳۲ھ میں گجرات کے سفر میں مختلف مدارس اور عام مختلف اجتماعات میں کیں۔

گجرات کے اس سفر سے پہلے متعدد اسفار ہوئے، لیکن وہ ایک دوشہروں تک محدود تھے، اس سفر کی خصوصیت یہ تھی کہ یہ متعدد شہروں پر مشتمل تھا، یہ سفر مولانا موسیٰ ماکروٹ ناظم جامعہ مرکز اسلامی (انکلیشور) کی دعوت اور اصرار پر ہوا تھا، اس کے لیے مولانا محمد موسیٰ صاحب زید مجدہ اور ان کے ہمراہ مولانا عبداللہ جھانجھی صاحب رائے بریلی تشریف لائے اور مدرسہ کے سالانہ جلسہ میں شرکت پر اصرار فرمایا اور حضرت مولانا قمرالزماں صاحب الہ آبادی کی خواہش کا بھی اظہار کیا اور خود ان کی شرکت کا بھی ذکر کیا۔ مولانا عبداللہ جھانجھی صاحب سے ان کے والد حضرت مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی کی نسبت سے بھی تعلق تھا جن کا مستقل قیام بنگلہ والی مسجد تبلیغی مرکز حضرت نظام الدین دہلی میں اس کے امیر حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کے ساتھ تھا اس مناسبت سے ان سے ملاقات اور بعض سفروں میں رفاقت کے اچھے مواقع حاصل ہوئے تھے۔

۵/ جولائی کو انکلیشور حاضری ہوئی، اسٹیشن پر گجرات کے علماء کی ایک بڑی جماعت موجود تھی جن میں گجرات کی بڑی محترم شخصیت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کا نام خاص طور پر قابل ذکر ہے، انکلیشور سے رویدرا حاضری ہوئی جہاں

مولانا محمد بن سلیمان جھانجی مرحوم کے مکان پر رات کو قیام ہوا، ان کے صاحبزادے مولانا عبداللہ جھانجی صاحب نے بڑا اہتمام فرمایا، وہاں حضرت مولانا قمر الزماں صاحب تشریف رکھتے تھے اور ان کا بیان ہو رہا تھا، کچھ دیر آرام کرنے کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کا مختصر بیان ہوا۔

دوسرے دن جامعہ اسلامیہ مرکز اسلامی انکلیشور حاضری ہوئی، یہاں مدرسہ کا سالانہ جلسہ دستار بندی تھا، گجرات کے متعدد مدارس کے ذمہ دار اور مدرسین کے علاوہ ممتاز علماء و عمائدین میں خاص طور پر حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی، مولانا مفتی عبداللہ صاحب رویدری، اور حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی تشریف فرما تھے، مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب کا تعارفی بیان ہوا، اور اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا خطاب ہوا، اور حضرت مولانا قمر الزماں صاحب الہ آبادی زید مجدہ نے بھی خطاب فرمایا۔ جو بڑا ایمان افروز اور روح پرور بیان تھا، اس بنیادی پروگرام کے بعد گجرات کے متعدد مدارس خاص طور پر ہانسوٹ، ماٹلی والا، بڑودہ، گودھرا، اور آخر میں ہمت نگر کے مدارس میں خطابات ہوئے، واپسی میں احمد آباد اور بڑودہ میں مختصر قیام رہا، اور مختلف جگہوں میں خطابات ہوئے، کاپودرا میں مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب کے یہاں علماء و مشائخ تشریف فرما تھے، ان کے ساتھ ایک مجلس ہوئی، ان علماء میں خاص طور پر مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری اور مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی قابل ذکر شخصیت ہیں۔ بعض مدارس میں حضرت مولانا شاہ قمر الزماں صاحب الہ آبادی زید مجدہ بھی اکرام و محبت میں ساتھ تھے۔

خطابات کا موضوع علم اور خاص طور پر دینی تعلیم کی ضرورت اور اہمیت اور اسلام کے خلاف مغربی میڈیا کے پروپیگنڈہ اور علماء کی ذمہ داری پر زور دیا گیا، اس لیے یہ خطابات مدارس کے ذمہ داروں اور اساتذہ اور دعوت کے کام میں مشغول علماء کے لیے بڑی اہمیت کے حامل ہیں، اگرچہ وقت کی کمی کی وجہ سے خطابات مختصر ہیں، مگر قیمت اور افادیت کے لحاظ سے بہت اہم اور مفید ہیں۔

کتاب میں گجرات کے معروف عالم، ادیب ومفکر اور ندوۃ العلماء سے بہت تعلق رکھنے والے بزرگ مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کے مقدمہ، جو اس سفر کے اکثر حصہ میں شریک رہے، اور مولوی سید محمود حسن حسنی ندوی کے مختصر سفر نامہ نے اس کی افادیت میں اضافہ کردیا ہے۔ بعد میں سال بہ سال گجرات کے پروگرام ہوتے رہے ان کے خطابات کے اہم اجزاء وروداد کے اضافے کے ساتھ یہ نیا ایڈیشن سامنے ہے۔ کتاب کے نئے ایڈیشن کی ترتیب وتیاری میں بھی عزیز سعید مولوی سید محمود الحسن ندوی کی شرکت لائق قدر رہی ہے۔

خطابات مولوی سید سبحان ثاقب ندوی نے موبائیل پر ریکارڈ کیے تھے، اور بعض خطابات دوسروں سے حاصل کر کے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی خدمت میں مراجعت کے لیے پیش کئے تھے، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ نے شائع کیا تھا۔

پیش نظر کتاب "تحفۂ گجرات" کا نیا اور دوسرا ایڈیشن اہم اضافوں کے ساتھ سامنے ہے جس میں بعض خطابات اور دیگر سفروں کے احوال کے ساتھ جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں عالمی رابطۂ ادب اسلامی کے صوبۂ گجرات کے اصحاب قلم علماء کی علمی ادبی کاوشوں کے موضوع پر سیمینار میں اس کے صدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا مقالہ اور جمبوسر وڈابھیل کے جلسوں کی تقاریر اور آخر میں بین الاقوامی مولانا عبداللہ کاپودروی سیمینار کا خطبہ صدارت اور مقالہ بھی شامل کردیا گیا ہے، جس سے کتاب کی افادیت مزید بڑھ جاتی ہے اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی لوگوں کو توفیق دے۔

طبع جدید میں جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے مہتمم جناب مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی زید مجدہ کا مقدمہ بھی شامل ہے وہ رابطہ ادب اسلامی گجرات شاخ کے ذمہ دار اور گجرات کے سفروں کے پرانے داعی ومیزبان رہے ہیں۔ بارك الله في حياته و نفع به الامة۔

بدھ ۱۲/ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ — محمد واضح رشید حسنی ندوی

۲۱/ نومبر ۲۰۱۸ء — سکریٹری

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ (طبع اول)

از حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ (گجرات)

الحمد للّٰہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید الأنبیاء والمرسلین وعلی الہ وصحبہ أجمعین، وعلی من تبعھم بإحسان ودعابدعوتہ إلی یوم الدین، أما بعد.

۲۴ صفر المظفر ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۹ جنوری ۲۰۱۲ء بروز پنج شنبہ ممبئی حاضری ہوئی، اتفاق سے یہاں اردو کتابوں کے میلے کی اطلاع ملی تو نمائش گاہ میں پہنچے، خوش قسمتی سے وہاں مولانا محمود حسنی صاحب ندوی سلمہ سے ملاقات ہوگئی اور آپ نے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی مدظلہ اور حضرت مولانا محمد واضح رشید ندوی زید مجدہ کی ممبئی میں موجودگی کی اطلاع دی، جس سے دلی مسرت ہوئی، اور عصر کے بعد حضرت کی ملاقات وزیارت کے لیے محترم محمد بھائی آندھرا ٹرانسپورٹ والے صاحب کے دولت کدے سہاگ پیلس (مدن پورہ) جا کر ملاقات کا شرف حاصل کیا، ازراہ کرم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حفظہ اللہ نے حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی زید فضلہ کے سفر گجرات کی پانچ تقریروں کا مسودہ پیش فرمایا، جو گجرات کے مختلف مدارس میں علماء وطلباء اور دیگر حاضرین کی سامنے کی گئی تھیں۔

حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر مسلم پرسنل لاء بورڈ درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور دعوت وتبلیغ کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں، نیز حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے ساتھ طویل عرصہ تک رفاقت وصحبت کی وجہ

سے امت مسلمہ کے مسائل اور عالمی حالات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں، اور اعتدال پسندی وسلامتیٔ فکر تو مولانا مدظلہ کو ورثہ میں ملی ہے، چنانچہ حضرت مولانا مدظلہ جہاں کہیں تشریف لے جاتے ہیں وہاں پوری دردمندی کے ساتھ اخلاص نیت، دینی مدارس کی اہمیت اور اکابرین امت کی قربانیوں کا ذکر فرماتے ہیں، نیز اسلامی تاریخ سے سبق آموز واقعات بیان فرما کر مستشرقین اور دیگر اعداء اسلام کی دسیسہ کاریوں پر سے پردہ اٹھاتے ہیں، تاکہ طلباء مدارس اور دین پسند لوگ گمراہی سے بچ کر سلف صالحین کے طریق پر زندگی گذار سکیں، اور ان بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر اپنے آپ کو ہر طرح کی دنیوی لالچوں سے بچا کر دین کے لیے وقف کر سکیں۔

حضرت مولانا مدظلہ کے یہ گراں قدر ارشادات طلباء مدارس اور عامۃ المسلمین دونوں کے لیے نہایت مفید ہیں اللہ تعالیٰ حضرت مولانا مدظلہ کو عافیت کے ساتھ طویل عرصہ تک ان خدمات میں مشغول رکھے، آمین۔

ہمیں فاضل وصالح ندوی عالم سید سحبان صاحب ندوی بھٹکلی سلمہ اللہ تعالیٰ کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے حضرت مولانا مدظلہ کے ان قیمتی ارشادات کو ٹیپ سے نقل کروا کر استفادے کے قابل بنایا ہے، فجزاہ اللہ خیر الجزاء، اللہ تعالیٰ مولانا مدظلہ کی ان دردمندانہ نصائح کو شرف قبولیت عطا فرمائے اور ہم سب کو استفادے کی توفیق نصیب فرمائے، آمین

فقط والسلام

احقر عبداللہ کاپودروی غفرلہ

نزیل حال ممبئی ۲۰۱۲ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ (طبع جدید)

از: حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب دامت برکاتہم

حامداً و مصلیاً و مسلما

جامعہ علوم القرآن نے مختصر سی مدت میں اپنی ممتاز علمی، ادبی، ثقافتی و رفاہی خدمات کی وجہ سے عوام وخواص کا اعتماد حاصل کرلیا ہے، ارباب علم وفضل اس کی علمی سرگرمیوں کے معترف ہیں تو اصحاب زہد وتقوی اس کے تربیتی پروگراموں سے مطمئن، قدیم صالح اور جدید نافع کے حسین امتزاج کے ساتھ طلبہ کرام کی ذہنی تعمیر اس کا مشن ہے، زمانہ کی نبض پر انگلی رکھ کر اصلاح مزاج کی کوشش اس کی انفرادیت ہے، اس کی علامہ محمد بن طاہر اکیڈمی بحث وتحقیق کی ضمانت ہے، تو رابطۂ ادب اسلامی کا اسٹیج ادب وثقافت کی علامت، مجلس تحفظ مدارس گجرات مدارس عربیہ اسلامیہ کی مضبوط قیادت سے عبارت ہے تو مؤسسہ الصحافۃ والنشر اسلامی صحافت کی روشن شہادت، آئی ٹی آئی انسٹی ٹیوٹ نونہالان قوم کو معاش کی راہیں عنایت کرتا ہے تو مولانا مدنی کالج دینی رنگ لئے ہوئے عصری علوم کے ماہرین فراہم کرتا ہے، شفاخانہ الحمود مریضوں کی صحت یابی میں کوشاں ہے تو الحمود چیریٹیبل ٹرسٹ حاجت مندوں کی حاجت براری میں مصروف ہے۔

الغرض ۲۸ رسالہ مختصر سے عرصہ میں ملک وملت کی مختلف النوع خدمات کی یہ طویل فہرست دراصل جہاں قرن اول میں اس سرزمین پر تشریف لانے والے اور یہیں آسودہ خواب ہونے والے صحابہ کرام اور تابعینؒ کی برکتیں ہیں، وہاں عصر حاضر کے اولیاء اللہ اور صالحین کی دعاؤں اور توجہات کا ثمرہ ہے، الحمدللہ اسے شروع ہی سے خدارسیدہ

برگزیدہ بندوں کی دعائیں ملتی رہیں اور آج بھی اللہ والوں کے ہونٹوں پر ان کی سحر گاہی دعاؤں اور مخصوص اوقات کی آہوں میں اس کا نام جاری رہتا ہے۔ اساطین علم وفضل سال بہ سال بلکہ سال میں کئی بار اس کے صحن کو قدم رنجائی کا شرف عطا فرماتے ہیں اور مختلف علمی سیمینار میں ملک وبیرون ملک کے ارباب فکر وفن اس کے اسٹیج کو زینت بخشتے ہیں۔

انہیں نامور ومقتدر شخصیات میں ایک نمایاں، منفرد وممتاز نام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا ہے، حضرت والا کا جامعہ علوم القرآن سے تعلق ایک سرپرست اور مربی کی طرح والہانہ تعلق ہے۔ یہ تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ کی جامعہ تشریف آوری سے شروع ہوا اور آج تک کسی نہ کسی علمی، دینی، سماجی واصلاحی مناسبت سے باقی اور ترقی پذیر ہے۔ بہت کم ایسا ہوا کہ حضرت مولانا گجرات تشریف لائے ہوں اور جامعہ علوم القرآن کو اپنے قدوم میمنت سے محروم رکھا ہو، انہیں مواقع میں ایک موقع رابطۂ ادب اسلامی کے اجلاس جمبوسر جنوری ۲۰۱۰ء کا تھا جس میں اہل علم وفضل نے اپنے وقیع مقالات کے ساتھ شرکت کی تھی جو علمائے گجرات کی علمی ادبی خدمات پر لکھے گئے تھے، مولانا مدظلہ کا خطبۂ صدارت اور مقالہ اس کی روح تھا، وہ وقیع مقالہ اور خطبۂ صدارت جامعہ علوم القرآن رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار کے مقالات کے مجموعے کے ساتھ شائع کرنے کی سعادت حاصل کر چکا ہے جو اس مجموعہ تقاریر وخطبات میں بھی شامل ہے، پھر حضرت والا کا ایک اہم سفر جامعہ علوم القرآن کے پچیسویں سال کی تکمیل پر مؤرخہ ۷ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ/ مطابق ۸ رجون ۲۰۱۴ء بروز اتوار منعقد ہونے والے سولہویں سالانہ تقسیم اسناد ودستار بندی کے اجلاس میں تشریف آوری کی مناسبت سے ہوا، جس میں حضرت مولانا نے اپنے کلیدی خطاب میں علم کی اہمیت اور علماء ومدارس کے کردار پر جامع، پر مغز اور تفصیلی روشنی ڈالی تھی، مجمع میں موجود علماء کرام اور دانشور طبقے نے حضرت کے خطاب کی اہمیت کو محسوس کیا تھا اور خود میں بھی خطاب کے دوران یہ محسوس کر رہا تھا کہ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ اللہ والے سے کسی کا قوی

تعلق اس سے نسبت اتحادی پیدا کر دیتا ہے اور پھر یہاں تو حضرت کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے صرف اصلاح وتربیت ہی کا نہیں! خاندان کا تعلق بھی ہے۔ ہر آن وہر لحہ صحبت ومعیت کا تعلق رہا ہے، قدم بہ قدم اور موقع بہ موقع رہبری ورہنمائی کا تعلق رہا ہے۔ باطن وظاہر اور فکر ونظر کا تعلق رہا ہے، ان کے منظور نظر اور رفیق سفر وحضر رہے ہیں، پھر ان میں حضرت مولٰنا مرحوم کے علوم ومعارف کیونکہ نہ ہوں؟ پھر وہ حضرت مولانا کی جانشینی کے مستحق کیونکر نہ ٹھہریں؟ پھر ان میں حضرت مولاناؒ کی جھلک کیونکہ نہ ہو؟ میں انہیں خیالات میں گم رہا اور دل ہی دل میں اس خطاب کو افادۂ عامہ کے لئے کتابچہ کی شکل میں شائع کرنے کا فیصلہ کرلیا، تاہم جامعہ میں ہر کام ترتیب وار انجام دیا جاتا ہے۔ یہ کام مؤسسہ الصحافۃ والنشر کے پاس شائع ہونے کے لئے محفوظ تھا، اب جب کہ ترتیب میں اس کی باری آئی اور جامعہ کے فاضل اور جامعہ میں کمپوٹر کے امور کے ذمہ دار عزیزم مولانا شاکر بورسدی سلمہ نے اس قیمتی خطاب کو C.D سے کاغذ پر ٹائپ کردیا ہے تو اس وقیع اور مفید خطاب کو اس کے مضامین کے پیش نظر "علم کی اہمیت اور علماء ومدارس کا کردار" کے عنوان سے شائع کیا گیا۔ جمبوسر کا تازہ سفر گزشتہ رمضان المبارک سے قبل اس کے جلسہ تقسیم انعامات کے موقع پر ہوا اور اس میں بھی حضرت مولانا دامت برکاتہم کا بڑا روح پرور خطاب ہوا، ان بیانات اور خطابات کے علاوہ گجرات کے سفروں میں دوسرے مقامات پر حضرت مولانا کے جو بیانات ہوئے ان کے اضافے اور سفروں کے اجمالی تذکرے اور روداد کے ساتھ کتاب "تحفۂ گجرات" کا نیا ایڈیشن ناظرین کے سامنے ہے جس کا پہلا ایڈیشن حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی نوراللہ مرقدہ کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہوا تھا، اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں، کتاب کے نئے ایڈیشن میں دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں ۱۸؍اکتوبر ۲۰۱۸ء کو منعقد ہوئے ان کے متعلق بین الاقوامی کانفرنس میں بطور خطبۂ صدارت لکھا گیا مقالہ بھی شامل اشاعت کیا جارہا ہے، اور اسی طرح سورت، انکلیشور، بھرچ، گودھرا، بڑودہ، جمبوسر، احمد آباد، پٹن، پالن پور کے حضرت

مولانا دامت برکاتہم کے مختلف مناسبتوں سے سال بہ سال پروگراموں کی تفصیلات سے بھی قارئین آگاہ ہونگے۔

ہم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت فیوضہم کے دل کی گہرائیوں سے شکر گزار ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں امت کی جانب سے بہترین بدلہ عنایت فرمائے۔ حضرت کی جملہ ذمہ داریوں کے کاموں میں حضرت کی دست گیری فرمائے، اور حضرت کے سایۂ عاطفت کو عافیت کے ساتھ امت پر دراز فرمائے۔ جامعہ علوم القرآن اور بندہ خود حضرت کے مخلصانہ تعلق کو اپنے لئے سرمایۂ اعزاز وافتخار سمجھتا ہے اور ہم سب اس میں روز افزوں ترقی کے خواہشمند ہیں۔

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ کے بھی شکر گزار ہیں کہ وہ اس مجموعہ خطبات وخطابات کا ناشر ہے اللہ تعالی زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نفع پہنچائے اور صحیح دینی فکر وشعور کا حامل بنائے۔ آمین

۱۳/صفر المظفر ۱۴۴۰ھ

۲۳/اکتوبر ۲۰۱۸ء بروز منگل

احمد دیولوی

جامعہ علوم القرآن جمبوسر

ضلع بھروچ گجرات

علماء گجرات کی علمی وادبی خدمات ایک جائزہ

عالمی رابطۂ ادب اسلامی کے جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے علماء گجرات اور ان کی علمی وادبی خدمات کے موضوع مذاکرہ علمی منعقدہ جنوری ۲۰۱۰ء میں پیش کیا گیا مقالہ (مرتب)

الحمدللّٰہ رب العالمین، والصلوٰۃ والسلام علی سیدالمرسلین و خاتم النبیین محمد النبی العربی الصادق الامین و علی آلہ واصحابہ اجمعین۔

گجرات ہندوستان کا ایک خاصی اہمیت رکھنے والا خطہ ہے، وہ اپنی مختلف خصوصیات میں شاندار علمی تاریخ کا حامل علاقہ رہا ہے، اسلامی خصوصیات کے دائرہ میں یہاں کے اہل علم نے ایک شاندار تاریخ بنائی ہے۔ بڑے جید اور ممتاز علماء پیدا ہوئے اور انہوں نے علمی میدانوں میں درس وتدریس کے کاموں کے ساتھ تصنیف وتالیف کے اہم علمی کارنامے بھی انجام دیئے ہیں، ان کارناموں میں متعدد کام اپنے موضوع پر اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اس طرح علمی کارنامے بھی انجام دیئے ہیں، ان کارناموں میں متعدد کام اپنے موضوع پر اعلیٰ مقام رکھتے ہیں اس طرح گجرات صدیوں تک علم وفن کا مرکز، ارباب ہنر کا گہوارہ، ارشاد و تلقین کا سرچشمہ اور اقتصادی ترقیات کے ساتھ ایک سرگرم تجارتی منڈی بھی رہا، روحانی اور مادی زندگی کی ساری نعمتیں یہاں جمع کی گئی تھیں، بعض اعتبار سے ہندوستان کے قرون وسطی کی تاریخ میں اس کو پورے ملک میں ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی۔ اور اسلام کے تعلق کے لحاظ سے ہندوستان کا یہی وہ علاقہ تھا جس کے سرسبز پہاڑوں پر سب سے پہلے مسلمانوں کی نگاہ پڑی تھی، ارض ہند سے عربوں کے تعلق کی ابتداء حقیقتاً اسی خطہ زمین سے ہوئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عربوں نے سواحل گجرات پر قدم رکھا۔

پھر اس کے بعد سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں عرب آئے اور بعد میں بھی اموی اور عباسی خلفاء نے اس کی طرف توجہ کی اور جب عباسی خلیفہ مہدی نے ۱۵۹ھ میں ایک قافلہ روانہ کیا تو اس میں محدث تابعی حضرت ربیع بن صبیح السعدی البصری (م ۱۶۰ھ) بھی تھے۔ جن کو تابعی ہونے کے شرف کے ساتھ یہ شرف بھی حاصل ہے کہ انہوں نے حدیث شریف کی پہلی کتاب بھی تصنیف کی جس کا تذکرہ صاحب کشف الظنون نے اس طرح کیا ہے "ھو اول من صنف فی الاسلام" امام ذہبی نے بھی ان کو اولین تین چار مصنفین میں جگہ دی ہے۔

گجرات کا خطہ چونکہ ہندوستان کے مغربی ساحل پر واقع ہے، اسی طرح وہ جزیرۂ عرب کے سامنے پڑتا ہے، اسی لئے عرب تجار اور مسلمان داعیوں اور مجاہدوں نے ہندوستان کی سرزمین پر پہلے یہیں قدم رکھا اور اس طرح اس علاقہ سے ان کا ربط و تعلق قائم ہوا۔ گجرات کے جو شہر اور مقامات اس کے دیگر مقامات کے مقابلہ میں ممتاز رہے اور انہیں نمایاں مقام ملا، ان میں مثال کے طور پر احمد آباد، سورت، بھروچ، پالن پور پیش کئے جاسکتے ہیں۔

بھروچ جس کو عرب مؤرخین بروص کہتے ہیں، اسلام اور عربوں کا مدخل بنا، حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اشعار میں جو بے ساختہ ان کی زبان پر دریائے نرمدا پر پہونچ کر جاری ہوئے اس کی اہمیت کو اس طرح باور کرایا ہے:

نرمدا! اے نرمدا اے جادۂ بحر عرب　　گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادۂ بحر عرب
جانتا ہے تو میری تاریخ کا پوشیدہ راز　　تیرے دروازہ پہ ٹھہرا تھا مرا پہلا جہاز
تو گذشتہ کاروانوں کا نشان راہ ہے　　ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے
رشتۂ ہند و عرب تجھ سے ہوا تھا استوار　　تیرے ساحل کا ہر اک ذرہ ہے اس کی یادگار
ہند میں اسلام کے انجام کا آغاز تو　　چار صدیوں تک رہا اسلام کا دم ساز تو
آج کس کو یاد ہے وہ داستان پاستان　　تیرے ساحل پر جب اترا تھا عرب کا کارواں

تو ہے دریائی پری یا شاہد عالم ہے تو
اس سمندر کے گلے کی شہ رگ اعظم ہے تو
تیرا ہر قطرہ حیات نو کا اک سرشار جام
اس تن آبی میں تیرا خون دوڑانا ہے کام
اے بھروچ! اے خاتم انگشت رود نرمدا
عہد ماضی کی تری عزت رہی باقی سدا
تو تیائے چشم ظاہر آج تیری خاک ہے
ذرہ ذرہ پر تو خورشید ذی لولاک ہے
یادگار عہد خیرالقرن ہے تیری زمیں
مطلع انوار ذی النورینؓ ہے تیری جبیں
چشم عبرت کی نگاہیں جب تری جانب اٹھیں
تیری موجیں کہنہ افسانوں کی سطریں بن گئیں

(مقالات سلیمانی جلد دوم)

گجرات کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے جیسا کہ مشہور مؤرخ و محقق پروفیسر خلیق احمد نظامی نے لکھا ہے کہ یہاں علامہ شمس الدین سخاوی، علامہ ابن حجر مکی، وغیرہ کے تلامذہ کافی تعداد میں آکر بس گئے تھے، اور انہوں نے علم حدیث کی ترویج و اشاعت میں اپنی زندگیاں گزار دی تھیں۔ یہاں کی درسگاہیں اور خانقاہیں ہندوستان ہی نہیں بلکہ بیرون ہند سے تشنگان علم و معرفت کو کھینچتی تھیں، سولہویں اور سترہویں صدی ہجری میں تو یہ محسوس ہوتا ہے کہ دینی اور ثقافتی زندگی کا مرکز ثقل گجرات کی طرف منتقل ہو گیا، اور شاید ہی کوئی دینی یا علمی شعبہ ایسا ہو جس کے متبحر عالم موجود نہ ہو۔ (۱)

گجرات کی علم و فضل، ادب و کمال میں سبقت کو ہندوستان کی اسلامی تاریخ پر خصوصی نظر رکھنے والے ممتاز و مایۂ ناز مؤرخ پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی کے مقدمہ میں ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔

"گجرات میں میر سید عبدالاول (م ۹۶۸ء) نے صحیح بخاری کی شرح فیض الباری کے نام سے لکھی تھی، شیخ عبدالملک عباسی نے صحیح بخاری کا اس قدر مطالعہ کیا کہ پوری کتاب ان کو حفظ ہو گئی، شیخ محمد بن طاہر نے صحاح ستہ کی شرح مجمع البحار کے نام سے لکھی اور مشکوٰۃ کی لغات پر "رسالہ فی لغات المشکوٰۃ" تصنیف

مقدمہ یاد ایام ص ۱۲، از خلیق احمد نظامی

فرمایا، گجرات کے ایک اور عالم شیخ ناصر ہمیشہ مشکوٰۃ کا مطالعہ میں مشغول رہتے تھے۔ برہانپور میں شیخ طیب نے مشکوٰۃ پر حاشیہ لکھا، سید ہبۃ اللہ المعروف بہ شاہ میر شیرازی گجراتی المتوفی ۱۰۰۵ھ نے رسالہ "سودمند" تیار کیا جس میں تمام اقسام حدیث کو نہایت سلیقہ سے جمع کیا گیا تھا۔ حکیم عثمان صدیقی شاگرد شیخ وجیہ الدین علوی نے صحیح بخاری کی شرح لکھی۔ شیخ عبدالملک عباسی احمد آباد کے مشہور عالم تھے، حدیث کی سند اپنے بھائی شیخ قطب الدین سے لی تھی۔ شیخ قطب الدین شیخ سخاوی مصری شاگرد ابن حجر عسقلانی کے شاگرد تھے"۔ (۱)

گجرات کے علاقہ میں مولانا نورالدین شیرازی، مولانا جمال الدین محمد بن عمر حضرمی، شیخ شہاب الدین احمد العباسی المصر ی، شیخ علی متقی برہان پور، سید عبدالاول حسینی، مولانا وجیہ الدین علوی وغیرہ کے نام ہندوستان کی علمی تاریخ میں قابل فخر نام ہیں، شیخ علی مہائمی کے متعلق مولانا سید عبدالحی مرحوم کا یہ جملہ نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، کہ "میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سوا حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔" (۲)

مولانا احمد بن سلیمان کردی (۱۰۸۷) مولانا محمد فرید بن علامہ محمد شریف (۱۳۰۶ھ) محمد بن عمر آصفی صاحب ظفر الوالہ بمظفر وآلہ، مولانا خیر الدین محمد زاہد سورتی (۱۲۰۶ھ) مولانا ولی اللہ سورتی بن مولانا غلام محمد گجراتی (۱۲۰۷ھ)، علامہ بدرالدین محمد بن ابوبکر صاحب مصابیح الجامع فی شرح صحیح البخاری اور سید عبدالاول بن علاء الحسینی صاحب فیض الباری فی شرح صحیح البخاری، قاضی جگن جن کی علمی شہرت اس وقت قسطنطنیہ تک پہونچ گئی تھی، ان شخصیتوں کے ساتھ ایک شخصیت اور قابل ذکر ہے، اور بقول مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی

"تاریخ گجرات کا یہ واقعہ قابل اضافہ ہے کہ ظفر خاں شاہ گجرات کا باپ

---

(۱) یادِ ایام از مولانا سید عبدالحی حسنی صفحہ ۶۳-۶۴ (۲) (یاد ایام (مختصر تاریخ گجرات) ص: ۸۸

سہارن فیروز شاہ بادشاہ دہلی کے ہاتھ پر مسلمان ہوکر ایک معزز عہدہ پر ممتاز ہوا تھا، یہ خاندان کا نائک تھا"(۱)

ان کے علاوہ مفتی رکن الدین بن حسان الدین ناگوری نہروالہ، مولانا راجح بن داؤد، مولانا علاء الدین نہروالہ، مولانا عبدالملک عباسی وغیرہ اور کتنی شخصیتیں ہیں صحیح یہ ہے جیسا کہ شاعر کہتا ہے:

چمن کے تخت پر جس دم شہ گل کا تجمل تھا — ہزاروں بلبلیں تھیں باغ میں اک شور تھا غل تھا
کھلی جب آنکھ نرگس کی نہ تھا جز خار کچھ باقی — بتاتا باغباں رو رو یہاں غنچہ، وہاں گل تھا

مجموعی طور پر مختلف علمی جہتوں میں جن حضرات نے مایہ ناز کام انجام دیئے ہیں، اور گجرات کو علمی لحاظ سے ممتاز مقام دلایا ہے، ان چند علماء و مصنفین و مدرسین کی غیر معمولی شخصیتوں میں سے چند کا تذکرہ ان کی امتیازی خصوصیت کے ساتھ بطور مثال پیش کیا جاتا ہے۔

علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی (م ۹۹۸ھ)

علامہ وجیہ الدین بن نصر اللہ علوی گجرات کے ان برگزیدہ علماء میں ہیں جن کے احسان سے اہل ہند کبھی سبکدوش نہیں ہوسکتے یہ بات ہندوستان کے عظیم مؤرخ حضرت مولانا سید عبدالحی حسنی (متوفی ۱۳۴۱ھ-۱۹۲۳ء) نے لکھی ہے۔ان کی علمی جلالت شان کے تعلق سے یہ بھی لکھا ہے کہ شرح جامی سے لے کر تفسیر بیضاوی تک ۲۳ کتابوں کے حواشی وشروح لکھے۔(۲)

آپ کی زندگی کے مبارک دور میں یعنی نویں اور دسویں صدی میں خطۂ گجرات خصوصاً احمد آباد کو علوم وفنون میں وہ شرف حاصل ہوا جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی، یہی شہر ایک زمانہ میں دارالعلوم ومخزن فنون بنا ہوا تھا، بقول مصنف یادایام "یہ صرف ان کی (یعنی شاہان گجرات کی) قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا، کہ شیراز ویمن اور دیگر ممالک

---

(۱) مقدمہ ایاد ص:۳۷ (۲) یادایام ص:۹۴

اسلامیہ کے چنیدہ و برگزیدہ علماء نے گجرات میں آکر بود و باش اختیار فرمائی، جن کے فیوضت سے چند دنوں میں گجرات مالا مال ہو گیا، اور خود گجرات میں اس پایہ کے علماء پیدا ہوئے کہ جن کے علمی فیوض کی آبیاری سے اب تک ہندوستان کی درسگاہیں سیراب ہو رہی ہیں، اگر آپ اس کا صحیح اندازہ کرنا چاہیں تو عبدالقادر حضرمی کی ''النور السافر'' ابوبکر مشلّی کی ''المشرع الروی، محمد بن عمر آصفی کی ''ظفر الوالہ'' ملاحظہ فرمائیں اس وقت آپ پر ایک حیرت انگیز حیرت کا انکشاف ہوگا، اور آپ سمجھیں گے کہ اگر گجرات علوم عقلیہ ونقلیہ کے اعتبار سے شیراز تھا تو حدیث شریف کے لحاظ سے یمن سے مماثلت رکھتا تھا، ایسے مبارک دور میں آپ کی تعلیم کا دور شروع ہوا۔ ولادت کے بعد پانچویں سال کے آغاز سے ۳۳ سال کی عمر تک آپ طرح طرح کے علوم متداولہ کی تحصیل میں مشغول رہے، یہاں تک کہ آپ کو ساٹھ (۶۰) سے زیادہ علوم پر دسترس حاصل ہوگئی، آپ نے بچپن میں ہی قرآن حفظ کر لیا تھا۔ (۱)

درس وتدریس کے متعلق مصنف تذکرہ الوجیہ رقم طراز ہیں:

> ''پچیس (۲۵) سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے درس کا سلسلہ جاری کیا اور اس جانفشانی سے اس میں مصروف ہوئے کہ آپ کی خداداد قابلیت کے جوہر خود بخود نمایاں ہونے لگے، گویا قدرت نے آپ کو اس علمی خدمت کے لئے منتخب کر لیا تھا، آپ کی ہمہ تن مشغولیت ومصروفیت کا یہ نتیجہ نکلا کہ اطراف عالم میں آپ کی درسگاہ کا شہرہ ہو گیا، آپ علوم عقلیہ ونقلیہ میں استاد وقت مانے گئے، بالخصوص علوم دینیہ کی تدریس میں اپنا ثانی نہیں رکھتے تھے، یہ مدرسہ آپ نے سلطان بہادر شاہ کے عہد میں قائم کیا، جو اپنی خوبیوں کے باعث دن بہ دن ترقی پذیر ہوتا رہا، اس مدرسہ میں جملہ علوم وفنون کی تعلیم دی جاتی تھی، تفسیر، حدیث اور فقہ کے بعد فلسفہ، منطق، ریاضی اور ہیئت وغیرہ کا پورا

---

(۱) تذکرۃ الوجیہ از سید حسینی میر علوی، ص ۴۵-۴۶

اہتمام تھا، اس کے ساتھ آپ سے ارشاد و طریقت کا بھی سلسلہ جاری تھا، شب کو جب اذکار واشغال سے فارغ ہوتے تو طلبہ سے ان کی ضروریات وغیرہ کا حال دریافت کرتے، اور نکات علمی بتاتے ہوئے روحانی حقائق و قلبی حقائق کی باریکیاں نہایت فراخ دلی وخندہ پیشانی سے ذہن نشین فرماتے۔ آپ کے تلامذہ علمی کمال کے ساتھ روحانی انوار سے بھی مستفیض ہوتے جاتے تھے، اور دور دور کے لوگ آکر فیض یاب ہوتے تھے۔''(۱)

آگے وہ لکھتے ہیں:

''درس وتدریس کے ساتھ آپ نے تصنیف و تالیف کا شغل بھی جاری رکھا، اور بکثرت کتابوں پر شرحیں اور حواشی لکھے، کوئی علم ایسا نہیں جس کی منتہی کتاب پر آپ کی شرح اور حاشیہ نہ ہو، بلکہ آپ کی اکثر شروح وحواشی پر آپ کے شاگردوں نے حاشیے اور شرحیں لکھی ہیں۔ آپ نے صرف فن حدیث پر ۳۲ رسالے لکھے ہیں، سب سے پہلی تصنیف شرح ارشاد ہے۔ مولانا غلام علی آزاد بلگرامیؒ نے اپنی کتاب مأثر الکرام میں آپ کی مصنفہ کتب کی تعداد ۱۹۷ بیان کی ہے، مگر آپ کی تصنیف کی تعداد ان سے زیادہ بیان کی جاتی ہے۔''(۲)

علامہ وجیہ الدین علوی کے شاگردوں کی تعداد خاصی ہے، وہ شاگرد اور خلفاء جنہوں نے درس وتدریس، تصنیف وتالیف، ارشاد وتربیت کے ذریعہ مخلوق کو فیض یاب کیا، خصوصی بڑی تعداد میں ہیں، چند اہم نام ملاحظہ ہوں:

سید احمد دکنی، مولانا عبدالہادی، بایزید ثانی سرہندی، مولانا حسین پشیہانی، سید اشرف بلگرامی، شیخ احمد رحمت اللہ، شیخ شریف بن عزیز اللہ صدیقی احمد آبادی اور ان کے فرزند شیخ فرید محدث، ملا عبدالرحمٰن گجراتی، مولانا برہان الدین گجراتی، مفتی عبدالرحیم عباسی، شیخ جمال بن عثمان اور ان کے لڑکے محمد عثمان، مولانا محمد شفیع نورانی، محمد طاہر بن

(۱) مقدمہ حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ص۴۲ (۲) یادایام (مختصر تاریخ گجرات) صفحہ ۸۸

یوسف برہانپوری، سید علیم الدین بخاری، شیخ مولانا محمد دکنی، مولانا محمد یعقوب پٹنی، ملا عبدالنبی احمد نگری، شاہ شیخ ابوسعید شطاری سارنگ پوری (مالوہ) صوفی شریف جھنجھانی، شاہ اویس اور شاہ اسماعیل، علامہ وجیہ الدین علوی کے مشاہیر تلامذہ و خلفاء میں مولانا شیخ فرید محدث، علامہ محدث شیخ عبدالحق دہلوی، شاہ صبغت اللہ حسینی مدنی، مولانا عثمان بن عیسیٰ صدیقی سندھی، شیخ یوسف بنگالی، سید ابوتراب شاہ گداز شطاری، علامہ محدث شیخ علی متقی، مولانا عبدالغنی جونپوری، ملا حسن فراغی، شاہ عیسیٰ مدنی، شاہ عبداللہ شطاری، مولانا محمد غوث شطاری (صاحب کتاب گلزار ابرار) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ (۱)

جو فیضان تعلیم علامہ وجیہ الدین علوی نے اپنی زندگی میں جاری کیا تھا، وہی تعلیم آپ کی اولاد کے ان مقدس بزرگوں نے آپ کے وصال کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو-پونے دوسو سال تک درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا، آپ کے نو فرزند تھے آپ کی اولاد واحفاد علم وفضل میں ستاروں کی مانند تھے۔

محدث شیخ علی متقی (صاحب کنز العمال) (م ۹۷۵ھ/۱۵۶۷ء)

علامہ علی متقی بن حسام الدین المتقی (شیخ علی متقی گجراتی) دسویں صدی ہجری اور سولہویں صدی عیسوی کے ان علماء اعلام اور مشائخ عظام میں ہیں جن پر صرف گجرات کو ہی نہیں بلکہ پورے ہندوستان کو فخر ہے، اور پوری علمی دنیا ان کی ممنون احسان ہے۔ وہ مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے تھے، اور وہاں انہوں نے ممتاز علماء سے کسب فیض کیا تھا، جیسے شیخ ابومدین مغربی، شیخ محمد ابن محمد سخاوی اور علامہ ابن حجر مکی وغیرہ۔ ان کے استاذ علامہ ابن حجر مکی ان کے فضل وکمال کے ایسے معترف ہوئے کہ خود ان کی طرف رجوع کرتے تھے۔

مصنف مشائخ احمد آباد مولانا محمد یوسف متالا صاحب (برطانیہ) لکھتے ہیں:

"شیخ ابن حجر مکی بھی آپ کے استاذ تھے، اور اپنے زمانہ میں مکہ مکرمہ کے

---

(۱) ملاحظہ ہو تذکرۃ الوجیہ (بحوالہ سابق)

سب سے بڑے عالم وفقیہ تھے، وہ باوجود استاد ہونے کے شیخ علی متقی کی حدیث فہمی وجودت استنباط کے اس درجہ قائل تھے کہ کسی حدیث کی مراد سمجھنے میں ان کو دقت ہوتی تو آدمی بھیج کر شیخ علی متقی سے دریافت کراتے تھے کہ اس حدیث کو آپ نے ''کنز العمال'' کے کس باب میں رکھا ہے، پھر اس قرینہ سے حدیث کی مراد سمجھنے کی کوشش کرتے تھے، شیخ ابن حجر سے ابتداء شیخ علی متقی نے پڑھا تھا، مگر بعد میں شیخ ابن حجر علی الاعلان اپنے کو ان کا حقیقی شاگرد کہتے تھے، بلکہ آخر میں ان کے مرید ہو کر ان کے ہاتھ سے خرقۂ خلافت بھی پہنا۔ مکہ کے دوسرے علماء کبار بھی حدیث دانی میں ان کی نکتہ رسی اور دقیقہ سنجی کے قائل تھے، مشائخ وقت ان کے کمال ولایت کے معترف تھے، اور خواص وعوام تعظیم وتکریم سے ان کا نام لیتے تھے۔''(۱)

شیخ علی متقی نے تصنیفات کے میدان میں زبردست کارنامے انجام دیئے، کنز العمال جسے ان کے کارناموں میں زیادہ شہرت ملی، ان کے علاوہ منتخب کنز العمال، منہج العمال، الفصول شرح جامع الاصول، شمائل النبی ﷺ، المواھب العلیه فی الجمع بین الحکم القرآنیه و الحدیثیة، جوامع الکلم فی المواعظ والحکم (اس میں تین ہزار کے قریب نصائح جمع کئے گئے ہیں) اور زاد الطالبین، نجم الدرر، اسرار العارفین وغیرہ کئی بڑی اہم تصنیفات ہیں۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی بین الاقوامی شہرت کی حامل ہندوستانی تصنیفات میں ان کی کتاب ''کنز العمال'' کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''انہی کتابوں میں دسویں صدی ہجری سولہویں صدی عیسوی کے مشہور محدث شیخ علی بن حسام الدین المتقی برہان پوری (شیخ علی متقی گجراتی) کی کتاب کنز العمال ہے، جو علامہ سیوطی کی کتاب جمع الجوامع کی ترتیب پر ہے۔
> ''کنز العمال'' ان کتب احادیث میں سے ہے جن سے علماء حدیث نے بڑا

---

(۱) مشائخ احمد آباد، ص:۳٦٦

استفادہ کیا اور کتاب کے مصنف کے علم وفضل اور احسان کا اعتراف کیا ہے، جس نے انہیں بے شمار مصادر ومراجع کی ورق گردانی سے بچالیا، شیخ ابوالحسن البکری الشافعی جو دسویں صدی ہجری میں حجاز کے ائمہ علم میں سے تھے، فرماتے ہیں ''پوری علمی دنیا پر علامہ سیوطی کا احسان ہے، لیکن خود سیوطی شیخ علی متقی کے ممنون احسان ہیں'' علامہ سیوطی کی کتاب جمع الجوامع احادیث و روایات کا جامع ترین ذخیرہ اور خزانہ ہے، اس کتاب میں مصنف نے کوئی فقہی یا معنوی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی، اگر حدیث قولی ہے تو اس کی تلاش کے لئے ابتدائی الفاظ یاد ہونے ضروری ہیں، اگر فعلی ہے تو راوی کا نام معلوم ہونا چاہئے، شیخ علی متقی نے اس کو ابواب وفصول پر مرتب کیا، اور اس طرح اس کتاب کو زیادہ مفید اور عام بنادیا۔''(۱)

شیخ علی متقی کے ممتاز شاگردوں میں شیخ عبدالوہاب متقی مہاجر مکی (استاد و مرشد علامہ محدث شیخ عبدالحق دہلوی متوفی ۱۰۵۲ھ) اور علامہ محدث شیخ محمد بن طاہر پٹنی کے کارناموں کو زیادہ وسیع پیمانہ پر مقبولیت اور شہرت ملی، شیخ علی متقی نے ۹۷۵ھ میں اکیانوے سال کی عمر میں مکہ معظمہ میں انتقال فرمایا، اور جنة المعلّٰی میں حضرت فضیل بن عیاض کے محاذات میں مدفون ہوئے، شیخ عبدالقادر مصنف النور السافر فی اعیان القرن العاشر نے آپ کو من حسنات الدهر اور خاتم اهل الورع اور مفخرة من مفاخر الهند قرار دیا ہے۔

مولانا محمد بن طاہر پٹنی (م ۹۷۶ھ)

علامہ مجدالدین محمد بن طاہر پٹنیؒ ایسے بلند پایہ محدث تھے جن کے فضل وکمال کی شہرت دنیا بھر میں ہے اور ان کی تصنیفات سے علماء حجاز ویمن اسی طرح فائدہ اٹھاتے ہیں جیسے کہ ہندوستان کے علماء، انہوں نے شیخ ناگوری، مولانا ید اللہ اور مولانا برہان الدین

ملاحظہ ہو تذکرۃ الوجیہ (بحوالہ سابق)

سے علم حاصل کرنے کے بعد مکہ معظّمہ جاکر شیخ ابوالحسن بکری، علامہ ابن حجر مکی، شیخ جاراللہ بن فہد و دیگر محدثین کرام سے حدیث پڑھی، اور عرصہ تک شیخ علی متقی (صاحب ''کنزالعمال'') کی صحبت میں رہے، وہاں سے آنے کے بعد بجز تصنیف وتدریس کے اور کوئی شغل اختیار نہیں کیا، اور جو دولت ان کو اپنے پدر بزرگوار سے ملی تھی، ان کو بے دریغ وظائف طلبہ پر صرف کرڈالا، شیخ عبدالقادر حضرمی ''النورالسافر'' میں لکھتے ہیں۔

حتی لم یعلم ان احداً من علماء غجرات بلغ مبلغه فی فن الحدیث، کذا قاله بعض مشائخنا۔

ہمارے بعض مشائخ نے فرمایا ہے کہ یہ بھی معلوم نہیں ہے کہ علماء گجرات میں سے فن حدیث کے اندر کوئی ان سے لگّا کھاتا ہے۔

ان کی سب سے مشہور تصنیف لغت حدیث میں ''مجمع بحارالانوار'' ہے جس کو یہ کہنا چاہئے کہ وہ صحاح ستہ کی شرح ہے، نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم ''اتحاف النبلاء'' میں اس کی نسبت سے لکھتے ہیں:

کتاب متفق علی قبوله بین اهل العلم منذ ظهر فی الوجود، وله منة عظیمة بذلك العمل علی اهل العلم۔

جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے، اسی وقت سے اہل علم میں یہ مقبول ہے، اور سب کو اس پر اتفاق ہے، شیخ محمد بن طاہر نے اس کو تصنیف کرکے علماء پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

علاوہ اس کتاب کے ان کی تصنیفات میں سے "المغنی فی اسماء الرجال" اور "تذکرة الموضوعات" بے مثل کتابیں ہیں۔ ۹۸۶ھ میں ان کو مرتبہ شہادت حاصل ہوا۔ (۱)

علامہ محمد طاہر پٹنی (م۹۸۶ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب مجمع بحارالانوار فی غرائب التنزیل و لطائف الاخبار کی اہمیت کو مولانا عبدالحی حسنی نزہۃ الخواطر میں اس طرح باور کراتے ہیں کہ:

یاد ایام: ص ۹۳

"اس کتاب میں مؤلف نے احادیث کے مفردات والفاظ کی شرح کی ہے، اوران کے متعلق محدثین کے اقوال کو جمع کردیا ہے، اس لئے اس کی حیثیت صحاح ستہ کی شرح کی ہوگئی۔ یہ کتاب شروع ہی سے اہل علم میں مقبول اور متفق علیہ ہے۔اس کتاب کولکھ کر مصنف نے اہل علم پر احسان کیا ہے"۔ (۱)

مفتی قطب الدین محمد نہر والے (م ۹۹۹ھ)

یہ وہ جلیل القدر عالم، محدث وادیب تھے کہ جن کو حرم شریف میں درس دینے کا شرف بھی ملا، اور باوجود ہندی ہونے کے شرفاء مکہ کے میر منشی قرار دیئے گئے۔ مولانا عبدالحی حسنی نے ان کی دو اہم کتابوں "البرق الیمانی" (دولت عثمانی کے تسخیر یمن کی تاریخ پر) اور "الاعلام باعلام بیت اللہ الحرام" کا تذکرہ کیا اور لکھا ہے کہ ان دو کتابوں کے سوا اور بھی ان کی تصنیفات ہیں جن کا ذکر جرجی زیدان نے "آداب اللغة العربیه" میں کیا ہے امام شوکانی نے "البدر الطالع" میں ان کی فصاحت وعربیت کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"وله فصاحة عظيمة، يعرف ذلك من اطلع على مؤلفه "البرق اليمانى فى الفتح العثمانى"

قطب الدین نہر والے بہت بڑے فصیح تھے، ان کی کتاب "البرق الیمانی" کو دیکھ کر ان کی فصاحت کا ہر شخص اندازہ کرسکتا ہے۔ (۲)

شیخ عبدالقادر بن سید شیخ حضرمی احمد آبادیؒ (م ۱۰۳۸ھ)

مولانا عبدالحی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء (متوفی ۱۳۴۱ھ-۱۹۱۳ء) نے انہیں گجرات کا مشہور عالم ومصنف اور صاحب سلسلہ قرار دیا ہے، اوران کی تصنیفات کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "ان کی تصنیفات میں سے "الحدائق الخضرة" سیرۃ النبی پر

---

(۱) نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر (الاعلام بمن فى تاريخ الهند من الاعلام) جزء رابع

(۲) یاد ایام ص ۹۳

مبسوط کتاب ہے۔"النور السافر فی اعیان القرن العاشر" تاریخ میں بڑی مفید تصنیف ہے۔" الروض الارض" ،ان کے عربی دیوان کا نام ہے۔علاوہ ان کتابوں کےاور بھی ان کی تصنیفات ہیں محمد بن فضیل اللہ محبی نے "خلاصۃ الاثر" میں ابوبکر شلی نے "المشرع الروی" میں مولانا عبدالحی مرحوم نے "طرب الاماثل" میں ان کا ترجمہ لکھا ہے، ۱۰۳۸ھ میں انہوں نے وفات پائی اور اپنے مسقط الراس (جائے پیدائش) احمد آباد میں مدفون ہوئے۔[1]

علامہ علی مہائمی (م ۸۳۵ھ)

گجرات کی اہم ترین اور یگانۂ روزگار شخصیات میں ایک نام شیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمی ہے۔بقول مولانا عبدالحی حسنیؒ:

"میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سوا حقائق نگاری میں ان کی کوئی نظیر نہیں۔انہوں نے قرآن مجید کی ایک تفسیر لکھی جو دو ضخیم جلدوں میں چھپ چکی ہے،نام اس کا "تبصیر الرحمن و تیسیر المنان" ہے تفسیریں تو سیکڑوں لکھی جا چکی ہیں مگر جس بات سے ان کی تفسیر کو امتیاز و خصوصیات حاصل ہے وہ یہ کہ اس میں التزام کے ساتھ تمام قرآن پاک کی ایات کریمہ کے باہم دیگر مربوط ہونے کو ایسے دلنشین طریقہ سے بیان کیا ہے، جس کو پڑھ کر انسان وجد میں آجاتا ہے،اور بے ساختہ منہ سے داد نکلتی ہے۔ان کی دوسری کتاب "انعام الملك العلام اسرار شریعت" کے علم میں ہے،اور گمان غالب ہے کہ اس فن میں سب سے پہلی تصنیف ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اسی فن میں "حجۃ اللہ البالغہ" نام سے ایک کتاب لکھی ہے جس میں دعویٰ کیا ہے کہ اب تک اس فن میں کوئی مستقل کتاب نہیں لکھی گئی، یہ میرے دعوے کی دلیل ہے کہ سب سے اول مہائمی نے اس فن میں

---

(1) یاد ایام،ص ۹۶

کتاب لکھی ہے جو شاہ ولی اللہ کی نظر سے نہیں گزری۔"(۱)

علامہ علی مہائمی کی اور بھی تصنیفات ہیں جن میں ایک اہم کتاب اجلۃ التائیدفی شرح ادلۃ التوحید بھی ہے، ۸۳۵ھ میں مہائمی نے وفات پائی۔ مگرافسوس کہ مہائمی کے تفصیلی حالات کا زیادہ پتہ نہیں چلتا، مصنف یادایام (تاریخ گجرات) مولانا عبدالحی حسنی نے بھی اہل علم حلقہ سے اس کا شکوہ کیا ہے۔

علامہ آصف خان (م ۹۶۱ھ)

اسی طرح علامہ آصف خاں کی شخصیت مرجع خلائق تھی، مولانا عبدالحی حسنی لکھتے ہیں:

"عبدالعزیز نام تھا، حمید الملک کے بڑے بیٹے تھے، کچھ کتابیں اپنے والد سے پڑھیں، حدیث وفقہ قاضی برہان الدین نہروالی سے حاصل کی، علوم کلیہ میں گازرانی اور ابوالفضل استر آبادی کے شاگرد تھے، علوم وفنون سے فراغت ہوئی تو دربارشاہی میں پہونچے، بہادرشاہ کے زمانہ میں وزارت ملی، محمود شاہ کے زمانہ میں وکالت مطلقہ کے عہد پر سرفراز ہوئے، باوجود ان مناصب جلیلہ کے درس وتدریس ومذاکرۂ علمی کا مشغلہ آخر وقت تک قائم رہا، علامہ ابن حجر مکیؒ نے ایک رسالہ ان کے حالات میں لکھا ہے، اس میں ان کے فضل وکمال تقوی وتقدس کی بڑی مدح سرائی کی ہے اور لکھا ہے:

حتی نفق العلم فی زمنه بمكة نفاقاً عظيماً، واجتهد اهله فيه اجتهاداً بليغاً، و ثاب الطالبة و عكفوا عكوفاً باهراً عليه" (۲)

اردو زبان وادب اور اصلاحی کام

علامہ وجیہ الدین گجراتی کا دور گو دسویں ہجری اور سولہویں صدی عیسوی کا ہے، مگر ان کی زبان سے اردو کے فقرے اور ان کی تحریروں میں اردو کے ایسے جملے ملتے ہیں

یادایام ص:۸۸-۸۹ (۲) یادایام ص:۷۴-۷۸

جس سے ان کے اردو ادب سے دلچسپی کا پتہ چلتا ہے۔ مولانا محمد یوسف متالا صاحب (برطانیہ) اپنی کتاب ''مشائخ احمد آباد'' میں لکھتے ہیں:

''شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی کے مریدوں نے ''بحرالحقائق'' کے نام سے ایک مجموعہ مرتب کیا، جس میں سوال فارسی میں ہیں اور ان کے جواب جو شاہ وجیہ الدین نے دیئے ہیں اردو میں ہیں۔''

مولانا نے چند جوابات کے نمونے ذکر کئے ہیں جس سے اس زمانہ کی زبان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ مصنف تذکرہ الوجیہ نے بھی ان کے اردو اقوال جمع کئے ہیں۔

اسی طرح مصنف مشائخ احمد آباد نے دور جہانگیری میں گجرات میں اردو چلن کا ذکر کیا ہے، اور جہانگیر کی اردو ترجمہ کی فرمائش کا بھی تذکرہ کیا ہے، اور اس کی یہ وجہ بتائی ہے کہ گجرات میں ان ایام میں اردو زبان میں تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری تھا، اور گوجری یا گجری اردو میں کتابیں لکھی جاتی تھیں۔ اسی طرح رائے کھیڑا احمد آباد کی مسجد کا کتبہ جو ۹۶۳ھ کا لکھا ہے، اس میں اردو رباعی کا ذکر ہے۔

مصنف مشائخ احمد آباد زبان و ادب سے اہل گجرات کے تعلق کو اس حد تک ظاہر کرتے ہیں کہ ان کے بقول سب سے پہلے اردو زبان ادنی سطح پر اپنی روایت بناتی ہوئی ہمیں گجرات ہی میں نظر آتی ہے۔

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب ادب اردو میں گجرات کے اردو کے فروغ میں کردار کو واضح کیا ہے اور لکھا ہے:

''وہ زبان جسے آج ہم اردو کے نام سے جانتے ہیں براعظم کے دور دراز علاقوں میں بھی نہ صرف اپنی خدوخال بنا رہی تھی بلکہ گجرات ودکن میں شمالی ہند سے پہلے ادبی زبان کی حیثیت اختیار کرچکی تھی۔''

مولانا محمد یوسف متالا صاحب (برطانیہ) نے تاریخ ادب اردو کے حوالہ سے یہ بات صحیح نقل کی ہے کہ ''گجرات میں قدیم اردو کے جو نمونے ملتے ہیں ان میں تو صوفیائے

کرام کے ملفوظات ہیں جن سے اس زمانہ کی عام بول چال کی زبان کا اندازہ ہوتا ہے، یا پھر شاعری کے وہ نمونے ملتے ہیں جو شاہ باجن، قاضی محمود دریائی شاہ علی جیوگا وَدھنی اور خوب محمد چشتی کے قلم سے نکلے، گجرات میں پہلی بار ہمیں اس زبان میں تخلیق کرنے کا مسلسل روایت کا پتہ چلتا ہے، جو اس دور میں اس طور پر کہیں نظر نہیں آتی''۔ (۱)

علامہ سید سلیمان ندویؒ نے بھی گجرات کی علم دوستی اور ادب نوازی پر روشنی ڈالتے ہوئے بھروچ سے قریب قصبہ انکلیشور کے ایک کتب خانہ کا تعارف کرایا ہے اور لکھا ہے کہ:

''پرانی کتابوں کی ایک الماری ہے، اس میں چند عربی باقی فارسی تصوف کی کتابیں ہیں، گجراتی اردو میں بھی بعض کتابیں نظر آئیں۔''(۲)

مولانا سید سلیمان ندویؒ نے راندیر میں پرانے کتابی ذخیروں میں عربی اور ہندی لغت کا ذکر کیا ہے، پہلے اردو کو ہندی یعنی ہندوستانی کہا جاتا تھا اور اردو (ہندی) سے اس درجہ تعلق کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ گجرات میں عرب اور ایرانی کثرت سے آیا کرتے تھے اس لئے ان کو ہندی سے آشنا کرنے کے لئے اس قسم کے لغت یہاں لکھے گئے۔''(۳)

گجراتی اردو ادب کے مختلف نمونے نظم ونثر کے پیش کئے جاسکتے ہیں، اور اس پر مستقل تحقیقی کام کی ضرورت ہے، جس سے گجرات کے بارے میں یہ بات سامنے آسکے گی کہ گجرات اردو سے تعلق میں کسی طرح شمالی ہندوستان سے پیچھے نہیں رہا، اور صرف اردو میں نہیں گجراتی علماء نے تفہیم دین اور تعلیم وتلقین احکام شریعت میں عربی فارسی ہندی کے ساتھ ترکی اور افغانی زبانوں کو بھی اہمیت دی، ان کی یہ خصوصیت اس شعر سے بھی ظاہر ہوتی ہے، جو رسالہ فقہ ہندی میں مؤلف نے اس طرح ذکر کیا ہے:

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ مشائخ احمد آباد مؤلفہ مولانا محمد یوسف متالا۔ص ۸۵

(۲) مقالات سلیمان حصہ دوم۔ ۳۰۵/ (۳) مقالات سلیمانی۔ حصہ دوم۔ ص/ ۳۰۸

کتنے مسئلہ دین کے عہد رکھے امین | فقہ ہندی زبان سے بوجو کرو یقین
مطلب مسئلے پوچھنا جو کچھ ہوئے زبان | عربی ترکی فارسی ہندی یا افغانی

مقالات سلیمانی

اس طرح گجرات کے علماء و مصلحین نے شعر و سخن اور زبان و ادب کے ذریعہ بڑے اصلاحی کام انجام دیئے، ان مصلحین میں ایک نام سید پیر مشائخ کا ہے جن کو بعض تذکرہ نگاروں نے علاقائی سطح پر عظیم مصلح اور مجدد کی حیثیت سے یاد کیا ہے۔

سید پیر مشائخ (م ۱۱۰۲ھ)

عہد عالمگیری کی یہ وہ عظیم مصلح شخصیت ہے کہ جن سے گجرات میں خصوصاً پالنپور کے منطقہ میں زبردست اصلاحی و تجدیدی کام ہوا پالنپور کی مومن قوم ان سے خصوصیت سے وابستہ رہی، ۱۰۶۰ھ میں پٹن پور پاس جنترال نامی گاؤں میں پیدا ہوئے علم و فن کی تربیت لینے کے بعد اصلاح عوام کے لئے رسائل لکھنے شروع کئے اور اصلاح و ہدایت کی ایک کتاب ''دیوان مشائخ'' لکھی۔ سلطان محی الدین اورنگ زیب عالم گیرؒ سید پیر مشائخ کے ساتھ بڑی تکریم و اعزاز کا معاملہ کرتے تھے۔ آپ کی کتاب دیوان مشائخ کی بھی سلطان نے تعریف کی، پیر مشائخ نے دیوان مشائخ میں اشعار کے ذریعہ ہدایت خلق اور تربیت ارشاد کا کام انجام دیا، اور اس طرح ان کے ذریعہ بڑی اصلاحات و تجدیدات ہوئیں۔ ان کی مناجات کے چند شعر ہیں جن میں ان کی وہ فکر و تڑپ بھی ہے کہ یہ کتاب بہتر طریقہ سے اور جلدی پوری ہو۔

تو بخشن ہا رہے صاحب میرا | یا الٰہی عالمین کر کرم سویرا
سو دوستی خاتم نبی کی تیری | تو بخش الٰہی تقصیر میری
پورا دیوان ہونے کا میرا امید بھیدا | یہ عاجز بندہ رب ایتا ہے چاہتا
یہ پورا رے ہونے کا ہے امید کراتا | میں چاہتا ہوں پورا یہ ہووے رے دیوانا
یا الٰہی تو مجھ کو نیک توفیق دیجئے | تو بندے تے تیروں موحساب جوں لیجے

سو خاتم نبی کی امید کا جا تو راکھنے الٰہی میرے رے لاجا
بندہ ضعیف ہے تجھ پاس چاہو ہے رے امید پورا رب کرادے رے

سید پیر مشائخ نے احمد آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی، وہیں ۱۰۲اھ کو بیالیس۴۲ سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ (۱)

علوم ادبیہ:

علماء دین کا علمی واسطہ چونکہ عربی زبان بنتی ہے، اس لئے علماء دین کے یہاں زبان کی صحت وخوبی اور اسلوب کی تاثیر کا بھی عموماً لحاظ کیا جاتا رہا ہے، اس کی بنا پر سب تو نہیں لیکن بعض علماء و مصنفین اپنے علمی امتیاز کے ساتھ اسلوب بیان اور ادبی خصوصیات کے بھی بڑے حامل رہے ہیں، ان کی تصنیفات میں ان کی یہ امتیازی خصوصیت بھی دیکھی جاسکتی ہے اور اگر انکی صرف اسی خصوصیت کو مدنظر رکھا جائے تو وہ ادب کے سہ سوار بھی کہے جانے کے لائق ثابت ہوتے ہیں، اس کی بعض مثالیں پیش خدمت ہیں جو مصنف تاریخ گجرات (یادایام) علامہ عبدالحی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء نے دی ہیں۔

علوم ادبیہ کے امام علامہ بدرالدین محمد بن ابی بکرالدمامینی ۸۰۰ھ میں گجرات تشریف لائے اور برسوں احمد آباد میں درس وتدریس فرماتے رہے، بحوالہ کشف الظنون مصنف یادایام لکھتے ہیں:

> ''تسہیلہ ابن مالک کا نسخہ احمد آباد میں ان کو ملا تھا، جس کی ایک مبسوط شرح لکھ کر سلطان احمد شاہ گجراتی کے نام پر معنون کی، علاوہ اس کے شرح مغنی اللبیب، شرح صحیح البخاری اور عین الحیاۃ خلاصہ حیاۃ الحیوان یہ تینوں کتابیں اسی بادشاہ کے نام پر معنون کی تھیں'' ''النور السافر'' میں جمال الدین محمد بن عبداللطیف الجافی کا بھی تذکرہ ہے، جو مخدوم زادہ کے لقب سے مشہور تھے، اور بقول ''فنون ادبیہ میں یکتائے روزگار تھے'' النور السافر میں ان کے عربی

مؤمن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں ص/۱۸۹ از مفتی محمد ڈینڈ رولوی مطبوعہ کاکوسی گجرات۔

قصائد کے بعض حصے منقول ہیں۔ ''النور السافر'' میں شیخ احمد بن عبدالمعطی باکثیر محدث کا بھی ذکر ہے، یہ بھی باکمال ادیب تھے، بقول مصنف یاد ایام ''ان کے لطائف ادبیہ اور قصائد بلیغہ ڈھونڈھنے سے بھی اب نہیں مل سکتے، ان کے پڑھنے سے روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہیں۔

مصنف یاد ایام نے مولانا ابوبکر بن محسن باعبود علوی سورتی کو بڑے درجہ کا ادیب شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ مقامات ہندی ان کی دہلی میں چھپ گئی ہے، اس کو پڑھ کر آپ معلوم کر سکتے ہیں کہ یہ کتنے زبردست انشاء پرداز تھے۔

اسی طرح ثقۃ الدولہ مولانا عبدالصمد بیر محمود شاہ دوم کے زمانہ میں میر منشی اور مولانا عبداللہ محمد بن عمر آصفی الغ خان کے میر منشی ادبیت وانشاء پردازی میں شہرت ومقام رکھتے تھے۔

خان خاناں مرزا عبدالرحیم بن بیرم خان (م ۱۰۳۶ھ)

گجرات کی شخصیتوں میں ایک شخصیت خان خاناں مرزا عبدالرحیم خاں کی ہے، ان کے والد بیرم خاں پٹن گجرات میں شہید ہوئے تھے اس وقت خاں خاناں مرزا عبدالرحیم کی عمر چار سال کی تھی، اس واقعہ فاجعہ کے بعد مرزا عبدالرحیم خان خاناں اپنی والدہ کے ساتھ احمد آباد گجرات میں تعلیم وتربیت کے لئے مقیم رہے، خان خاناں مرزا عبدارحیم لاہور میں بھی رہے، اور دہلی میں ۷۲ سال کی عمر میں ۱۰۳۶ھ (۱۶۲۷ء) کو وفات پائی۔ ''مشائخ احمد آباد'' کے مصنف مولانا محمد یوسف متالا صاحب (برطانیہ) ان کے اعلیٰ علمی وادبی ذوق کے متعلق لکھتے ہیں۔

''آپ حضرت عیسیٰ جنداللہ کے بہت معتقد تھے، خان خاناں قابلیت اور استعداد میں یکتائے زمانہ تھے، عربی، فارسی ترکی اور ہندی میں مشاق تھے، شعر خوب سمجھتے اور کہتے تھے رحیم تخلص کرتے تھے، کہتے ہیں کہ اکثر زبانوں میں جو دنیا میں مروج ہیں گفتگو کرتے تھے۔''

شاہان مغلیہ کے عہد میں خان خاناں کا شمار لائق ترین امراء میں ہوتا ہے، آپ کے دربار سے علماء واصحاب فن وابستہ رہتے تھے، ان میں سے مولانا میاں وجیہ الدین، مولانا غازی خاں بدخشی، قاضی نصیر الدین برہانپوری، ملا خیر الدین رومی مولانا جلال الدین حسن نیشاپوری، مولانا شیخ عبداللہ، مولانا شیخ ابراہیم، مولانا شیخ علم اللہ، مولانا سورتی، ملا محمد علی کشمیری، مولانا میر درستی سمرقندی، میر عبدالباقی تبریزی، ملا خوشحال تاشقندی، مرزا محمد قاسم گیلانی، آقا جلال قزونی، قاضی عبدالعزیز ہمدانی، مولانا محمد تقی کاشانی، مولانا مقصود علی تبریزی، مولانا محمد رضائی تاج مشہدی اور حکیم کمال الدین حسین شیرازی قابل ذکر ہے۔

آپ کی خط وکتابت حضرت مجدالف ثانی اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے بھی رہی، جس کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امارت کے باوجود آپ کا دینی شعور بیدار تھا۔ (۱)

مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے ان کی ادبیت اور شاعری کے متعلق لکھا ہے:

"مغل حکومت کے مشہور سپہ سالار عبدالرحیم بیرم خان خاناں فارسی، ترکی، اور ہندی کا بلند پایہ شاعر اور شعر وادب کا نقاد جوہری اور مبصر تھا، وہ صاحب سیف وقلم اور ہفت زبان تھا، عبدالرزاق خوانی نے مآثر الامراء میں لکھا ہے کہ عبدالرحیم بیرم خان شجاعت وکرم میں اپنے معاصرین میں منفرد ونظر آتے ہیں، عربی، فارسی، اور ہندی زبانوں میں انہیں مہارت حاصل تھیں اور ان سب زبانوں میں روانی اور بے تکلفی سے گفتگو کرتے تھے، اور تینوں میں آبدار شعر بھی کہہ لیتے تھے۔

عبدالرحمٰن خان خاناں ہندی کے مانے ہوئے شعراء میں ہے، جن کا ہندی شاعری میں مقام ہے، فارسی کے بھی چوٹی کے شعراء میں تھے ان کی امارت اور ان کی جامعیت نے ان کی فارسی پر پردہ ڈال دیا، اگر وہ اس کو اپنی ناموری اور

---

(۱) مشائخ احمد آباد ۴۲۹/۱-۴۳۰۔ از مولانا محمد یوسف متالا۔

اظہار کمال کا ذریعہ بناتے توان کا پایہ ان کے دربار کے ان ایرانی شعراء سے کم نہ ہوتا جن کے نغموں سے فارسی شاعر کا ایوان ابھی تک گونج رہا ہے۔‘‘(۱)

ان کی فارسی شاعری کا پایہ اور تغزل میں ان کا مرتبہ معلوم کرنے کے لئے ان کی غزل ملاحظہ ہو جس کا مطلع ہے:

شمار شوق نداستہ ام کہ تا چندست　　　جز ایں قدر کہ دلم سخت آرزومندست

اسی غزل کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

میانِ اہل محبت حدیث عہد بیکاراست　　　نگاہِ اہل محبت ہزار سوگند است

ادبی سرپرستی

مصنف مشائخ احمد آباد لکھتے ہیں:

’’خان خاناں عبدالرحیم خاں فارسی اور ہندی دونوں میں طبع آزمائی کرکے ماہرین فن سے داد حاصل کیا کرتے تھے، وہ طرح فارسی کے اساتذہ کے مقابلہ میں غزلیں کہتے تھے اسی طرح ہندی شاعروں کے مقابل میں بھی طبع آزمائی کرتے تھے، وہ ہندی شاعری کی تاریخ میں زندہ جاوید رہیں گے۔ ان کے ہندی کلام کے مجموعوں میں دوہارل، نگرشوبھا بردے، نائکہ بھید بروے، شرلگار، سورٹھا، پھٹکری اور رحیم کا دیہ تک مشہور ہیں، ان کے دربار میں فارسی شعراء میں عرفی، شکیبی، نوعی شیرازی، ثنائی خراسانی، کفوی، معزی جیسے بلند پایہ شعراء ان کی زرپاشیوں سے سیراب ہوتے رہے، اسی طرح ہندی شعاء کیشورداس، پرشدھ ہول رائے اور مند وغیرہ بھی انہی کے یہاں سے بڑے بڑے صلے پاتے رہے۔‘‘(۲)

آگے لکھتے ہیں:

’’خان خاناں مرزا عبدالرحیم بن بیرم خاں ممکن ہے علمی قابلیت میں اپنے ہم عصروں سے کم رہے ہوں، لیکن علم کی قدر دانی میں ان سے بہت آگے تھے،

---

(۱) ہندوستانی مسلمان ایک تاریخی جائزہ۔ ص ۵۳/ (ایڈیشن ۲۰۱۶ء) (۲) مشائخ احمد آباد ص ۴۳۱

ان کا کتب خانہ شروع میں احمد آباد میں تھا، جبکہ وہاں کے حاکم تھے، یہ بہت اعلیٰ درجہ کا کتب خانہ تھا، کتابوں کی مرمت، اصلاح اور حفاظت کے لئے بہت سے ملازمین مقرر تھے کاتب، جلد ساز، وراق، صحاف، نقاش اکثر وہ ہوتے تھے جو اپنے فن میں اپنا ثانی نہ رکھتے تھے، مولانا ابراہیم نقاش اسی کتب خانہ میں ملازم تھے، یہ خوش نویس، طلا کار، صحاف اور حکاک بھی تھے، علمی استعداد بھی ان کی اچھی تھی، طبع موزوں بھی رکھتے تھے۔"(۱)

خاناں بیگم (م ۱۰۷۰ھ)

گجرات کی خواتین نے بھی علم وادب میں کمال پیدا کیا، یہاں مثال کے طور پر خان خاناں مرزا عبدالرحیم کی صاحبزادی خاناں بیگم کا ذکر کیا جا رہا ہے، مولانا محمد یوسف متالا صاحب رقم طراز ہیں:

"امیر عبدالرحیم خان خاناں کی صاحبزادی خاناں بیگم نے اپنے والد کی امارت کے دور میں پرورش پائی اور علم وکمال کے اس درجہ تک پہونچیں کہ عورتوں کا کیا ذکر جہاں تک بہت سے مرد بھی پہونچ نہیں سکے، اسی لئے اکبر نے اپنے بیٹے دانیال کا اس خاناں بیگم سے نکاح کر دیا، اور دانیال کو گجرات کی طرف روانہ کر دیا، اور گجرات میں ہی دانیال کا انتقال ہوا اور یہ خاناں بیگم طویل عرصہ تک گجرات ہی میں رہیں، اور دوبارہ نکاح کی ان کو رغبت نہیں تھی۔ کہتے ہیں کہ سلطان جہاں گیر نے خود ان سے نکاح کا ارادہ کیا، مگر خاناں بیگم نے انکار کر دیا آپ حج وزیارت سے مشرف ہوئیں اور آپ نے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھی، نیز آپ کے فارسی اشعار بھی بہت مشہور ہیں، خاناں بیگم نے ۱۰۷۰ھ میں وفات پائی۔"(۲)

مولانا نظیری (م ۱۰۲۰)

محمد حسین نام تھا اور نظیر تخلص، بڑے فارسی شعراء میں تھے بچپن سے ہی شعروسخن

---

(۱) مشائخ احمد آباد ص ۴۳۳-۴۳۰ (۱) مشائخ احمد آباد ص ۴۳۶

سے دلچسپی تھی، مرزا عبدالرحیم خان خاناں سے متعلق رہے، اور مستقل طور پر ان سے وابستہ ہو کر احمد آباد گجرات میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، جہانگیر جب تخت نشین ہوا تو نظیری کو دربار میں طلب کیا۔ مصنف مشائخ احمد آباد لکھتے ہیں:

"چنانچہ جہانگیر توزک میں ۱۰۱۹ھ کے واقعات میں لکھتے ہیں: فن شعر و شاعری میں مشہور روزگار نظیری نیشاپوری کو جو گجرات میں تجارت کے ذریعہ زندگی بسر کر رہے ہیں، میں نے دربار میں طلب کیا تھا، انہی دنوں اس نے یہاں پہونچ کر آستانہ بوسی کا شرف حاصل کیا، وہ انوری کے اس قصیدہ "باز ایں چہ جوانی و جماعت جہاں را" کی زمین میں میری مدح لکھ کر لایا تھا، جسے پیش کرنے پر میں نے صلے میں ہزار روپئے، گھوڑا اور خلعت عنایت کیا۔"[1]

ایک بار جہانگیر نے ایک عمارت کا کتبہ لکھنے کے لئے کہا جس پر انہوں نے یہ غزل لکھ کر پیش کی؛

خاک درت صندل سر گشتہ سراں را　　باد امژہ جاروب رہت تاجوراں را[2]

نظیری کی شہرت دور دور ہو چکی تھی، مصنف مشائخ احمد آباد مولانا یوسف متالا لکھتے ہیں:

"بہت جلد خراسان میں ان کی شہرت پھیل گئی، جب خراسان سے کاشان آئے تو وہاں حاتم فہمی، شجاع اور رضائی کے کلام سے فضا گونج رہی تھی، نظیری نے ان کے مقابلہ میں غزلیں کہ کر اپنے فن کا ثبوت دیا۔ مآثر رحیمی نے لکھا ہے کاشان کے ایک طرح مشاعرہ میں نظیری نے بھی ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ تھا:

زخود ہرگز نیاز رم دلے را　　کہ می ترسم درد جائے تو باشد

مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "جائے" کا قافیہ شاعروں کی غزل میں اس طرز پر پہلے سے بندھ بندھ کر پامال ہو چکا تھا، مثلاً

---

(۱) مشائخ احمد آباد ص ۴۳۶　(۲) ایضاً

دو عالم را بہ یک از دل تنگ　　بروں کردیم تا جائے تو باشد

لیکن نظیری نے اول الذکر شعر میں اس قافیہ کو نئے پہلو سے باندھا۔ نظیری نے اس شعر کا پہلا مصرعہ اس طرح کہا:

نیاز ارم زخود ہرگز دلے را

نظیری کو زیارت خانۂ کعبہ کی بڑی تمنا تھی یہ سعادت انہیں نصیب ہوئی، ابوالفضل نے آئین اکبری میں لکھا ہے" کہ اس وقت وہ حج کے لئے تشریف لے گئے ہیں، جس کا اظہار انہوں نے اس طرح کیا:

کشتی تن شدہ طوفان زدۂ عصیانم　　وائے من گر بہ حمایت نہ رسد غفرانم
گر دل ایں چشمۂ انباشتہ را بکشاید　　بہ گریباں رسد آلودگی ز داماں!
ہر آبادی صد بت کدہ اش آب وگل است　　از خود آلائش اگر دور کند ایمانم
صید قربان گہ عشقم بہ قفا ماندہ کجا است　　کعبہ گری کہ بہ تقصیر کند قربانم (۱)

نظیری کا مزاج دیندارانہ تھا، ان کو اس کے مواقع ملے کہ وہ اکبر کے دربار سے وابستہ ہو جائیں لیکن اکبر کے ملحدانہ خیالات سے انہیں سخت نفرت تھی اس لئے گوشہ نشینی کو ترجیح دی، اور احمد آباد میں ۱۰۲۰ھ میں وفات پائی اور وہیں اپنی بنائی ہوئی مسجد کے پاس مدفون ہوئے۔

ان کے علاوہ اور بھی اصحاب شعر وسخن ہیں جن میں نمایاں اور ممتاز حیثیت کے حامل سید شاہ حسن علوی (م ۱۰۵۹ھ)، علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی کے بھتیجے ہیں، ان کی کئی ہندی نظمیں ہیں، میر محوی (م ۹۸۰ھ) ملا حالتی، صرفی ساوجی، نقائی، لطفی منجم اور مولانا محمد رضا شکیبی (۱۰۲۰ھ)، ملا محمد حسین ہروی مولانا صوفی (م ۱۰۳۴ھ)، مولانا شتابی جناری، مولانا کمال الدین جسمی، میر محمد ہاشم قصہ خواں، میر محمد یوسف طبعی، حکیم مشہدی، مولانا شعری، مولانا حیدری، مولانا سعیدی، ملا حزینی اور مولانا محمود کے بھی کلام کے نمونے ملتے ہیں۔ (۱)

---

(۱) مشائخ احمد آباد مؤلف مولانا محمد یوسف متالا۔ ص ۴۳۴۔۴۳۷ (۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مشائخ احمد آباد مولانا محمد یوسف متالا (بحوالہ مذکور)

علامہ عبدالعزیز میمنؒ (۱۹۷۸ء)

گجرات کی یہ سعادت آج بھی جاری ہے کہ وہ علم و ادب کے تحفے عالم انسانیت کو آج بھی دے رہا ہے، گجرات کے اہل علم وفضل گجرات میں رہ کر اور گجرات سے نکل کر برابر دین وملت کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ اور علم وادب سے وابستگی برابر قائم رکھی ہے۔ ماضی قریب میں گجرات کی قابل فخر شخصیت میں ایک بڑی نمایا اور بین الاقوامی شہرت وعزت کی حامل علمی وادبی شخصیت علامہ عبدالعزیز میمن راج کوٹی کی گزری اور عربیت میں ان کے رسوخ کو اہل عرب نے تسلیم کیا۔ عربی زبان کی مشہور شخصیتی کتاب ''الاعلام'' میں ان کا اس طرح تذکرہ ہے۔

اديب باحث؛ محقق، لغوى، خبير بالمخطوطات و نوادر الكتب ...... و تعمق فى علوم اللغة و الادب، و حفظ من الشعر العربى القديم ما يزيد على سبعين الف بيت۔

ان کی علمی وادبی نشاطات کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

"وكان بشارك الى جانب تدريسه و تأليفه فى النشاط اللغوى والادبى بمحاضراته و مقالاته و تحقيقه التى ينشرهااو يلقيها فى المؤتمرات، و تم انتخابه عضواً مراسلافى المجمع العلمى فى السنة ۱۹۲۸م، وكان آنذاك فى الاربعين من عمره، و ظل عضوا فى المجمع خمسين عاماً او يزيد۔ "

علامہ عبدالعزیز میمنؒ کے علمی وتحقیقی کام جن سے ان کے علم وادب اور عربیت و کمال کا پتہ چلتا ہے:

۱۔ سمط اللآلی فی شرح امالی القالی لابی عبیدالبکری، نسخ تصحیح، تخریج واضافہ کا کام جو دارالحدیث بیروت سے طبع ہوا۔

حضرت مولانا عبداللہ اسماعیل پٹیل کاپودروی گجرات کی بڑی علمی دینی شخصیت کے طور پر متعارف تھے،

۲۔ دیوان حمید بن ثور الہلالی پر کام جو الدار القومیه قاهره سے طبع ہوا۔

۳۔ ابو العلاء و ما الیه محبّ الدین خطیب کی نگرانی میں المطبعة السلفیه قاهره سے طبع ہوئی اسی کتاب سے علامہ کو علمی وادبی دنیا میں مراجعت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ ان کے علاوہ اور بھی مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتابیں اور مجموعۂ مقالات ہیں۔ (۱)

علامہ میمنؒ کو ۱۹۲۵ء میں علامہ سید سلیمان ندویؒ معتمد تعلیم ندوۃ العلماء نے ندوۃ العلماء میں توسیعی خدمات کے لئے مدعو کیا، یہ خطبات جب شائع ہوئے تو علامہ سید سلیمان ندویؒ نے تعارفی نوٹ میں علامہ میمن کی ان الفاظ میں تعریف کی کہ "خطیب ممدوح عربی ادب وتاریخ میں یدطولی رکھتے ہیں، اور اسی کے ساتھ قلمی کتابوں، یوروپین مطبوعات اور علماء یورپ کی کوششوں سے پوری طرح آگاہ ہیں" یہ اس وقت کی بات ہے جب علامہ میمن کی عمر صرف ۳۸ برس تھی، یہی زمانہ ہے ۱۹۲۷ء کا جب ان کو استاذ احمد ابراہیمؔ نے ایک مکتوب میں خطاب کرتے ہوئے لکھا "الی الاخ الفاضل رب العلم و الادب" اور ان کی کتاب ابو العلاء و ما الیه کا مطالعہ کر کے استاذ احمد شاکر نے لکھا:

"وجدتكم او فيتم البحث حقه واستوعبتم كل ما يستحقه موضوعه عن الادلة الحجج من البسطة فى العلم، من سعة فى الاطلاع، و من قدرة على امتلاك ناصية القول، واسئل الله ان يزيدك من فضله و ان ينفع بك العرب و اللغة العربية والمسلمين والاسلام۔(١٣٤٦ھ)

اسی طرح المجمع العلمی العربی دمشق میں ۱۹۲۸ء میں ان کی رکنیت کی اطلاع دیتے ہوئے استاذ کرد علی نے لکھا کہ:۔

"بالنظر لما علم المجمع العلمى العربى فى دمشق من غزارة فضلك و سعة اطلاعك و تفانيك فى خدمة اللغة العربية و آدابها" (۱)

---

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: علامہ عبدالعزیز میمن سوانح اور علمی خدمات از محمد راشد شیخ، پاکستان

(۲) ان مخطوطات اور اعزازات کے لئے ملاحظہ ہو: علامہ عبدالعزیز میمن سوانح اور علمی خدمات بحوالہ سابق

"مجمع العلمي العربي دمشق نے آپ کے فضل وکمال اور عربی زبان وادب میں آپ کے رسوخ اور وسیع النظری کی بنا پر رکن منتخب کیا ہے۔"

میمن صاحب نے کراچی میں نوے (۹۰) سال کی عمر میں ۲۷/اکتوبر ۱۹۷۸ء کو وفات پائی اس طرح انہوں نے ایک اچھی عمر پائی اور علم وادب کی خدمت کا ان کو خوب موقع ملا۔

گجرات کی علمی وادبی تاریخ کے بطور خاص چند تابندہ ستارے ہیں جن کا تذکرہ بطور مثال کیا گیا، ورنہ گجرات کے ممتاز علماء مصنفین کی طویل فہرست ہے اوران کی تفصیل پیش کی جائے تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی ان مذکورہ بالا علماء میں ادب وزبان سے بھی خصوصی تعلق رکھنے والے کئی حضرات ہیں، اوران کا تذکرہ ہمارے رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار میں ادب اسلامی سے تعلق کا پورا جواز پیدا کرتا ہ، اور ہمارا رابطہ ادب اسلامی ادب کے علم سے بھی جو تعلق بنتا ہے اس کی طرف توجہ دلانے کو بھی اپنا فرض سمجھتا ہے۔

قرآن کا مطالبہ سو فیصد اسلام کا ہے

(جنوری ۲۰۱۰ء میں جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں منعقد رابطۂ ادب اسلامی کے گجرات شاخ کے زیر اہتمام سیمینار میں شرکت کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم دار العلوم فلاح دارین ترکیسر بھی تشریف لے گئے علماء اور ان کی ذمہ داریوں کے متعلق بڑا بصیرت افروز خطاب فرمایا جس کا اہم حصہ بعض اضافات کے ساتھ پیش ہے۔ (مرتب)

دار العلوم فلاح دارین سے میرا اور ندوۃ العلماء کا پرانا تعلق ہے

"بھائیو اور عزیزو! میں یہاں حاضر ہوا، اور مقصد حاضری تھی کہ اس ادارہ اور اس کے ذمہ داروں سے جو تعلق ہے، اس کا تقاضہ تھا کہ یہاں ضرور حاضر ہوں، میرے استقبال میں جو محبت کے الفاظ کہے گئے ان سے شرم آتی ہے، میں تو اپنے ہی گھر آیا ہوں، گھر میں استقبال نہیں ہوتا۔ میں چاہتا تھا کہ استقبال کی رسمیات نہ ہوں اور پھر ایسے بلند کلمات، یہ تو ایک لباس ہے جس سے میرا قد بہت چھوٹا ہے، لباس ڈھیلا ڈھالا اور لمبا چوڑا ہو اور قد چھوٹا اور جسم دبلا پتلا ہو تو پھر یہ ڈھیلا ڈھالا اور لمبا چوڑا لباس کبھی صحیح نہیں لگے گا، لوگ عجیب نگاہوں سے دیکھیں گے اور پہننے والے کو بھی الجھن ہوگی۔

سچی بات یہ ہے کہ اس ادارہ سے میرا اور ندوۃ العلماء کا پرانا تعلق ہے مولانا ذوالفقار احمد صاحب [1] نے جو محبت کے الفاظ کہے ہیں ان سے میں شرمندہ ہوں، محبت

(۱) مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب شیخ الحدیث دار العلوم فلاح دارین ترکیسر مراد ہیں جو ایک بزرگ دل آویز شخصیت بھی تھے انہوں نے اپنے خطبۂ استقبالیہ میں یہ تلمیح استعمال کی تھی کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی شخصیت راڈار کی طرح ہے جو جہازوں کو کنٹرول کرتا ہے امت مسلمہ دنیا میں کہیں بھی مسائل سے دوچار ہے لوگ حضرت مولانا کی فکر اور رہنمائی کے منتظر و مشتاق رہتے ہیں جیسے ان سے پہلے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی فکر اور رہنمائی کے منتظر و مشتاق رہتے تھے۔ (مرتب)

کے ان الفاظ سے شرمندہ ہوں، جوانہوں نے کہے محبت میں ایسی باتیں ہو جاتی ہیں، اس پر ملامت نہیں کرنی چاہئے، یہ باتیں اس لمبے چوڑے لباس کی طرح ہیں جو چھوٹے قد و قامت والے کو پہنا دیا جائے۔

جہاں تک دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کا تعلق ہے وہ گجرات کا ایک معتبر اور اچھی شہرت کا حامل دینی تعلیمی ادارہ ہے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے بعد اس ادارہ نے اپنی اچھی پہنچان بنائی اور یہاں کے فضلاء اپنی جامعیت کے ساتھ میدان عمل میں آئے جو الحمد للہ بہت کام کر رہے ہیں، ان میں ہمارے مولانا غلام محمد وسطانوی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں اور بھی حضرات ہیں مولوی محمد اقبال فلاحی ندوی ہیں جو یہاں سے پڑھ کر ہمارے دارالعلوم ندوۃ العلماء آئے اور عربی ادب میں اچھی استعداد پیدا کی پھر جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ گئے اور وہاں بھی پڑھا، پھر اپنی خدمات ادارہ کے لئے پیش کیں اور اچھے افراد تیار کئے ہمارے دارالعلوم ندوۃ العلماء کا اس ادارہ سے اس کے آغاز کے وقت سے ہی گہرا تعلق رہا ہے، الحاج غلام محمد نورگت صاحب مرحوم جو اس کے بانیوں میں ہیں ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامی کے رکن تھے اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے وہ بہت تعلق رکھتے تھے اور ان کو انہوں نے اس کے سنگ بنیاد کی تقریب میں دعوت دی تھی، اور وہ تشریف لائے تھے پھر متعدد بار تشریف لائے، ہمارے ندوۃ العلماء کے فضلاء میں مولانا تقی الدین ندوی صاحب (جو حدیث میں اپنی خدمات کی وجہ سے دنیا میں شہرت رکھتے ہیں) نے کئی سال یہاں حدیث شریف کا درس دیا اور شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے، مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے اپنے اہتمام کے زمانہ میں اس ادارہ کو اپنے بڑوں کی سرپرستی میں انہیں خصوصیات کے ساتھ ترقی دی اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کی نصاب کی بعض اہم کتابیں داخل نصاب کیں اور عربی زبان وادب پر علوم شریعہ میں مہارت پیدا کرانے کے ساتھ خصوصی توجہ دی، یہاں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کی کتابیں قصص النبیین، القرأۃ الراشدہ اور مختارات من ادب العرب نہ

صرف داخل ہیں بلکہ ان پر خاص توجہ دی جاتی ہے جس کا اثر یہاں کے فضلاء پر اور طلباء پر صاف نظر آتا ہے خوشی کی بات ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کی سرپرستی اس ادارہ کو برابر حاصل ہے اور ان کی حیثیت رئیس الجامعہ کی ہے۔

اخلاص اور اختصاص

اصل دیکھا جائے تو یہ سب کچھ برکتیں مخلص بانیوں اور منتظمین واساتذہ کے اخلاص کی بات ہے اخلاص عمل کبھی ضائع نہیں جاتا ہے عمل کی قبولیت اور نافعیت اخلاص سے جڑی ہوئی ہے، دوسری چیز اختصاص ہے عام تعلیمی مراحل سے گزر کر جس فن سے مناسبت ہو اس میں زیادہ یکسوئی اور محنت سے کام لیا جائے تو اس سے بڑی ترقی ہوتی ہے اور اس کی طرف لوگوں کا رجوع ہونے لگ جاتا ہے، سبھی لوگ فن کے ماہر سے استفادہ کے خواہاں ہوتے ہیں اور الحمد للہ یہاں اس بات کا خیال رکھا جاتا ہے۔

دنیا کے پھل پھول اصل نہیں ہیں

بھائیو اور عزیزو! دنیا کے پھل اور پھول اصل نہیں ہیں دین کے پھل اور پھول اصل ہیں۔ حضور اقدس ﷺ نے مومن کی مثال اس شجر سایہ دار سے دی ہے، جس کا سایہ لینے کے لئے آدمی کھڑا ہو جاتا ہے، تھوڑا سکون حاصل کرتا اور آگے بڑھ جاتا ہے۔ اس لئے ایک طالب علم دین اور ایک مسلمان کو ایک جگہ پر ٹھہرنا نہیں ہے آگے بڑھتے رہنا ہے، علم و دین میں قناعت نہیں ہے قناعت دنیا کے معاملہ میں ہے۔

دعوت و تبلیغ دین علماء کا فریضہ ہے

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔

"اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ"

"یعنی: یاد رکھو! تم میں جو یہاں موجود ہے وہ اس تک بات پہونچانے کی کوشش کرے جو یہاں نہیں آسکا۔"

کتنے ایسے ہوتے ہیں جن تک بات پہونچائی جارہی ہوتی ہے وہ سننے والے سے زیادہ بات کو سمجھنے اور محفوظ رکھنے والے ہوتے ہیں دعوت الی اللہ کہ لوگوں کے پاس جاکراوران سے رابطہ قائم کر کے انہیں اللہ کی طرف بلایا جائے اوران کوحق کی بات سمجھائی جائے، دین اور شریعت کے تقاضوں سے واقف کرایا جائے اور اللہ کی رضا کے حصول کا جذبہ ان میں پیدا کرایا جائے کہ کوئی بھی عمل اس جذبہ اور فکر سے خالی نہ ہواور تبلیغ الی الناس یہ ہے کہ لوگوں کے پاس جاکران کو دین کے احکام، شریعت کی باتیں سنت کا طریقہ اور اخلاص واخلاق کی باتیں بتائی جائیں، یہ دعوت وتبلیغ علماء کی ذمہ داری اور فریضہ ہے، علماء کا اس سے غفلت برتنا گناہ کی بات ہے ہمارے بزرگوں کا طریقہ یہ رہا ہے کہ ایک طرف ان کے ذاتی مفادات اور تقاضے سامنے تھے دوسری طرف دعوت وتبلیغ کا اپنا تقاضہ تھا جوامت اور انسانیت کا تقاضہ تھا تو وہ امت اور انسانیت کے تقاضے کو اپنے تقاضوں پر ترجیح دیتے تھے یہ بات اللہ کو بہت پسند ہے اور یہ اللہ کے یہاں مقبولیت کا بڑا ذریعہ بنتی ہے۔ اس لئے دین کی باتوں کو دوسروں تک پہونچانے اور آخرت کی فکر کرنے اور دوسروں کو آخرت کی فکر کی طرف متوجہ کرنے کی ذمہ داری بنتی ہے اور یہ چیز قرآن وحدیث سے معلوم ہوگی، ہمارے مدارس میں جن علوم کی تعلیم دی جاتی ہے، یہ اس وقت صحیح طور پر حاصل ہوگی جب عربی اچھی ہوگی، اسی صورت میں صحیح عالم وداعی بنا جاسکے گا، قرآن وحدیث کی تعلیمات کے سانچہ میں اپنی زندگی اور طور وطریق کو ڈھالنا صرف عالم اور طالب علم اور مدرسہ وخانقاہ میں رہنے والوں کی ذمہ داری نہیں ہے۔ ہر مسلمان کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اسلام کے تمام مطالبات اور تقاضوں کو سامنے رکھے اور اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھالے، ’’کل مسلمان اور مکمل اسلام‘‘ کی بات ہے اور اسی کا مطالبہ سارے مسلمانوں سے ہے۔

کل مسلمان اور مکمل اسلام

قرآن کا مطالبہ ہے کہ اپنے کو پورے طور پر اسلامی سانچہ میں ڈھالو، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَافَّةً۔ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّیْطَانِ اِنَّهٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ." (بقرہ:۲۰۸)

"اے ایمان والو اسلام میں سارے کے سارے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو کیونکہ وہ تمہارا صریح دشمن ہے"

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اس آیت کریمہ کو موضوع بنا کر دارالعلوم ندوۃ العلماء میں منعقد اصلاح معاشرہ کے ایک بڑے جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ کل مسلمان اور مکمل اسلام کی یہاں دعوت دی گئی ہے کہ سو فیصدی مسلمانوں کو سو فیصدی اسلام پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت اور قرآنی دعوت و تاکید ہے اور یہی جاہلیت اور اسلام کا فرق ہے اس میں عقائد بھی داخل ہیں اور فرائض دینی بھی، فرائض زندگی بھی اور تمدن و معاشرہ بھی، نہ دین میں استثناء ہے نہ مسلمانوں میں استثناء، اور نہ زمانہ اور ملک میں استثناء، یہ عام فہم اور نا قابل انکار قرآنی دعوت ہے۔ (۱)

دنیا دین کے مطابق برتی جائے گی

اس لئے ہر ایک کو چاہئے کہ وہ قرآنی و حدیثی تعلیمات میں اپنے کو ڈھالے، دنیا برتنے کی اجازت بلکہ اس کا حکم ہے، لیکن دین و شریعت کے حکموں کو نظر انداز کر کے نہیں، بلکہ اسی کے مطابق برتنے کی اجازت ہے، جب انسان قرآن و حدیث کو نہیں سمجھے گا تو وہ غیر شعوری طور پر نظر انداز کرنے والا بن جائے گا۔

ہر معاملہ میں اللہ کی رضا پیش نظر رہے

"بھائیو! جو کچھ ہوتا ہے اللہ کے فضل سے ہوتا ہے، یہ اللہ کا فضل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدرسہ میں علم حاصل کرنے کے لئے بھیجا اور اس مبارک راستہ پر ڈالا، اس لئے نہیں کہ ہمارے پیش نظر ہو کہ بڑی شخصیت بنا جائے، اور خوب شہرت ہو، ناموری ہو، اور جاہ و منصب ملے، صرف اس لئے کہ اللہ کو راضی کرنا، اور اللہ کی

رضا اور پسند کی باتیں معلوم کرنا ہے اور دوسروں کو اس سے واقف کرانا ہے۔ معمولی معمولی انسان جب محنت کے راستہ پر پڑ جاتے ہیں بڑی شخصیت بن جاتے ہیں۔

صوبہ گجرات کا امتیاز اور آپ کی ذمہ داری

صوبہ گجرات کو اس میں امتیاز حاصل ہے، جگہ جگہ علمی و دینی پاور ہاؤس ہیں، ان ایمانی و دینی پاور ہاؤس کی حفاظت کی ضرورت ہے اور اس کا تحفظ اس طرح ہوگا کہ آپ خوب جی لگا کر علم حاصل کریں، اور رسوخ پیدا کریں، شکر ادا کریں، باکمال استاد اور مربی آپ کو حاصل ہیں اور آپ ان کی قدر کریں۔ اور توفیق مانگیں، توفیق بڑی چیز ہے، بغیر توفیق کے کچھ نہیں ہوتا، یہ سب جو گجرات کو اور اہلِ گجرات کو دین پسندی اور خدمت خلق کی باتیں حاصل ہیں، سب اللہ کی توفیق سے ہے، اور جو کچھ آپ کے سامنے عرض کیا گیا وہ سب اللہ کی توفیق سے ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ سے قبولیت کی اور اس کی رضا و خوشنودی کی بھی دعا کریں، اور فکر کریں۔"

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب

☆☆☆

مدارس کی حیثیت دینی پاور ہاؤس کی ہے

دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور کے جلسہ دستار بندی اور تکمیل حفظ قرآن کے موقع پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی ۱۶ جولائی ۲۰۱۱ء کو کی گئی تقریر جس میں ادارہ کے ذمہ داران مولانا محمد موسیٰ ماکروٹ اور مولانا عبداللہ جھانجھی کے علاوہ ملک کی ممتاز شخصیات مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد قمر الزماں الہ آبادی مدظلہ اور مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ بھی موجود تھے۔ (مرتب)

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام علىٰ سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد، و علىٰ آله و صحبه الغر الميامين، و من تبعهم بإحسان و دعا بدعوتهم الى يوم الدين، أما بعد:

مولانا عبداللہ کاپودروی کی شخصیت اور مقام (۱)

بزرگو اور دوستو: مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس جلسہ میں اس طرح شریک ہوا، کہ میرے متعلق بڑے بڑے کلمات فرمائے گئے، میں اس تعارف کے لائق نہیں ہوں، ان حضرات کی محبت ہے کہ اس محبت کی وجہ سے انہوں نے ایسی باتیں میرے متعلق کہیں، میں اس کو نصیحت سمجھتا ہوں کہ ہر طالب علم کو ایسا بننے کی کوشش کرنی چاہئے، جیسا کہ مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب نے اشارۃً توجہ دلائی ہے، اس مسجد میں حضرت مولانا قمر

---

(۳) مقالات سلیمانی۔ حصہ دوم۔ ص/۳۰۸

(۱) مؤمن قوم اپنی تاریخ کے آئینہ میں ص/۱۸۹ از مفتی محمد ڈینڈ رولوی مطبوعہ کاکوسی گجرات۔

(۱) مشائخ احمد آباد/۴۲۹-۴۳۰۔ از مولانا محمد یوسف متالا۔

(۱) لائی ۲۰۱۸ء میں اپنے وطن کاپودرا میں ۸۵ سال کی عمر میں وفات پائی، غفر اللہ لہ ورحمہ رحمۃ واسعۃ (مرتب)

الزماں صاحب تشریف رکھتے ہیں، جو شیخ طریقت اور مربی ہیں، ان کی تربیت سے بہت فیض پھیل رہا ہے، میں بھی اس فیض سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہوں، اور حضرت مولانا عبداللہ صاحب جس وقت دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، اس وقت سے ان کا ربط و تعلق حضرت مولانا علی میاں ندویؒ سے رہا، اور اسی نسبت سے ہم لوگوں سے بھی تعلق رہا۔ جو ہمارے ماموں اور سرپرست تھے، اور عجیب بات یہ ہے کہ ان میں ایسی خوبیاں ہیں، جس کی وجہ سے ہم لوگوں کو ان سے بڑا انس ہے، اور اس وقت سے برابر ربط ہے، اور دینی و علمی کاموں میں ایک طرح سے مشارکت بھی ہے، رابطہ ادب اسلامی جو اسلامی ادب کی ترقی وتقویت کے لیے مولانا علی میاںؒ نے قائم کیا تھا، شروع سے وہ اس کے مؤقر ممبر ہیں، اپنے قلم سے بھی فائدہ پہونچاتے ہیں، اور اس کے جلسوں میں تشریف بھی لاتے ہیں، ان سے بڑا فائدہ پہونچتا ہے، اسی وجہ سے ہم لوگوں کا ان سے برابر تعلق رہا، اور اسی تعلق کی بنا پر انہوں نے میرے متعلق ایسے بلند کلمات کہے کہ جس کو سن کر مجھے شرم آتی ہے، اور ان کی محبت کی قدردانی کرتا ہوں، اور یہ خیال کرتا ہوں کہ جب اس طرح کی بات کی جاتی ہے، تو وہ میرے متعلق نہیں بلکہ میرے بڑوں کے متعلق ہے، جن کی مجھ کو محبت ملی یا ان کا فیض مجھ کو پہونچا، اور وہ میرے لئے قابل تقلید ہیں، اللہ سے دعا ہے کہ وہ اپنے دین کی خدمت ہم سب سے لے، اور ہم اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ذمہ داریوں کو جو اس نے اپنے مومن بندوں پر ڈالی ہے جتنا پورا کر سکتے ہوں اس کو ادا کرنے کی کوشش کریں۔

دینی مدارس اسلام کی بقاء وتحفظ کا ذریعہ ہیں

حضرات! یہ ہمارے دینی مدارس ان کو ہم صرف دینی تعلیم گاہ سمجھتے ہیں، یہ تعلیم گاہیں نہیں، بلکہ یہ دینی پاور ہاؤس ہیں، جس طرح پاور ہاؤس سے پورے علاقے میں بجلی پہونچتی ہے، اور علاقوں کو روشن کرتی ہے، تاریکی کو دور کرتی ہے، جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں، اندھیروں میں اجالا ہوتا ہے، اسی طرح یہ مدارس ہیں کہ ان سے پوری

امت مسلمہ کو فیض پہونچتا ہے، خاص طور پر ان علاقوں میں جن علاقوں میں یہ ادارے قائم ہوتے ہیں، اور اسی طریقہ سے ایمان کی روشنی پہونچتی رہتی ہے، اگر یہ مدارس نہ ہوتے تو آپ غور کریں، اس سے آپ کو صحیح اندازہ ہوگا کہ اسلام ختم ہو جاتا۔

میں ترکستان گیا، وہاں سمرقند و بخارا میں جانے کا اتفاق ہوا، ہم نے وہ علاقے دیکھے، جہاں کے علماء کی کتابیں ہمارے ہندوستان کے اکثر مدارس میں پڑھائی جاتی ہیں،[1] گویا کہ پورا ہندوستان ان کا شاگرد ہے، ان کی کتابیں پڑھے بغیر کوئی عالم نہیں بن سکتا، وہاں یہ حال ہو گیا تھا کہ وہاں کے لوگ نماز کو نہیں جانتے تھے، اور آپ ﷺ کی تاریخ اور ان کے حالات کو نہیں جانتے تھے، نماز پڑھنا اسلام کے دوسرے ارکان کو ادا کرنا تو بہت دور کی بات ہے، وہاں علماء ہیں لیکن بہت تھوڑے ہیں، انہوں نے چھپ کر کچھ علم حاصل کیا اور وہ اپنے دائرہ میں جتنی محنت ہو سکتی ہے کرتے ہیں، لیکن ان کی تعداد بہت کم ہے، اس لیے کہ وہاں کی فضا ستر اسّی سال سے اسلام سے ناآشنا رہی، مسجدوں کو سینما گھروں میں تبدیل کر دیا گیا، اصطبلوں اور نائٹ کلبوں میں بدل دیا گیا، وہاں کے عوام کا مزاج بگاڑ دیا گیا، اور نماز و روزہ اور دینی شعائر پر عمل کرنے سے سختی سے روک دیا گیا۔

ایک نسل کا عمل تیس سال کا ہوتا ہے

آپ جانتے ہیں کہ ایک نسل تقریباً تیس سال عمل میں رہتی ہے، تیس سال کے بعد دوسری نسل آجاتی ہے جو عمل سنبھال لیتی ہے، زندگی کی ذمہ داریاں سنبھالنے والے بدل جاتے ہیں، تو اگر کوئی چیز روک دی جائے، اس کی حصول یابی بند ہو جائے تو آپ ایک نسل تک تو کام چلا لیں گے، جس زمانے میں اس کو حاصل کیا ہے، وہ تو اسی نظریات پر قائم رہے گی، لیکن جب نسل بدلے گی، دوسری نسل آئے گی، اس کے پاس وہ چیز نہیں ہوگی، اس لیے کہیں بھی آپ کوئی چیز کوئی عادت کوئی رسم و رواج کوئی مذہب ختم کرنا چاہیں، تو آپ اس کو روک دیں اور تیس سال انتظار کر لیں یا ساٹھ سال انتظار کر لیں، جب تیسری نسل آئے گی تو وہ بالکل صاف ہوگی، اس کو کچھ معلوم نہیں ہوگا۔

مشرقی ترکستان کا ایک سبق آموز واقعہ

اس سلسلہ میں مشرقی ترکستان کا ایک واقعہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں، مشرقی ترکستان جو چین کے قبضہ میں ہے، وہاں ہندوستان یا پاکستان سے کوئی شخص سیاح کی حیثیت سے گیا، ہوائی اڈے پہونچنے پر ان کی کسی صاحب سے ملاقات ہوئی، اور کسی طرح ذکر آ گیا کہ وہ مسلمان ہیں، وہ بہت خوش ہوا، اور کہنے لگا کہ ہم بھی مسلمان ہیں، اور آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، اس کو اپنے مسلمان ہونے پر بہت فخر تھا، اس نے پوچھا کہ تمہارے یہاں کیا اسلام پر عمل بھی ہوتا ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں، ہم روزانہ عبادت کرتے ہیں، اس نے پوچھا آپ کے یہاں کیا عبادت ہوتی ہے؟ انہوں نے چار پانچ عربی کے لفظ کی ایک دعا بتائی کہ ہم اس کو روزانہ صبح میں پڑھتے ہیں، بیچارے کو اتنا معلوم نہیں تھا کہ عبادت کیا چیز ہے، چند الفاظ دعا کے یاد تھے، جو سنت سے ثابت بھی نہیں تھے، بلکہ کسی بزرگ کی ترتیب دی ہوئی دعا تھی، اس کے الفاظ اب مجھے یاد نہیں رہے، اسی دعا میں ان کا گویا پورا اسلام سمٹ گیا تھا، وہ جانتے ہی نہیں تھے کہ اسلام کیا ہے؟ کلمہ کیا ہے؟ ایمان کیا ہے؟ دین کیا چیز ہے؟ اللہ کے رسول ﷺ کی سنت اور ان کی زندگی کیسی تھی، ان کے صحابہ کیسے تھے؟ وہ دینی تعلیمات سے بالکل نابلد ہو گئے تھے۔

نئی نسل کے ایمان وعقیدہ کی حفاظت کی فکر کیجئے

بہت لوگوں کا یہ خیال ہے اگر دینی تعلیم کو روک دیا جائے، دعوت کے کام کو روک دیا جائے، تو ایک دو نسل کے بعد دعوت کا کام، دین کا کام، اس کی تعلیمات، اس کے مدارس سب ختم ہو جائیں گے، آج جو اتنے حضرات جمع ہیں، یہ سب دین کی نسبت سے جمع ہیں، اس لیے کہ آپ کو آپ کے بڑوں کی تربیت حاصل ہوئی ہے، ایمانی ماحول میں آپ پلے بڑھے ہیں، ان کی سرپرستی میں آپ نے دین سے واقفیت حاصل کی ہے، مدارس کے ذریعہ سے اور علماء کے ذریعہ سے اور جن سے آپ کا دین کے سلسلہ میں ربط و تعلق رہا ہے،

ان سے آپ نے دینی تعلیم اور دینی مزاج حاصل کیا ہے، لیکن اگر آپ سے آپ کی اولاد کو دین کی تعلیم نہیں پہونچے گی تو آپ کی اولاد میں دینی شعور نہیں رہے گا، ایمان نہیں رہے گا، جتنی دینی تعلیم سے وہ واقف ہوگا اسی قدر وہ مسلمان ہوگا، پھر اس کے بعد آنے والی نسل بالکل ایمان سے ماوراء ہو جائے گی، اور پھر تیسری نسل بالکل صاف ہوگی۔

اقلیت کو اپنے مسائل کی خود فکر کرنی ہے

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ علماء کرام برابر اس ملک ہندوستان میں نئی نسل ایمان وعقیدہ کے تحفظ کی کوشش کرتے رہے، اور اسی کوششوں کا نتیجہ یہ ہے کہ آج یہاں اسلام اچھی حالت میں ہے، بہت سے مسلم ملکوں سے زیادہ بہتر حالت میں یہاں پر مسلمان ہیں، لیکن یہ ہماری وجہ سے نہیں بلکہ ہمارے بڑوں کی وجہ سے ہے، اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس ملک میں برابر ایسے بڑے علماء اور مصلحین عطا فرمائے جنہوں نے پوری جرأت ایمانی اور حرارت ایمانی سے فتنوں اور خطرات اور چلینجوں کا مقابلہ کیا۔ حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیو بند، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ بانی ندوۃ العلماء، جیسے باحمیت علماء عطا کئے، جنہوں نے خون وپسینے کو ایک کر کے دین کی تعلیمات ہم تک پہونچائیں، یہ سب ان کی محنتوں کا نتیجہ ہے کہ آج ہم مسلمان ہیں، ہمارے مسلمان ہونے کی وجہ اسلام کو سیکھنا نہیں ہے، ہماری محنت کا اس میں بہت کم دخل ہے، یہ ہمارے بڑوں کی محنت کا نتیجہ ہے کہ ہم اسلام کو اتنا جانتے ہیں، اور اسلام سے ہم لوگوں کو اتنا تعلق ہے جو آپ دیکھ رہے ہیں، لیکن مستقبل میں کیا ہوگا؟ اس کی ابھی سے فکر کرنی ہے۔ یہاں مسلمان اقلیت میں ہیں، حکومت مسلمانوں کے پاس نہیں ہے، حکومت کا جو ذریعہ ہوتا ہے، اور اس کے جو فائدے ہوتے ہیں، وہ ہم کو حاصل نہیں ہیں، ہم جو کچھ محنت اور فکر کریں گے وہی ہوگا، باہر سے کرنے والا کوئی نہیں ہے، اور حکومت کی طرف سے کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے، تو پھر ہمیں ہی فکر کرنی پڑے گی۔ تو پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مدارس کو

جس طرح ہم پھیلا سکیں، اور بڑھا سکیں اور اس کی حفاظت کر سکیں، یہ ہمارے لیے ضروری ہیں۔

تفرقہ سے بچنا اور بچانا ہماری اولین ذمہ داری بنتی ہے

ایک اہم بات یہ ہے جس کی طرف حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے توجہ دلائی ہے کہ مسلمانوں میں آپس میں جلدی اختلافات اور جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں، اس میں شاید نیت اچھی ہوتی ہو لیکن امت بکھر جاتی ہے، امت ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتی ہے، اور کوئی چیز تقسیم ہو جائے اور بٹ جائے تو اس کی طاقت وقوت ختم ہو جاتی ہے، وہ اپنی جگہ چاہے اچھا ہو، لیکن وہ اثر انداز نہیں ہو سکتا، جب طاقت ختم ہو گی تو کیسے کوئی اثر انداز ہو پائیگا، اس امت کی اصل قوت اتحاد ہے، قرآن مجید کا حکم ہے، ﴿وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا﴾ (آل عمران:۱۰۳) صاف صاف حکم ہے کہ اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو، اور ادھر ادھر ٹکڑوں میں تقسیم نہ ہو جاؤ مل جل کر رہو، مل جل کر رہنے کے لیے اپنی طبیعت پر جبر کرنا پڑتا ہے، اور اپنی خواہش سے تنازل اختیار کرنا پڑتا ہے، یہاں پر آپس میں بہت بھید بھاؤ تھا، بہت تفرقہ تھا، جیسا کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب نے فرمایا، کہ ہمارے علماء نے مدارس چلانے والوں اور دین کی خدمت کرنے والوں نے یہ بات سوچی کہ کسی طریقہ سے اس بات کو ختم کیا جائے، اس کے لئے انہوں نے تعلیم وتربیت کا طریقہ اختیار کیا۔ یہ تعلیم گاہ کے ذریعہ سے کرنا چاہئے، تعلیم گاہ کا جو اثر پڑتا ہے وہ عام کوششوں کا نہیں پڑتا، اس لیے کہ طلباء اپنے اساتذہ کی بات کو وزنی سمجھتے ہیں، اور مانتے ہیں، اور اس پر عمل کرتے ہیں، ان کے مقابلہ میں واعظ کی بات سے اتنا متاثر نہیں ہوتے، جتنا معلم کی بات سے متاثر ہوتے ہیں، یہ سیدھی بات ہے کہ تعلیم گاہ کے ذریعہ سے کام کیا جائے گا اس کا اثر زیادہ پڑے گا، فوراً تو نہیں، لیکن جب نسل تیار ہو جائے گی تو نسل کام کرے گی، اور وہ اس فکر کو آگے بڑھائے گی۔

ندوۃ العلماء کا قیام اور اس کے فضلاء کا کام

ندوۃ العلماء کا قیام وقت کی ضرورت تھا اس کے ذریعہ مختلف مسلک ومشرب کے لوگ ایک پلیٹ فارم پر جمع ہوئے اور ملک کی بڑی جگہوں پر اس کے کامیاب اجلاس ہوئے دوسری کوشش تعلیم کے راستہ سے کی اور جامع تعلیمی نظام کا تجربہ کیا، متعدد شخصیتیں اس کا نمونہ ہیں، علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا عبدالباری صاحب ندویؒ، مولانا عبدالسلام ندوی، مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی سابق ناظم ندوۃ العلماء پھر بعد میں شاہ معین الدین احمد ندوی، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی، مولانا محمد عمران خاں ندوی بھوپالی، مولانا محمد اویس نگرامی ندوی وغیرہ کے نام زیادہ نمایاں ہیں، ان حضرات کا تعلق حضرات دیوبند سے بھی تھا، اور وہاں بھی ان حضرات کی قدر ومنزلت تھی، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ سے اور ان سے پہلے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، مولانا انور شاہ کشمیریؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور مظاہر علوم سہارنپور کی شخصیات حضرت مولانا خلیل احمد سہارن پوریؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ اور آخر میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ سے استرشاد واستفادہ کا اچھا تعلق رہا، اور ان حضرات نے بھی ندوۃ العلماء کی نہ صرف قدر کی بلکہ اس کے فضلاء کے ساتھ بڑے تعلق اور اپنائیت کا معاملہ رکھا، ندوۃ العلماء کے فضلاء نے دین کو تقویت پہنچانے والے سب کاموں کو اپنا کام سمجھا اور خدمت دین کا جو میدان خالی نظر آیا اس میں پوری تیاری کے ساتھ اترے چنانچہ تعلیم ونصاب کے سلسلہ میں نیا رویہ اختیار کیا، تاکہ اس میں جو تفریق پیدا ہوتی ہے، اس کے اسباب کس طریقہ سے دور کر دیئے جائیں، اور امت کو آپس میں ملایا جائے۔ تعلیم کے راستہ سے ارتداد کا مقابلہ کیا، تصنیف وتالیف کے راستہ سے استشراق اور مستشرقین کا مقابلہ کیا اور اس سلسلہ میں ایک بڑا کتب خانہ تیار کردیا، سیرت نبوی اور صحابہ کے تعلق سے جو قرآن مجید کے بعد بڑا مصدر ہیں بڑا ذخیرہ تیار کیا، جس کی کم از کم اردو زبان میں نظیر نہیں ملتی فکر اسلامی کا لیٹریچر بھی ندوہ نے جو پیش کیا ہے اس کی بھی سبھی حلقوں سے قدردانی سامنے آئی۔

علماء دیو بند کی خدمات اور اس کے اثرات

الحمد للہ یہ بات صرف ندوہ نے ہی نہیں، ندوہ نے تو اس کو اپنا موضوع بنایا، لیکن ہمارے دوسرے حضرات اور بزرگوں نے بھی اس طریقہ کو اپنایا، ہندوستان میں اتنے زیادہ فرقے ہونے کے باوجود آپس میں جتنا اتحاد ہے، وہ آپ کو کسی دوسری جگہ نہیں ملے گا، یہ ہمارے بڑوں کی محنت کا نتیجہ ہے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بندی، حضرت شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، ان حضرات کے شاگردوں نے کتنی بڑی خدمت انجام دی ہے، کوئی مدرسہ ایسا نہیں ہے، جو ان حضرات کے شاگردوں سے تعلق نہ رکھتا ہو، تو اس ملک میں اقلیت میں ہونے کی وجہ سے ہمیں ہی اس کی فکر کرنی پڑے گی، ہم اگر اپنے کو نہیں سنبھالیں گے اور دین کو اپنی نسلوں تک نہیں پہونچائیں گے، تو دوسرا ہماری مدد کے لیے نہیں آئے گا، یہ حضرات اس وقت ہم مسلمانوں کی سربراہی کر رہے ہیں اور دینی رہنمائی کر رہے ہیں، دینی مزاج کو تقویت پہونچانے اور دینی مزاج پیدا کرنے کے لئے حضرت مولانا قمر الزماں صاحب کا فیض بھی بہت پھیل رہا ہے، وہ وسیع نظر بھی رکھتے ہیں، مسلمانوں کے مختلف طبقات اور مکاتب فکر کے ساتھ رواداری کا بھی ان کا طریقہ ہے، سب ان کو پسند کرتے ہیں، اس طرح ہمارے مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ یہ بھی وسعت قلبی اور رواداری کے حامل ہیں، اس زمانے میں رواداری کے بغیر ہم کوئی مضبوط کام نہیں کر سکتے، اس لیے ہم کو اس کی فکر کرنی ہے۔ ہماری سوچ میں وسعت اور سب کو ساتھ لے کر چلنے کا مزاج ہونا چاہئے۔اور پھر اپنا اثر ڈالنا چاہئے

دو ضروری باتیں

دو باتیں میں خاص طور پر آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں، جو بہت اہمیت کی حامل ہیں، ایک تو ہمارے مدارس کے بقاء کی بہت ضرورت ہے، ان مدارس کو ختم کرنے کی

کوششیں بہت زور سے چل رہی ہیں، اس کو سب لوگ نہیں جانتے، وہ لوگ جو حالات سے واقف ہیں، وہی اس کو اچھی طرح سمجھ سکتے ہیں، اور اس کو مٹانے کی اس خوبصورتی کے ساتھ کوشش کی جارہی ہے کہ اس کا پتہ بعد میں چلے گا، جب وہ کامیاب ہوگی، اور اگر خدانخواستہ وہ وقت نکل چکا ہوگا، تو پھر کف افسوس ملنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہوگا۔ اس لیے ہم کو ہوشیار ہونا چاہئے، ان مدارس کو قوت پہونچانا چاہئے، اور ان کو مضبوط کرنا چاہئے، ان کی طرف سے پورا دفاع کرنا چاہئے، جب تک یہ مدارس کام کرتے رہیں گے، اس ملک میں دین قائم رہے گا، اور اگر خدانخواستہ اس میں ہماری کوشش نہ رہی اور توجہ نہ رہی، تو یہاں پر اسی طرح اسلام ختم ہو جائے گا جیسا کہ اسپین سے ختم ہوگیا، حالانکہ چھ سو آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی، لیکن حکومت کو بچا نہ سکے اور حکومت کے ساتھ وہاں مسلمان بھی ختم ہو گئے۔

اس وقت ملک اور ملت کو جس چیز کی ضرورت تھی، انہوں نے اس کی طرف توجہ نہیں دی، انہیں اپنا اقتدار عزیز تھا، ضلع ضلع میں حکومتیں قائم کر کے انہوں نے علاقوں کو تقسیم کر دیا، اور جب عیسائی مسیحی طوفان آیا، کوئی اس کے سامنے بندھ نہ باندھ سکا، اس نے ایک ایک کر کے سب کو نگل لیا، بھائی بھائی سے جب لڑنے لگے تو پھر کہاں سے طاقت پیدا ہو سکتی ہے؟ لہٰذا ہم سب کو ایک ہو کر مل جل کر کام کرنا ہے، اور دین کی حفاظت کا احساس ہمارے اندر پیدا کرنا ہے، جب تک صحیح احساس پیدا نہیں ہوگا، تو ہم دین کی اس طرح خدمت نہیں کر سکتے جس طرح کرنی چاہئے، دین کو بچانے کی ذمہ داری ہماری ہے، حکومت کی ذمہ داری نہیں ہے، دستور ان پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں کرتا، اکثریت یہاں غیروں کی ہے اور ان کا طریقہ مختلف ہے، جو بھی محنت کرنی ہوگی ہمیں ہی کرنی ہوگی۔

ایک تو یہ کہ دین کی تعلیم اور دعوت دین کم از کم ضرورت کے مطابق پہونچ جائے گی، اور اس کے لیے سارے مسلمانوں کو میدان عمل میں آنا ہوگا، یہ کام کسی ایک فرد یا جماعت کا نہیں۔

دوسری اہم بات آپس کے اختلافات سے بچنا ہے، رواداری اختیار کریں، عقائد میں پختگی ہو، عقائد میں کوئی کمی بیشی نہیں، کوئی رواداری نہیں، کوئی گنجائش نہیں، لیکن جہاں عام انسانی سطح کی بات ہے اس میں آپس میں مل جل کر کام کر سکتے ہیں، اور اسلام کے جو ضروری معاملات ہیں، اس میں ایک دوسرے کے ساتھ رواداری اختیار کریں۔

اسی لیے میں جب کسی مدرسے میں جاتا ہوں، اور کچھ سننے سنانے کا موقع ملتا ہے، تو اس طرف لوگوں کی توجہ خصوصیت سے مبذول کرتا ہوں، کہ مدرسے بہت ضروری ہیں، ساری باتیں سارے مشورے جو مدرسے کو نقصان پہونچا سکتے ہیں، ان سے بچنے کی پوری کوشش کریں، اس سلسلے میں تفصیل کا موقع نہیں، اس لیے کہ بڑی طاقتیں خطرناک سازشوں کے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اس لیے ان مدرسوں کی حفاظت کرنی ہے، اور اس کے ذریعہ سے جو فیض پھیلتا ہے اس میں مدد کرنے کی ضرورت ہے، ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ہر مسلمان خاندان کو یہ فکر کرنی چاہئے کہ ہم میں دین باقی رہے، اس کی تمنا کرنے کے ساتھ فکر کرنی پڑے گی، اس کے لیے مختلف تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت ہے، کم از کم ہر خاندان کے ایک یا دو فرد دینی علوم کے حامل بن کر سارے خاندان کو فیض پہونچائیں، سب لوگ تو ان مدارس میں نہیں پڑھ سکتے، اتنی تعداد تو ہونی چاہئے جس سے امت کو دین پر قائم رکھنے کا کام ہو سکے، اور امت دین سے دور نہ ہو، اس کے لیے آپ فوراً اس کا نتیجہ نہیں دیکھیں گے، بلکہ تیس سال میں نسل بدل جاتی ہے، جو کام آپ کر رہے ہیں، وہ آپ کی اولاد کرے گی، تیس سال کے بعد وہ میدان عمل میں ہوگی، اس لیے ہماری ذمہ داری دین پہونچانے کی ہے، ان مدارس کی قدر کیجئے، اور اس کی تقویت کے لیے جو آپ کے پاس ذرائع ہوں اس کو اختیار کیجئے، اور دوسرا یہ کہ فروعی معاملات اور عام انسانی معاملات میں رواداری کو اپنائیے، اس سے ہمیں قوت ملے گی۔

کے لئے دردر رکھنے والے نوجوان عالم تھے افسوس ایک سڑک حادثہ میں ۹/ربیع الاول ۱۴۴۰ھ کو وفات پائی

آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی افادیت

امت اس وقت تک مضبوط رہے گی جب تک ایک پلیٹ فارم پر رہے گی، متحد رہے گی، اس لیے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کا جو پلیٹ فارم ہے، اس میں سارے مسلک کو شریک کیا گیا ہے، تاکہ ہماری آواز مضبوط ہو، ہم سب کو لے کر چل رہے ہیں، اس اتحاد کا بڑا اثر پڑتا ہے اجتماعیت اور اتحاد پر بہت زور دیا گیا ہے فرمایا گیا ''وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَاتَفَرَّقُوْا'' (اور اللہ کی رسی کو مظبوطی سے پکڑ واور تفرقے کا شکار نہ ہو)۔

سارے مذاہب وادیان اور قومیں جب اسلام کے اور مسلمانوں کے خلاف ایک ہوسکتی ہیں تو مسلمان آپسی نزاعات اور اختلافات کو پس پشت ڈال کر کیوں نہیں ایک ہوسکتے، الحمدللہ مسلم پرسنل لا بورڈ کے ذریعہ تیس چالیس سال سے یہ کام بہت اچھے طریقہ سے انجام پا رہا ہے اور اس اتحاد کا عوام اور حکومت پر دونوں پر اثر پڑا ہے اور بہت سے مسائل حل کرنے میں اس سے آسانی ہوئی۔

تبلیغی جماعت کی برکات

حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ نے امت کی وحدت کی فکر کو اپنایا تھا، اور وہ اسی کی دعوت دیتے تھے، اور ہم اسی دعوت کے مطابق یہ بات کہہ رہے ہیں، کہ ہندوستان میں ہم امت اسلامیہ کی تھوڑی سی ذاتی توجہ سے دین کو بچا سکیں گے، اس لیے کہ ہمارے سامنے اس کا تجربہ ہے، ہم اگر دین پر قائم رہیں گے، اور دین کو نسلوں تک منتقل کریں گے، تو یہ دیں یہاں تابندہ و زندہ رہے گا۔

دین خالص کی دعوت اور مثبت انداز سے دین کی مبادیات اخلاص عمل، کلمہ، نماز اور حقوق کی تعلیم اور علم دین کی ترغیب کی عقائد و فرائض اور حقوق کا صحیح علم ہو جائے اور اللہ کی یاد سے غفلت نہ رہے اس کو جتنے اچھے طریقے سے اور داعیانہ کردار کے ساتھ

تربیت سے گزارنے کا کام تبلیغی جماعت کے ذریعہ ہوا کسی اور ذریعہ سے نہ ہوا۔

نیک صحبت کے اثرات

اصل تو انسان کی اندرونی طاقت ہوتی ہے، اس کا مقابلہ نہ اسلحہ سے ممکن ہے، اور نہ ظلم وزیادتی سے اس پر قابو پایا جاسکتا ہے، ظلم وزیادتی اور اسلحہ کتنے ہی خطرناک کیوں نہ ہو، اگر اس کا دل مضبوط ہے، تو اس کو بدل نہیں سکتے، ہم کو ہمارا ایمان اتنا مضبوط کر لینا چاہئے کہ ہمارے ایمان کو کوئی چھین نہ لے، یہ ہمارے اختیار میں ہے کہ اپنے دل میں ایمان کو مضبوطی سے جمالیں، بزرگوں سے تعلق رکھنا اور ان سے فیض اٹھانا، ان سے دین وایمان کی باتیں معلوم کرنا، اور اس ایمان کو اپنے اندر جمالینا، جب بار بار آپ بزرگوں کے پاس اصلاح کی نیت سے آتے جاتے رہیں گے، تو ایمان آپ کے دل میں جم جائے گا، وہ آپ کی فطرت بن جائے گا، پھر جو آپ سے تعلق رکھے گا اس کے اندر ایمان داخل ہوجائے گا، تو ان مدارس کی طرف ساری توجہ صرف کرنا چاہئے، اور بزرگوں سے تعلق رکھنا چاہئے، اس وقت بزرگوں کی تعداد بہت کم ہے، اور جب تعداد کم ہوتی ہے تو اس کی اہمیت بڑھ جاتی ہے۔

دین جس طرح دین والوں کی صحبت وتعلیم سے آتا ہے کسی اور طریقہ سے نہیں آتا یہ بات کسی حد تک تبلیغی جماعت، دینی مدارس اور دین وملت کے اجتماعی کاموں میں لگنے سے پیدا ہوتی ہے اور اسلام میں جماعت اور اجتماعیت کی بڑی اہمیت ہے البتہ کسی اللہ والے اور نیک شخص سے رابطہ قائم کر کے اور اگر وہ عالم دین ہیں تو اور زیادہ بہتر بات ہے

انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ممتاز شاگرد وخلیفہ واستاذ جامعۃ الملک عبدالعزیز جدہ۔

کچھ وقت ساتھ گزارنا اوراپنی رائے کودبانا اور مان کرزندگی گزارنا اوراس کے ساتھ تقرب الیٰ اللہ والے اعمال کی انجام دہی بڑی ترقی کا باعث ہوتی ہے اور یہ بات وہ صلاحیت پیدا کراتی ہے کہ آگے بڑھ کر بڑے کام کوانجام دیا جاسکےاوراس کی اہلیت پیدا ہوسکے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب میں دین باقی رکھے،اورتوفیق دے کہ ہم آئندہ نسل تک اس دین کو پہونچائیں، جس طرح ہمارے بزرگوں نے ہم تک پہونچایا۔اللہ تعالیٰ ہماری اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرمائے۔آمین

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین.

☆☆☆☆☆

تعلیم، تزکیہ، دعوت و تبلیغ

نبوت کے بنیادی مقاصد ہیں

جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ[1] میں طلباء اور اساتذہ کے سامنے حضرت مولانا دامت برکاتہم نے اپنی کتاب "الأدب العربي بين عرض ونقد" کے پہلے سبق کا درس دیا اور خطاب بھی فرمایا۔ جلسہ کے داعی اور حضرت مولانا کے میزبان جامعہ کے بانی وناظم مولانا مفتی عبداللہ پٹیل مظاہری رویدری تھے اور ان کے ساتھ ان کے بھائی مولانا عبدالرحمٰن رویدری پیش پیش تھے۔

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام علىٰ سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد، و علىٰ آله و صحبه الغر الميامين، و من تبعهم بإحسان و دعا بدعوته إلى يوم الدين، أما بعد:

علم دین کی خدمت ایک بڑی ذمہ داری

بزرگو اور دوستو! ابھی آپ تعارف کے سلسلہ میں سن رہے تھے، مجھے بڑی شرم آرہی تھی کہ آپ حضرات نے جس اچھے انداز میں محبت کا اظہار کیا، اور اپنے احساسات کا اظہار کیا، یہ احساسات دین کی بنیاد پر ہیں، لیکن میں ایک طالب علم ہوں، علم کی خدمت ایک عرصہ سے کر رہا ہوں اور اپنے بڑوں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا ہوں۔ جو باتیں کی گئی ہیں ان کو میں سمجھتا ہوں کہ آپ حضرات نے یہ سب کہہ کر اس بات کی طرف

---

(۱) جامعہ مظہر سعادت مظاہر علوم سہارنپور کے بانی مولانا سعادت علی فقیہ سہارنپوری اور شیخ الحدیث مولانا محمد مظہر نانوتوی کی طرف مظاہر علوم کے ہی ممتاز فاضل مولانا مفتی عبداللہ پٹیل رویدری نے انتساب کیا۔

توجہ دلائی ہے کہ ہمارے ساتھی ایسا بننے کی کوشش کریں، جس سے لوگوں کو خوشی ہو اور امت کو تقویت ملے۔ چونکہ علم سے اشتغال کی وجہ سے علم اور اہل علم سے ہمارا خصوصی تعلق ہے اور آپ سب حضرات بھی علم سے جڑے ہوئے ہیں، علم دین کی خدمت کرنے والے ایک بڑی ذمہ داری کو پورا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے جو مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے۔

کوئی چیز اتفاقی نہیں ہے

آپ سب جانتے ہیں کہ کوئی چیز اتفاقی نہیں، ہر چیز اللہ کے یہاں پہلے سے طے شدہ ہوتی ہے، جو اپنے اپنے وقت پر ظاہر ہوتی ہے، ہم یہاں اس ماحول میں پیدا ہوئے، اور اس ماحول میں ہم کو وقت گذارنے کا موقع ملا، یہ اتفاقی نہیں ہے، آپ میں سے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ نے جس زمانے میں جس ماحول میں پیدا کیا، اور جس جگہ پیدا کیا ان میں سے کوئی چیز اتفاقی نہیں ہے، میں نے کئی جگہ کہا، اللہ کے فضل سے ہم مسلمان ہیں، لیکن کیسے مسلمان ہیں؟ ہم نے اس کے لیے کوئی قربانی نہیں دی، اللہ نے ہم کو مسلمان گھر میں پیدا کیا، مسلمان والدین کی گودوں میں پروان چڑھایا، پھر ہم کو ایسی صحبتیں ملیں جو اللہ کی طرف سے متعین تھیں، اور یہ کہ اللہ نے انسان کو دنیا میں بھیج کر زندگی گذارنے کے لیے نہیں پیدا کیا، بلکہ انسان سے اللہ کام لینا چاہتا ہے، اس نے فرمایا ﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً﴾ کہ زمین پر میں اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں، ایک ایسی مخلوق پیدا کرنا چاہتا ہوں جو میری نیابت کرے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے قانون کو نافذ کیا جائے، اس میں سب سے اہم کام دوسروں کو اللہ کی طرف بلانا، دوسروں کو اللہ کی اطاعت کی دعوت دینا ہے، یہی اللہ کا فرمان ہے اس کا حکم ہے، اور ان چیزوں سے روکنا ہے جس سے اللہ نے بچنے کے لیے فرمایا ہے، اور اگر حکومت حاصل ہو، قوت واقتدار ملے تو اپنے ان اختیارات کے ذریعہ اس کام کو انجام دینا ہے، جو اللہ تعالیٰ نے اس کے سپرد کیا۔

یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مسلمان گھرانے میں پیدا کیا، اور ہمیں ضرورت نہیں پڑی کہ ہم حق بات معلوم کریں، دنیا کے ہر انسان کی ذمہ داری ہے کہ معلوم کرے کہ حق کیا ہے؟ اور حق کو اختیار کرے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے مختلف ذرائع سے حق کو واضح کر دیا ہے، اب انسان کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ حق کو معلوم کرے، جس طرح ہمیں زندگی گذارنے کے لیے مختلف اشیاء کی ضرورت پڑتی ہے، تو جہاں وہ اشیاء ملتی ہیں ہم وہاں جاکر ان اشیاء کو حاصل کرتے ہیں، مثلاً ہمیں جب غلہ کی ضرورت پڑتی ہے، تو جہاں غلہ مہیا ہوتا ہے وہاں جاکر ہم غلہ لاتے ہیں، اسی طرح ہر انسان کے لیے فرض ہے کہ وہ معلوم کرے کہ اس کا پروردگار اس سے کیا چاہتا ہے، اور یہ کیسے معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں کون سا کام پسندیدہ ہے، اور اس کے کیا آداب ہیں، اللہ کا کیا مقام و مرتبہ ہے؟ اللہ نے یہ سب باتیں اپنے نبیوں کے ذریعہ سے بتادی ہیں، اور نبی آخر الزماں پر قرآن مجید اتار کر دین کی حفاظت کا اعلان کر دیا، قرآن دین کا محافظ بھی ہے، اور دین پر عمل کروانے والا بھی ہے، وہ رب کی معرفت کے دروازے کھولتا ہے بندے کو رب سے ملاتا ہے، قرآن میں پروردگار کی طاقت وقوت کو بیان کر دیا گیا، یہ بتادیا گیا کہ اللہ تم سے اس طرح کی زندگی چاہتے ہیں، اس کی عبادت کے طریقہ کو اس کے احکامات کو واضح کر دیا گیا، اور حدیث شریف سے اس کی تشریح کر دی گئی، یوں دونوں چیزوں کو اللہ نے ایک دوسرے سے مربوط کر کے انسانوں کی ہدایت کا دروازہ کھول دیا۔

قرآن کریم کی حفاظت اللہ کا وعدہ ہے

قرآن و حدیث میں تمام چیزیں موجود ہیں ،اور اللہ تعالیٰ نے قرآن کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے، اب کوئی قیامت تک یہ نہیں کہہ سکتا کہ ہمارے پاس حق معلوم کرنے کا کوئی راستہ یا ذریعہ نہیں تھا؟ اس کے ساتھ اللہ نے جب انبیاء کا سلسلہ ختم کر دیا، تو اس امت کو انبیاء کا نائب بنادیا، اس امت کا ہر شخص نبی کا نائب ہے، اور اس کو وہ کام انجام دینا ہے جو نبی انجام دیتا ہے، وہ دعوت کا کام ہے، وہ تعلیم و تزکیہ کا کام ہے،

حضور ﷺ کی جو صفت قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے وہ تعلیم، تزکیہ اور دعوت ہے، اور اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ، وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ (سورہ جمعہ:۲)

(ترجمہ: وہ اللہ ہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے، اور ان کو پاک کرتا ہے، اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)

اور اب یہ ذمہ داری سارے انسانوں کی ہے، اس امت میں ایک خاص تعداد ایسی ہونی چاہئے، جو اس کام کو انجام دے۔ اور اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورہ آل عمران:۱۰۴)

(اور تم میں ایک ایسی جماعت رہنا ضروری ہے جو نیکی کی طرف بلایا کرے اور بھلائی کا حکم دیا کرے اور بدی سے روکا کرے اور یہی لوگ پوری طرح کامیاب ہیں۔)

یعنی ایک اچھی خاصی تعداد ایسی ہو، جو دعوت و تزکیہ اور تعلیم کا کام انجام دے سکے، اور الحمد للہ ہر دور میں ایسی جماعت ہوئی اور رہی ہے، جنہوں نے تعلیم و تزکیہ کا کام انجام دیا، اور اب ان مدارس اور خانقاہوں کے ذریعہ سے تعلیم و تزکیہ کا کام ہو رہا ہے، اور مختلف دینی جماعتوں سے دعوت کا کام ہو رہا ہے، تو جو لوگ ان مدرسوں میں آ رہے ہیں، انہیں اس احساس ذمہ داری کو سمجھنا ہے کہ ان کا کام تعلیم و دعوت ہے، اور وہ جو تعلیم حاصل کر رہے ہیں وہ اس کے متعلق احکام و آداب پر خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو بھی اس سے واقف کرائیں، اسے دوسروں کو سکھائیں، جب تک ایک جماعت اس کام کو انجام دیتی

رہے گی، دین تروتازہ رہے گا۔ اور جب یہ کام بند ہوجائے گا، تو پھر دین تعطل کا شکار ہوجائے گا، اہل دین ختم ہوتے چلے جائیں گے، اس زمین پر فساد پھیل جائے گا۔

دین کی روشنی اگر نہیں پہونچے گی تو کفر کی ظلمتوں میں زندگی گزارنی پڑے گی

ہم نے دنیا کے مختلف ممالک میں جا کر دیکھا کہ جب وہاں دینی تعلیم کا سلسلہ ختم ہوگیا، اور مدارس ویران کردیئے گئے، وہاں سے اسلامی تعلیمات ختم ہوگئیں، اسلامی شعائر مٹ گئے، مسلمانوں کی مسلمانی جاتی رہی، مدرسوں کی شاندار عمارتیں رہ گئیں، لیکن پڑھنے والے پڑھانے والے ختم ہوگئے، مسلمانوں کا خاتمہ ہوگیا، اس لیے کہ اللہ کی طرف سے ہر شخص کو وحی کے ذریعہ سے دین نہیں سکھایا جاتا، اللہ نے انبیاء کے ذریعہ سے وحی بھیج کر دین کی باتیں سکھادیں، اور دین کو مکمل کردیا، اب ہماری ذمہ داری ہے کہ اس کو معلوم کریں اس لیے کہ اللہ نے اس ذمہ داری کو انجام دینے ہی کیلئے اس مخلوق کو پیدا کیا، اور اس کو انبیاء و رسولوں اور صحیفوں کے ذریعہ سے یہ ذمہ داری بتادی، اب ان مدارس کے ذریعہ سے رسولوں کا کام انجام دیا جارہا ہے، یہ مدارس حقیقت میں پاور ہاؤس کی حیثیت رکھتے ہیں، یہ جو پاور ہاؤس سے بجلی ہر گھر میں پہونچتی ہے، لوگوں کی ضرورتیں اس سے پوری ہوتی ہیں، جتنی بجلی کی ضرورت ہوتی ہے، وہ ان پاور ہاؤس سے ان کو حاصل ہوجاتی ہے، اسی طرح ہمارے مدارس کے ذریعہ سے پوری امت کو دین کی روشنی پہونچتی ہے، دین کی روشنی کی ضرورت ہر خاندان کو ہر فرد کو ہے کہ اس کو دین کی روشنی ملے، روشنی کا مطلب جس سے ہم دیکھ سکیں، اندھیرے میں حالات معلوم کرسکیں، اگر اجالا نہ ہو تو اندھیرے میں کچھ نظر نہیں آتا، اسی طرح اگر دین کی روشنی ہمیں نہیں پہونچے گی تو ہمیں کفر کی ظلمتوں میں زندگی گذارنی پڑے گی، اور ہم دین سے ناواقف رہیں گے، یہ مدارس حقیقت میں دین کے پاور ہاؤس ہیں، وہ دین کی روشنی کو گھر گھر پہونچاتے ہیں، تو ان مدارس میں آپ کو اسی لیے بھیجا گیا ہے، تاکہ آپ لوگ یہاں سے روشنی حاصل کریں اور دوسرے گھروں تک اس روشنی کو پہونچائیں، ظلمتوں میں اجالا کریں، بدعتوں کی دنیا میں سنت کی روشنی سے

ظلمتوں کو کافور کریں، اور یہاں تعلیم حاصل کرنے کی اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق دے رہا ہے، یہ سب اللہ کی طرف سے متعین ہے کہ آپ لوگ یہاں آکر دینی تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے جہاں چاہتا ہے رکھتا ہے

جس طرح پیدائش کے مسئلہ میں ہم نے عرض کیا کہ جو جہاں جس جگہ جس زمانے میں پیدا ہوا، اللہ نے اس کو اسی زمانے کے لیے منتخب کیا تھا کہ یہ ذمہ داری پوری کرنے کے لیے فلاں زمانے میں فلاں جگہ اس کو کام کرنا ہے، مختلف زمانے میں مختلف مزاج کے حامل لوگ پیدا ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ اسی اعتبار سے لوگوں کو دین کی خدمت کے لیے پیدا کرتا ہے، جو ان میں سب سے بہترین ہوتا ہے، اور اللہ کے نزدیک منتخب کردہ ہوتا ہے، جیسے آپ لوگ مزدور لگاتے ہیں، کچھ مزدور پتھر لانے کے لیے متعین کرتے ہیں، کچھ مزدور دیوار اٹھاتے ہیں، اور دوسرے مزدوروں کو دوسری ذمہ داریاں دی جاتی ہیں، اسی طرح دین کا کام اللہ تعالیٰ مختلف لوگوں سے مختلف ذرائع سے لے رہا ہے، جس سے اللہ دین کا جس طرح سے بھی کام لے، وہ اس کے لیے باعث سعادت ہے، اور اس پر اللہ کا خاص فضل ہے کہ اس سے دین کا کام ہو رہا ہے، اسی لیے ہم جب کسی مدرسہ میں جاتے ہیں، تو وہاں قرآن وحدیث کی اشاعت اور دینی تعلیم کے مراکز کو دیکھ کر خوشی محسوس کرتے ہیں کہ یہاں پر ایسے لوگ تیار کئے جا رہے ہیں، جو خدا و رسول کی تعلیمات کو گھر گھر پہونچائیں گے، خود بھی عمل کریں گے اور دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دیں گے، ان کی زندگیوں کو دیکھ کر ہزاروں کی زندگیاں بنیں گی، کتنے لوگ جہنم سے بچیں گے، اس طریقہ سے دین قائم رہے گا، دین زندہ و تابندہ رہے گا، اور دین کا سلسلہ نسلاً بعد نسل چلتا رہے گا۔

انسان اور دوسری مخلوقات کا فرق وامتیاز

اللہ نے دین کے احکامات کو اپنی عبادت کو انسانوں کی فطرت میں داخل نہیں کیا، جس طرح دوسری مخلوقات کی فطرت میں اللہ نے اپنی عبادت کو داخل کیا ہے، دنیا میں جتنی چیزیں ہیں، سب اللہ کی تسبیح اور عبادت کرتی ہیں ﴿ وَإِن مِّن شَيْءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ

بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ ﴾ (بنی اسرائیل:۴۴) ان مخلوقات کا مشغلہ ہی یہی ہے کہ وہ اللہ کی تسبیح وتقدیس بیان کرتی رہیں، اور فرشتوں کی غذا ہی اللہ کی عبادت ہے، کوئی سجدہ میں ہے کوئی رکوع میں ہے، کوئی حالت قیام میں ہے کوئی جلسہ میں ہے، سب اپنی اپنی جگہ پر اللہ کی عبادت اور اس کی بڑائی بیان کررہے ہیں، یہ سب ان کی فطرت میں داخل ہے، لیکن انسانوں اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے سلسلہ میں اختیار دیا تاکہ ان کو آزمایا جائے، اور طریقۂ دعوت کا مکلّف بنایا کہ اللہ کے راستے کی طرف دوسروں کو بھی بلائیں، دوسری مخلوقات پر اللہ نے ایسی ذمہ داری نہیں ڈالی۔

مظہر سعادت کی خصوصیت وامتیاز

اللہ تعالیٰ کا یہ فضل ہے کہ آپ کا یہ مدرسہ خدمت دین میں اور علوم شرعیہ کو پھیلانے میں لگا ہوا ہے، اور علاقہ میں اس کا بڑا اثر ہے، اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ سے زیادہ نافع بنائے، ہمیں یہاں آکر نہایت خوشی ہوئی کہ یہاں تعلیم کا اتنا اچھا انتظام کیا گیا ہے، اور حضور ﷺ کی حیات طیبہ میں جن چیزوں کا تذکرہ ملتا ہے، اور حدیث کی کتابوں میں روزمرہ کی اشیاء کا ذکر آتا ہے، جس کو اللہ کے رسول ﷺ اور ان کے صحابہ استعمال کرتے تھے، ان چیزوں کی یہاں نمائش دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی۔

یہ طلباء اور عوام کے لیے بھی دلچسپی کی چیز ہے، اس سے دوسرے لوگ بھی فائدہ اٹھائیں گے، اسی طرح نت نئی چیزوں کو امت کے سامنے لاکر سیرت نبوی کے نمونے امت کے سامنے پیش کرتے رہیں گے، میں مبارکباد پیش کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہاں کے ذمہ داروں کی ان کاوشوں کو قبول فرمائے۔ آمین

☆☆☆☆☆

دین وعلم دین کی مجالس فرشتوں کی مجالس ہیں

ضلع بھروچ کے کثیر آبادی والے قصبہ ولن کی جامع مسجد میں عشاء کی نماز کے بعد جولائی ۲۰۱۱ء کو حضرت مولانا دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا جو بڑا روح پرور تھا، تعلیم یافتہ عوام وخواص تاجر طبقہ اور دوسرے دین پسند لوگ اس موقع پر جمع تھے۔

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام علىٰ سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد، و علىٰ آله و صحبه الغر الميامين، و من تبعهم بإحسان و دعا بدعوتهم إلى يوم الدين، أما بعد:

فرشتوں کی ہم نشینی کا بڑا ذریعہ دینی وعلمی مجالس ہیں

بھائیو اور دوستو میرے لیے مسرت اور خوشی کی بات ہے کہ میں آپ حضرات کے سامنے حاضر ہوا ہوں، اور یہ جان کر خوشی ہوئی کہ یہاں اس بستی میں آپ حضرات اچھی تعداد میں ہیں، اور یہ بستی کی بھی خوش قسمتی ہے کہ اس میں اللہ کے ماننے والے اللہ کے رسول ﷺ کے پیروکار اچھی تعداد میں ہیں، جہاں دین کی مجلسیں لگتی ہیں، وہاں فرشتے آتے ہیں، اور شریک مجلس ہوجاتے ہیں، حدیث شریف سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں بھی اللہ کا ذکر ہورہا ہو، لوگ بیٹھے ہوں، اللہ کو یاد کررہے ہوں، فرشتے آکر کے اس مجلس کو گھیر لیتے ہیں، اس بنیاد پر بالکل کہا جاسکتا ہے، کہ آپ کے اگل بغل میں فرشتے بیٹھے ہیں، فرشتے چونکہ نظر نہیں آتے، اللہ نے ان کو ایسا جسم دیا ہے جو نظر نہیں آتا، ان کو اور جنوں کو اللہ تعالیٰ نے مخفی جسم دیا ہے۔

جیسے ہوا ہوتی ہے یہ نظر نہیں آتی، اسی طرح ان کے جسم نظر نہیں آتے، لیکن ان

کو اللہ تعالیٰ نے اس بات کی صلاحیت دی ہے، جنوں کو بھی اور فرشتوں کو بھی، کہ وہ اپنی شکلیں بدل سکتے ہیں، انسانوں کی شکل بھی بنا سکتے ہیں، حضور ﷺ کے پاس جبرئیل امین آتے تھے، کبھی انسان کی شکل میں آتے تھے اور کبھی اپنی شکل میں آتے تھے، تو فرشتے آپ کی اس محفل میں بیٹھے ہوں گے، آپ کے آگے پیچھے بیٹھے ہوں گے، لیکن آپ ان کو دیکھ نہیں سکتے، آپ سوچئے کہ آپ کسی مجلس میں بیٹھے ہوں اور کوئی وزیر آپ کے پاس آکر بیٹھ جائے، تو آپ کو احساس ہوگا کہ وزیر ہمارے پاس بیٹھا ہوا ہے آپ جا کر اپنے گھروں میں اور اپنے دوستوں میں کہیں گے کہ واہ ہمارے پاس تو وزیر صاحب بالکل ہم سے ملے بیٹھے تھے آپ کہیں گے یا نہیں کہیں گے؟ اور اگر فرشتے بیٹھے ہوں آپ کے ساتھ، لیکن چونکہ آپ کو معلوم نہیں، وہ دیکھتے نہیں، اس لیے آپ کو احساس نہیں ہوتا۔

لیکن آپ سوچئے کہ جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتایا ہے کہ فرشتے اس مجلس میں آتے ہیں، جہاں اللہ کا نام لیا جا رہا ہو، اور اللہ کا ذکر کیا جا رہا ہو حدیث میں آتا ہے ''حَفَّتْهُمُ الْمَلَائِكَةُ'' فرشتے ان کا گھیرا کر لیتے ہیں، فرشتے شریک مجلس ہوتے ہیں، اور یہ فرمایا کہ جب فرشتے لوٹ کر جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے تم کہاں گئے تھے؟ کہاں سے آرہے ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ بخوبی جانتے ہیں پھر بھی پوچھتے ہیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے خوش ہوتا ہے، اس لیے پوچھتا ہے۔ ذکر کی مجالس سے متعلق فرشتوں کا مکالمہ حدیث شریف میں واضح طور پر آیا ہے۔

ذکر کی مجالس سے متعلق فرشتوں کا مکالمہ

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے اہل ذکر کی مجلسوں کے تلاش میں رہتے ہیں اور جب ایسی مجلس پا جاتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو آواز دیتے ہیں هَلُمُّوا هَلُمُّوا اِلٰی حَاجَتِكُمْ! یعنی یہاں آؤ یہاں آؤ جس کی تلاش تھی وہ یہاں موجود ہے پس فرشتے چاروں طرف سے سمٹ کر آجاتے ہیں اور اپنے پروں سے اہل مجلس کو

ڈھانپ لیتے ہیں اور آسمان دنیا تک چھا جاتے ہیں پھر اللہ تعالیٰ ملائکہ سے سوال فرماتا ہے اے فرشتو! تم میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو فرشتے کہتے ہیں پروردگار آپ کی تسبیح تکبیر تحمید وتمجید میں مشغول تھے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرے بندوں نے مجھ کو دیکھا ہے جو میری تعریف میں رطب اللسان ہیں، فرشتے: نہیں پروردگار، انہوں نے آپ کو نہیں دیکھا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو کیا کریں، فرشتے کہتے ہیں، اے ہمارے رب اگر وہ آپ کو دیکھ لیں تو اور زیادہ آپ کی عبادت کریں، اپنا پورا وقت آپ ہی کی تعریف تسبیح وتہلیل، تکبیر وتحمید میں گزار دیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اچھا تو یہ بتاؤ کہ وہ مجھ سے سوال کس چیز کا کرتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب وہ آپ سے جنت کا سوال کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا میرے بندوں نے جنت دیکھی ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب! آپ ہی کی قسم انہوں نے جنت نہیں دیکھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر میرے بندے جنت دیکھ لیں تو کیا کریں؟ فرشتے کہتے ہیں: پروردگار اگر وہ جنت دیکھ لیں تو ہمارا خیال ہے کہ ان کو جنت کی حرص وطلب پیدا ہو جائے اور اس کی خواہش میں وہ بے خود ہو جائیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور وہ پناہ کس چیز سے مانگتے ہیں؟ فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں، فرشتے کہتے ہیں پروردگار وہ دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا انہوں نے اس کو دیکھا ہے؟ فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب آپ کی ہی قسم انہوں نے دوزخ نہیں دیکھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اگر وہ دوزخ دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟ فرشتے کہتے ہیں: پروردگار! اگر وہ دوزخ دیکھ لیں تو اس کے تصور سے کانپ جائیں اور اس سے دور رہنے کی بے حد کوشش کریں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے فرشتو! تم گواہ رہنا میں نے ان کو بخش دیا فرشتے کہتے ہیں: اے ہمارے رب ان میں تو ایک شخص ایسا بھی ہے جو ان میں سے نہیں ہے بلکہ اس کو دنیا

کوئی غرض ان تک لائی تھی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے ان بندوں کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوسکتا یہ روایت صحیح بخاری کی ہے اور صحیح مسلم میں بھی یہ روایت کچھ فرق کے ساتھ ہے جیسے آخری شخص کے تعلق سے یہ مذکور ہے کہ فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں عرض کیا اے ہمارے رب ان میں فلاں بندہ بڑا گناہ گار ہے جو اس راستے سے گزر رہا تھا ان کو دیکھ کر ان کے پاس بیٹھ گیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے اس کو بھی بخشا وہ لوگ ایسے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بد بخت نہیں ہوسکتا"۔ (۱)

ایسی مجلس میں شریک ہونا جس میں اللہ کا نام لیا جا رہا ہو، اللہ کے رسول ﷺ کا تذکرہ کیا جا رہا ہو، اور ان سے محبت کا اظہار کیا جا رہا ہو، اللہ کے فضل و مہربانی کا اظہار کیا جا رہا ہو، تو وہ مجلس فرشتوں کی مجلس بن جاتی ہے، انسان بھی فرشتے بھی اور اللہ کی دوسری مخلوقات بھی اس مجلس میں شریک ہو جاتے ہیں، تو کیسی مبارک مجلس ہو جاتی ہے، آپ اسی سے سمجھ لیجئے۔

اچھی اور بری بات درودیوار، لباس، فضا، ماحول سب پر اثر انداز ہوتی ہے

دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا نظام بنایا ہے کہ یہ آپ کی چھت اور یہ درودیوار یہ زمین اعمال و اقوال کو جذب کرتی ہیں، جیسے آپ جانتے ہیں کہ آواز اور تصویریں ریکارڈ ہو جاتی ہیں، اسی طرح اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ نظام ہے کہ یہ سب ریکارڈ ہو رہا ہے، قیامت کے روز اللہ تعالیٰ پوچھے گا، کہ بتاؤ تم نے کیا کیا تھا؟ زمین گواہی دے گی یہ درودیوار گواہی دیں گے، آپ جس جگہ نماز پڑھیں گے، وہ جگہ گواہی دے گی، کہ ہاں نماز پڑھی تھی یہ سب گواہ بن جائیں گے، آپ کے نیک کاموں کے گواہ بن جائیں گے، اس بات کے گواہ بن جائیں گے، کہ آپ اللہ کا نام لے رہے تھے، اللہ کا نام لینے والی مجلس میں شریک تھے، اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کا اظہار کر رہے تھے،

---

(۱) الجامع الصحیح للامام البخاری وصحیح الامام مسلم (ترجمہ از: زاد سفر ا/ص ۱۹۱-۱۹۴ جلد دوم سیدہ امۃ اللہ تسنیم مرحومہ

صرف محبت کا اظہار کافی نہیں اتباع سنت ضروری ہے

اللہ کے رسول کو اللہ تعالیٰ نے صرف یہی نہیں کہ رسول بنا کر بھیجا ہے بلکہ ان کو سارے ایمان والوں کے لیے نمونہ بنا دیا ہے، اس لیے ایمان والوں کو اس نمونہ کی نقل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (سورہ آل عمران:۳۱)

''کہہ دیجئے اگر تم کو اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو اللہ تم کو چاہنے لگے گا اور تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہوں کو معاف کرنے والا مہربان ہے۔

یہاں یہ بات فرمائی گئی کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو اللہ کے رسول کی اطاعت کرو، تو اللہ تعالیٰ تمہاری محبت کو قبول کرے گا، اور یہ حکم دیا کہ ان پر درود بھیجا کرو۔

درود شریف کی کثرت امت پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق ہے

ایک طرف تو اتباع سنت کو کہا گیا اور اس کو اللہ کے قرب کا بڑا ذریعہ بتایا گیا ہے کہ یحببکم اللہ کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنا بنا لے گا دوسری جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کو نمونہ بتایا گیا اور فرمایا گیا ''وَلَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ'' کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں اسوہ حسنہ ہے اور درود شریف کے تعلق سے یہ صراحت بھی کی گئی کہ

إِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَلُّونَ عَلَى النَّبِيِّ ط يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا۔ (الاحزاب:۵۵)

''کہ اللہ تعالیٰ اور اس فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں اے ایمان والو! نبی پر صلوۃ وسلام بھیجو۔''

اور حضور ﷺ نے اپنے تعلق سے خود بھی فرمایا کہ جو مجھ پر درود بھیجتا ہے، تو اللہ

تعالیٰ اس پر دس رحمتیں نازل فرماتے ہیں،

"عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ "من صلى علیّ واحدة صلى الله تعالىٰ عليه عشراً" (رواه الترمذی)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ پر جو ایک بار درود بھیجتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر دس رحمتیں بھیجتے ہیں۔"

تو ہماری زندگی کا بہتر حصہ وہی ہوگا جو اللہ کا نام سننے میں اللہ کے رسول ﷺ کی بات سننے میں صرف ہوتا ہے، اس لیے کہ وہ حصہ محفوظ ہو جاتا ہے، یہ درودیوار اس کو محفوظ کر لیتے ہیں، اور فرشتے جو اس میں شریک ہوتے ہیں، وہ اس کے گواہ بن جاتے ہیں کہ اللہ کے نام کی مجلس میں شریک تھے، اللہ کے رسول ﷺ سے محبت والی مجلس میں شریک تھے، یہ کتنی بڑی بات ہے۔

میں آپ سے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ یہ بڑی مسرت والی بات ہے کہ ہم اور آپ ایسی مجلس میں شریک ہیں، جس میں آپ لوگ اللہ کی بات سننے کے لیے بیٹھے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کی بات سننے کے لیے بیٹھے ہیں، یہ مجلس بڑی مبارک مجلس ہے، ہم لوگ کیا ہیں، یہاں تو فرشتے بیٹھے ہیں، اس پر ہم لوگوں کو خوشی ہونی چاہئے، اور خوشی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ آدمی کو یہ احساس ہوتا ہے کہ ہم کو فائدہ ہوا، اور خوشی اسی کو کہتے ہیں، اس لیے یہ احساس ہونا چاہئے کہ ہم کو فائدہ ہوا، دین کی باتوں پر خوش ہونا چاہئے، نماز پڑھی تو اس پر خوشی ہو، کہ اللہ نے ہم کو توفیق دی، کہ نماز پڑھی، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، یہ ہمارے لیے بڑی نعمت کی بات ہے، ہم نے حضور ﷺ کا تذکرہ کیا، آپ کی باتیں بتائی، آپ کے اقوال کا ذکر کیا، آپ پر درود بھیجا، سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو توفیق دی، کہ اللہ کے رسول ﷺ پر درود بھیجنے کا حکم ہے، ان پر ہم نے درود بھیجا ہے، ان کا ہم نے تذکرہ کیا ہے، ان سے محبت کا اظہار کیا ہے، حضور ﷺ سے محبت کا اظہار آپ کی اطاعت، آپ کی فرماں برداری یہ سب اللہ تعالیٰ کو پسند ہے اللہ اس پر اجر عطا فرمائے گا۔

”الاله الخلق و الامر“

اللہ وہ ہے جس نے یہ سارا عالم بنایا، ساری مخلوقات کو پیدا کیا، اور ساری نعمتیں اسی کی دی ہوئی ہیں، وہ جو چاہے کرے، نعمتوں کو چھین بھی سکتا ہے، وہ نعمتیں دیتا بھی ہے اور چھینتا بھی ہے، ناراض ہو جائے تو نعمتوں سے محروم کر دے، یہ معمولی چیزیں جن کے لیے ہم مرے جاتے ہیں، اللہ ان کو روک بھی سکتا ہے، آدمی کی صحت کو اگر اللہ برقرار نہ رکھے تو آدمی کی زندگی ختم ہو جائے، اس لئے آپ دیکھتے ہیں کہ ایک معمولی پھنسی نکل آتی ہے، اور وہ اچھی نہیں ہوتی، تو آدمی بیتاب و پریشان ہو جاتا ہے، سر میں درد ہو رہا ہو اور دوا سے فائدہ نہیں ہو رہا ہو تو آدمی کی زندگی بیکار ہو جاتی ہے، بادشاہوں کے تذکرہ میں آتا ہے کہ جب ان کے سر میں درد ہوتا تھا، اور کوئی فائدہ نہ ہوتا تھا تو وہ کہتے تھے اگر کوئی ہمارا درد دور کرے تو ہم اس کو اپنی آدھی سلطنت دے دیں، سلطنت کتنی ہی بڑی اور عزیز کیوں نہ ہو، لیکن صحت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں، آدمی کو کوئی تکلیف ہوتی ہے، تو بہتر سے بہتر غذا اس کو اچھی نہیں لگتی، وہ اپنے سامنے سے مرغوب غذا کو ہٹا دیتا ہے، تو یہ صحت کتنی بڑی نعمت ہے، سر میں درد نہیں پیٹ میں درد نہیں، درد ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ شفا عطا فرماتا ہے اور درد دور ہو جاتا ہے، تو ہمیں اللہ کی نعمتوں پر شکر ادا کرنا چاہئے۔

تحدیث نعمت اور شکر کیا ہے

تحدیث نعمت اور شکر کیسے ادا ہوتا ہے؟ شکر زبان اور عمل دونوں سے ادا ہوتا ہے، عمل سے اس طرح کہ اللہ کا جو حکم ہے اس کو ہم پورا کریں، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے جو طریقے ہیں، اللہ کو خوش کرنے کے جو ذرائع ہیں، ان کو ہم اختیار کریں، نماز، روزہ، حج یہ سب چیزیں اللہ نے ہمارے لیے مقرر کی ہیں، اس کو انجام دیں، اس کے ذریعے سے ہم اللہ کا شکر ادا کریں کہ اللہ یہ تیرا احسان ہے تو نے ہم کو صحت دی، تو نے ہمیں کھانے پینے کی غذا دی، ایسے آدمی بھی آپ کو ملیں گے، جنہیں کھانے کے لیے دو ٹکڑے

بھی میسر نہیں، رہنے کے لیے ایک گز زمین بھی مہیا نہیں، فٹ پاتھ پر سڑکوں کے کناروں پر پڑے ہیں، اور وہیں رہ کر اپنی زندگی کی سانسیں پوری کر رہے ہیں، تو اللہ کا ہم پر یہ کتنا بڑا احسان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے کے لیے بہترین بہترین غذائیں دی، پہننے کے لیے اچھے اچھے لباس عطا کئے، اور رہنے کے لیے عمدہ مکان عطا کئے، تو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنا چاہئے۔

اللہ نے ہم کو جو نعمتیں دی ہیں وہ دو طرح کی ہیں، جسمانی نعمت بھی ہے اور روحانی نعمت بھی ہے، جسمانی نعمت صحت وعافیت کا ہونا، سلامتی اور امن کا ہونا۔ امن نہ ہو اور مصیبت آئی ہوئی ہو اور جھگڑا ہو رہا ہو، تو کتنی پریشانی ہوتی ہے، یہ بھی اللہ کی بڑی نعمت ہے، کہ اس نے ہمیں سلامتی دی ہے عزت دی ہے، سکون واطمینان اور عافیت کے ساتھ ہماری زندگی گذر رہی ہے، اور ہمارے جسم میں کوئی تکلیف نہیں، یہ بھی اللہ کی نعمت ہے۔

اور روحانی نعمت یہ ہے کہ ہم اللہ کے دین پر اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر اس کی شریعت پر چل رہے ہیں، اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری میں لگے ہوئے ہیں، آپ ؐ سے محبت کرتے ہیں اور آپ ؐ پر درود بھیجتے ہیں، تو اللہ کی نعمتوں کو یاد کرنا اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا کہ اے اللہ تیرا بڑا احسان ہے تو نے ہم کو یہ نعمتیں دی ہیں، دنیا کی نعمت فانی ہے، ختم ہونے والی ہے، دنیا کی نعمت مختصر نعمت ہے، ایمان کی نعمت لازوال نعمت ہے، ایمان کی نعمت ایسی نعمت ہے، جو آخرت میں کام آنے والی ہے، دنیا کی نعمتیں تو یہیں ختم ہو جائیں گی، ظاہر ہے کہ انسان قبر میں تو لے کر نہیں جائے گا، دنیا کی سب نعمتیں یہیں رہ جائیں گی، گاڑی، بنگلہ، بینک بیلنس سب دھرا کا دھرا رہ جائے گا، لیکن آخرت کی نعمتیں وہاں کی زندگی نہ ختم ہونے والی زندگی ہے، جس کا کوئی حساب نہیں، وہاں اگر نعمتیں نہ ملیں تو کتنا بڑا خسارہ ہوگا؟

ہم دیکھتے ہیں کہ اگر ہمارے سر میں درد ہوتا ہے تو کتنی بڑی پریشانی ہوتی ہے، چاہتے ہیں کہ جلد دور ہو جائے، اور اگر آخرت میں ہم کو راحت وآرام نہ ملے، اور عذاب

جہنم کا شکار ہو جائیں تو پھر کیا ہوگا؟ اللہ ہماری آپ کی سب مسلمانوں کی حفاظت فرمائے، تو ہمیں اللہ کا اس کی ایک ایک نعمت پر شکر ادا کرنا چاہئے، اس کی نعمتوں کا شکر یہ ہے، کہ ہم اس کی ایک ایک نعمت اسی کے حکم کے مطابق استعمال کریں۔

ایمان سب سے بڑی نعمت ہے

سب سے بڑا احسان اس دنیا میں ہم لوگوں پر اللہ کا یہ ہے کہ اس نے ہم کو ایمان دیا، اللہ نے ہم کو مسلمان گھرانے میں مسلمان والدین کی گود میں پیدا کیا، اور اسی وجہ سے ہم مسلمان ہیں، ورنہ مسلمان ہونے کے لیے ہم نے کوئی محنت تھوڑی کی ہے، ہم لوگ مسلمان اس وجہ سے ہیں کہ مسلمان گھرانے میں پیدا ہوئے، اللہ کا ہم پر یہ احسان ہوا کہ نہیں؟ ہم لوگ مسلمان صرف اور صرف اللہ کی نعمت اور احسان کی وجہ سے ہیں۔ اگر ہم کسی غیر مسلم کے گھر میں پیدا ہوئے ہوتے تو کیا کرتے؟ بڑا مشکل کام ہے کہ کسی غیر مسلم کے گھر میں کوئی پیدا ہو اور پھر اسلام قبول کرے، اللہ نے ہم کو گھر بیٹھے اسلام کی نعمت دی ہے، اس کے بعد دینداروں کی صحبت سے نوازا، دینی و ایمانی ماحول سے سرفراز کیا، آدمی جو دیکھتا ہے وہ کرتا ہے، بچہ اپنے ماں باپ کو دیکھ کر ساری باتیں سیکھ لیتا ہے، بولنا سیکھتا ہے، چلنا سیکھتا ہے، دوڑنا سیکھتا ہے، یہ سب والدین کو دیکھ کر وہ سیکھتا ہے تو یہ جو ہمیں دین حاصل ہوا ہے، جو دینداری آپ میں ہے، اللہ کے رسول ﷺ سے محبت ہے، یہ سب صحبت سے پیدا ہوئی، ایسے لوگوں کی صحبتیں آپ کو ملیں جن سے یہ ساری باتیں آپ نے سیکھیں، اللہ نے ایسا موقع آپ کو فراہم کیا جن سے فائدہ اٹھا کر یہ ساری باتیں آپ نے معلوم کر لیں، دینداری آپ کے اندر آ گئی، اگر آپ برے اور غلط لوگوں کی صحبت میں رہتے، تو برے ہوتے، گنہ گاروں اور بد اعمال لوگوں کی صحبت ملتی تو گنہ گار اور بدکار ہوتے، لیکن اللہ نے آپ کی ان تمام غلط چیزوں سے بری صحبت سے حفاظت کی اور بچایا، تو آپ بچ گئے، تو یہ اللہ کا ہم پر کتنا بڑا احسان ہے کہ مسلمان بنایا اور ہماری مسلمانیت کو باقی رکھنے کا انتظام فرمایا۔ ہمارا اس میں کوئی کمال نہیں ہے۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا کہ آدمی جو دیکھتا ہے وہ سیکھتا ہے، آپ جو دین کی باتیں سنیں گے وہ آپ کے دل میں بیٹھیں گی، اور آپ کو اپنے دین پر تقویت ملے گی، اور آپ جب اپنے ساتھیوں کو دین کی باتیں کرتے ہوئے دیکھیں گے کہ وہ ایمان کی باتیں سیکھ رہے ہیں، اس سے آپ کے اندر جذبہ پیدا ہوگا، تو ہم مبارک باد دیتے ہیں کہ آپ لوگ اتنی بڑی تعداد میں اس مجلس میں بیٹھے ہیں، یہاں جمع ہوکر دین کی باتیں سن رہے ہیں، تو یہ سب در و دیوار یہ جگہیں گواہ بن رہی ہیں کہ یہاں اتنے لوگوں نے ذکر کیا، اتنے لوگوں نے تلاوت کی ہے، اتنے لوگوں نے نمازیں پڑھی ہیں، یہ سب قیامت کے روز گواہی دیں گے، کہ اس میں فلاں بھی تھا اس نے نماز پڑھی تھی، فلاں بھی تھا اس نے بھی قرآن کی تلاوت کی تھی، اللہ کے سامنے یہ سب آپ کے حق میں گواہی دیں گی، اس لیے میں نے کہا کہ آپ ان سب باتوں سے خوش ہوں، اور خوش ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کا شکر ادا کرے کہ اے اللہ! تو نے ہمیں ایمان نصیب فرمایا، یہ مبارک مجلس نصیب فرمائی، اللہ! یہ تیرا بہت بڑا احسان ہے، یا اللہ! ہم اس پر تیرا شکر ادا کرتے ہیں، اور اے اللہ! حضور ﷺ پر درود بھیج، کہ ان کی وجہ سے ہمیں یہ نعمتیں ملی ہیں۔

اسوۂ حسنہ

اگر حضور ﷺ کی بعثت نہ ہوتی، اگر آپ نے دین کے لیے محنت وجد وجہد نہ کی ہوتی، تو آج ہم اسلام سے واقف بھی نہ ہوتے، یہ دین کی باتیں ہم نے آسمان پر جا کر نہیں سیکھیں، یہ سب حضور ﷺ کے ذریعہ سے پھر ان کے بعد ان کے صحابہ کے ذریعہ سے معلوم ہوئیں، آپ اگر یہ باتیں نہ پہونچاتے، تو کہاں سے یہ چیزیں ہم کو معلوم ہوتیں، تو اللہ کا کتنا بڑا احسان ہے، اور پھر اللہ کے بعد سب سے بڑا احسان اللہ کے رسول ﷺ کا ہی ہے، اس لئے جتنا ہو سکے ہم اللہ کے رسول ﷺ پر درود بھیجیں، اور صرف درود وسلام بھیجنا کافی نہیں ہے، بلکہ اصل تو ان کی پیروی کرنا ہے، ان کے حکموں پر چلنا ہے، اور آپ کے نمونے کو اختیار کرنا ہے، اللہ کا یہی حکم ہے ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ

اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيرًا﴾ (الاحزاب: ۲۰)

تو وہ نمونہ آپ نے ہم کو سکھایا ہے، کہ نماز پڑھو تو کس طرح پڑھو، روزہ رکھو تو کس طرح رکھو، اللہ کو راضی کرنے کا یہ طریقہ ہے، تو اس کو اختیار کرو، یہ سب باتیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ہیں، جن پر عمل کرنا ضروری ہے، تو جب تک ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں نہیں سنیں گے، اور نہیں سیکھیں گے، تو کیسے کہیں گے کہ یہ باتیں ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی ہیں، تو جہاں اللہ کے رسول کا تذکرہ اللہ کا تذکرہ اور اللہ کا نام لیا جا رہا ہو، اور ان کے اوصاف بیان کئے جا رہے ہوں، تو وہاں جانا چاہئے اور اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے، اگر ہم جائیں اور صرف سن لیں، تو اس سے فائدہ نہیں ہے، اچھی بات ہو رہی ہو تو اس کو سنیں اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کریں، اور اگر کہیں غلط کام ہوتا ہوا دیکھیں، تو اللہ کی طرف سے یہ بھی حکم ہے کہ ان کو بتا دو کہ یہاں غلط کام ہو رہا ہے، زبان سے اس کو روکنے کی کوشش کریں، اور یہ نہیں کر سکتے تو اس کو برا سمجھیں۔

ایمان بڑھانے سے بڑھتا اور دین پھیلانے سے پھیلتا ہے

اسی طرح دین پھیلتا ہے، کہ آدمی ایک دوسرے کو بتائے کہ ہمیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ باتیں بتائی ہیں، اللہ کے یہ احکام آئے ہیں، اسی طریقہ سے یہ دین پھیل رہا ہے، آج سوا چودہ سو سال ہو گئے ہیں لیکن آج بھی اسی طرح دین قائم و دائم ہے، اس کے زبر زیر میں بھی کچھ فرق نہیں ہوا ہے، اور اس پر عمل ہو رہا ہے، کیوں کہ علماء ایک دوسرے کو بتاتے ہیں اور سکھاتے ہیں، ماں باپ سے آدمی سیکھتا ہے، اپنے اساتذہ سے سیکھتا ہے، اپنے دوستوں سے سیکھتا ہے، اپنے محبت کرنے والوں سے شفقت کرنے والوں سے سیکھتا ہے، اسی طرح سیکھ سیکھ کر ایک نسل سے دوسری نسل میں دین منتقل ہوتا ہے، اس وقت سے لے کر آج تک کتنی نسلیں گذر گئیں، لیکن دین اپنی جگہ قائم ہے، کوئی تبدیلی اس میں نہیں آئی، اس لیے کہ ہم نے اپنے اچھے لوگوں سے دین سیکھا، اور ہم سے دوسرے لوگ سیکھیں گے، تو ہمیں اچھا نمونہ اختیار کرنا چاہئے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا

نمونہ اختیار کرنا چاہیے، ہم کو اس بات پر شکر ادا کرنا چاہیے، اور اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کے لیے دعا کرنی چاہیے ان پر درود بھیجنا چاہیے کہ اللہ نے ہماری ہدایت اور اصلاح کے لیے نبی رحمت ﷺ کو بھیجا، اور آپ نے یہ دین ہم تک پہونچایا، ورنہ ہم مسلمان کہاں ہوتے، اگر حضور ﷺ اس دین کو نہیں پہونچاتے تو ہم محروم رہ جاتے۔ تو اللہ کے بعد سب سے بڑا احسان اللہ کے رسول ﷺ کا احسان ہے۔ ہم ان کے احسان کو مانیں، اور احسان کو اس طرح ماننا ہے، کہ اچھی باتوں کو اختیار کریں اور حق بات کو ماننے کی کوشش کریں، ان شاء اللہ کامیاب ہوں گے اور اس کا صحیح فائدہ آخرت میں ہوگا، اللہ قبول فرمائے۔ ہمیں اور آپ کو عمل کی توفیق سے نوازے، اسلام کے مطابق زندگی گذارنے اور ایمان کے ساتھ رخصت ہونے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ کہ یہی کامیابی کا ذریعہ ہے۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔

☆☆☆

ہماری زندگی اللہ کی اطاعت اور تابع داری والی ہو

جولائی ۲۰۱۱ء کا سفر گجرات جس کا آغاز انکلیشور اور رویدرا سے مولانا محمد موسیٰ ماکروٹ اور مولانا عبداللہ جھانجھی کی دعوت پر ہوا تھا دارالعلوم رحمانیہ گودھرا کا پروگرام بھی طے پایا جس کے داعی مولانا مفتی محمد ابراہیم آچھودی مدظلہ اور حافظ عبدالستار صاحب مہتمم دارالعلوم رحمانیہ گودھرا اور مولانا اختر ندوی تھے اس موقع پر نماز جمعہ کے بعد گودھرا کی جامع مسجد میں کی گئی ایک اہم تقریر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، و الصلاۃ و السلام علیٰ سید المرسلین وخاتم النبیین سیدنا محمد، و علیٰ آلہ الطیبین الطاہرین و صحبہ الغر المیامین، و من تبعہم بإحسان و دعا بدعوتہم إلی یوم الدین، أما بعد:

بھائیو دوستو اور عزیزو! میرے لیے مسرت کی بات ہے کہ اس مسجد میں آپ حضرات اس عنوان سے تشریف لائے ہیں، یہ مجلس جو اس مسجد میں منعقد ہو رہی ہے، جس میں آپ نماز کی نیت سے آئے ہیں، بڑی مبارک مجلس ہے۔

اللہ تعالیٰ باطن کو دیکھتا ہے

ہمیں اس دنیا میں جو بھی چیزیں نظر آتی ہیں، ان کا ظاہر و باطن دونوں ہوتا ہے، ظاہر سے مراد وہ ہے جو چیزیں ہم دیکھتے ہیں، جو ہمارے مشاہدہ میں آتی ہیں، ہمارے تجربہ میں آتی ہیں، تو ہم کو پورا یقین ہو جاتا ہے، اور اس کے مطابق ہم اپنی زندگی کو جانچتے ہیں، مثلاً سردی کی تکلیف میں انسان گرمی کے ذرائع اختیار کرتا ہے، لیکن گرمی کو ہم دیکھتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں، اس لیے ہمیں پورا یقین ہو جاتا ہے کہ گرمی ہو رہی ہے، لیکن اللہ

تعالیٰ نے انسان کے اعمال کو جوڑ دیا ہے اندر کی کیفیت سے، آدمی عمل کرتا ہے، ایک تو ظاہری عمل ہے لیکن ایک اس کی کیفیت ہوتی ہے، مثلاً کسی کی آپ مدد کر رہے ہیں، اور ظاہر میں تو آپ اس شخص کو کچھ مدد دے رہے ہیں، آپ کو دیکھنے والا یہ سوچے گا کہ آپ ہمدردی میں کر رہے ہیں اور غریب کی خدمت کر رہے ہیں، لیکن اس کے بعد اصل چیز تو آپ کی نیت ہے۔ کہ آپ کس نیت سے دے رہے ہیں؟ آپ کے دل میں کیا ہے؟ نام ونمود کے لیے دے رہے ہیں، کیا آپ اس کو اپنا آدمی سمجھ کر دے رہے ہیں، یا اللہ کے لیے دے رہے ہیں، یا اپنے ذاتی عمل کے لیے دے رہے ہیں؟ اس کا تعلق اندر سے ہے جس کو کوئی نہیں دیکھتا اور نہ کوئی جان سکتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید کو جاننے والے ہیں، وہ نیتوں کو جاننے والے اور انسان کے اعمال کو دیکھنے والے ہیں، انسان کو خود معلوم نہیں ہوتا کہ وہ کس کے لیے کر رہا ہے، لیکن دکھانے کے لیے یہ ظاہر کرتا ہے، کہ وہ بہت نیکی کا کام کر رہا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے ظاہر و باطن رکھا ہے، اور باطن کی شکل نظر نہیں آتی، ظاہر کی شکل تو سب دیکھتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ باطن کو دیکھتا ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنے اعمال کو اس حیثیت سے دیکھتے رہیں، کہ ہم اپنے اعمال کو کس کیفیت سے کس نیت سے کر رہے ہیں، کہیں یہ کیفیت یہ نیت غلط تو نہیں ہے، نیت میں فتور تو نہیں ہے، اس میں کونسا جذبہ ہے؟ اللہ تعالیٰ اس کو دیکھتا ہے، اور اس کے مطابق اللہ کی رحمت آتی ہے، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں اللہ کی خصوصی رحمت متوجہ رہتی ہے، جو اللہ کے فرمان کے مطابق زندگی گذارتے ہیں، ان کے لیے اس دنیا میں بھی انعام واکرام والی راحت وسکون والی زندگی ہے، ورنہ اس دنیا میں بھی راحت وسکون چھین لیا جاتا ہے اور تکلیفوں والی زندگی ہو جاتی ہے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ جب تک لوگوں میں طاقت ہوتی ہے، اپنی تکلیفوں کو برداشت کرتے ہیں، بیماریوں اور طرح طرح کی تکلیفات میں لوگ مبتلا ہو جاتے ہیں، اس کی ایک بڑی وجہ اللہ کی ناراضگی اور اپنی بداعمالیاں ہیں، جس طریقے سے ہم زندگی

گذارتے ہیں، یہ اللہ کی تابعداری اور اطاعت والی نہیں ہے، یہ اپنے آرام والی زندگیاں ہیں، ہم آرام محسوس کرتے ہیں اور آرام کو اختیار کرتے ہیں، نماز، روزہ، زکوۃ ہے، ملنا جلنا ہے، کمانا کھانا ہے، آمدنی اور خرچ ہے، ان سب کو اللہ آزماتا ہے، آمدنی صحیح ہو اور خرچ بھی صحیح ہو، دونوں باتوں کو دیکھنا پڑتا ہے، عام طور پر لوگ سمجھتے ہیں آمدنی صحیح ہونا کافی ہے صرف یہ نہیں ہے بلکہ خرچ بھی صحیح ہونا چاہئے، اس میں اسراف نہیں ہونا چاہئے، اور آدمی نام ونمود کے لیے اسراف کرتا ہے، جہاں شان ظاہر ہوتی ہو وہاں بے تحاشہ خرچ کرتا ہے، اور جہاں کسی غریب کا مسئلہ آئے تو وہاں آگے پیچھے دیکھنے لگتا ہے، اور اس کو بہت سارے کاروباری مسائل نظر آنے لگتے ہیں، معلوم ہوا کہ وہ اپنی طبیعت کے لیے کر رہا ہے، اللہ کی اطاعت کے لیے اس کے فرمان کے لیے نہیں کر رہا ہے، تو یہ سمجھنا کہ اللہ غفور ورحیم ہے، معاف کردے گا اور ہم چھوٹ جائیں گے، یہ خام خیالی ہے، اللہ غفور ہونے کے ساتھ جبار بھی ہے، قہار بھی ہے شدید العقاب بھی ہے، آدمی استطاعت کے باوجود اگر اللہ کی اطاعت نہیں کرتا تو اللہ ناراض ہوتا ہے، کیوں کہ اللہ کے احکام کی پرواہ نہ کرنے سے اللہ کا غصہ بھڑکتا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جزا وسزا کا معاملہ رکھا ہے۔

آدمی کو زندگی اس لیے عطا ہوتی ہے، تا کہ اس کا امتحان ہو اور اس میں آدمی کامیاب ہو کر دکھا سکتا ہے، یہ زندگی کا موقعہ اسی لیے دیا گیا ہے کہ تم توبہ کر کے راہ راست پر آجاؤ۔ یہ جو حوادث وآزمائشیں پیش آتی ہیں، یہ سب اللہ کی طرف سے آتی ہیں، قرآن میں ہے، ﴿وَمَا أَصَابَكُم مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَن كَثِيرٍ﴾ (الشوریٰ: ۳۰) تمہیں جو کچھ بھی مصیبتیں پیش آتی ہیں، وہ تمہارے اپنے اعمال کے بدولت ہیں، ہم جو سمجھتے ہیں کہ یہ سب اتفاقاً ہو گیا ہے، نہیں یہ اوپر سے فیصلہ ہوتا ہے، اور یہ فیصلہ آج سے نہیں، اللہ نے جس وقت سے دنیا بنائی اور آسمانوں کو پیدا کیا، اسی وقت سے یہ فیصلہ کر دیا تھا، ہر فرد کے متعلق یہ لکھ دیا گیا ہے کہ یہ کتنا جیئے گا؟ کب مرے گا؟ کتنا کھائے گا؟ اس کو کیا کیا حالات پیش آئیں گے؟ یہ سب اللہ نے پہلے سے طے

کر دیا ہے، اسی کے مطابق فیصلہ ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کو مستقبل بھی معلوم ہے اور ماضی سے بھی واقفیت ہے، ہم لوگ مستقبل کو نہیں جان سکتے، ماضی کو بھی بھول جاتے ہیں اور حال سے واقفیت کا اظہار کرتے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کے لیے ماضی اور مستقبل کوئی چیز نہیں ہے اللہ تعالیٰ خود صاحب زمانہ ہیں، یہ زمانے تو انسانوں کو سمجھانے کے لیے ہیں، یہ عمریں اس کو امتحان و آزمائش کے لیے دی گئی ہیں، عمریں مقرر کردی گئیں ہیں، صحیفے سوکھ چکے ہیں، قلم اٹھا دیئے گیے ہیں، مہلتیں مقرر کردی گئیں ہیں، اس میں کمی بیشی نہیں ہوگی، آدمی نہ وقت سے پہلے مرسکتا ہے اور نہ ایک گھڑی بعد میں موت آسکتی ہے کیوں کہ یہ اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہے۔

تنبیہ اور توبہ کا موقع سب کو ملتا ہے

اللہ تعالیٰ انسان کی نافرمانی کے باوجود اس کو موقع دیتا ہے، اور ایسے حالات اس کے لیے پیدا کرتا ہے کہ وہ اپنی غلطیوں پر پشیمان ہوتا ہے، اور اپنی غلطی سے تائب ہوتا ہے، اور سب کو اللہ تعالیٰ تنبیہ فرماتا ہے اور توبہ کا موقع دیتا ہے اس کی ذات بہت حلم والی ہے ایک نافرمانی ہی عذاب کے بھیجنے کے لئے کافی تھی، مگر اللہ تعالیٰ موقع دیتا ہے اور بار بار دیتا ہے پھر بھی آدمی نہ سنبھلے تو یہ اس کا مقصود ہے۔ اس میں عام طور پر تین اسباب ہوتے ہیں۔

تین اسباب

پہلا سبب ایک تو یہ ہوتا ہے کہ آدمی کی نالائقی اتنی ہو جاتی ہے، کہ اللہ تعالیٰ سزا دیتا ہے جس کو عذاب کہتے ہیں، اللہ نے اس کا تذکرہ بھی کیا ہے، فرعون پر جو چھوٹے چھوٹے عذاب ابتداء میں بھیجے گئے تا کہ وہ سنبھل جائے اور اپنے کفر وغرور کو چھوڑ کر توحید کے سائے میں آجائے، لیکن وہ نہیں سمجھا، ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ آيَاتٍ مُّفَصَّلَاتٍ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا قَوْماً

مُّجْرِمِیْنَ﴾(الاعراف:۱۳۳) جب جب بھی اس پر عذاب آتا اور وہ عاجز ہو جاتا، تو وہ موسیٰ علیہ السلام سے کہلواتا کہ وہ اپنے رب سے دعا کریں تا کہ یہ عذاب ہٹ جائے، اور جب عذاب ختم ہوگا تو ہم توبہ کریں گے، جب عذاب ہٹتا تو وہ پھر اپنی پرانی روش پر لوٹ آتا، پھر اللہ کی طرف سے عذاب آتا۔

باغ والا قصہ اور عبرت کا پہلو

ایک عذاب کا تذکرہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النون میں کیا ہے، کہ کچھ آدمیوں کے پاس ایک سرسبز وشاداب باغ تھا، جس کی آمدنی بہت تھی، جس دن پھل توڑنا ہوتا، تو فقراء جمع ہو جاتے، ان کو بھی یہ لوگ نیکی سمجھ کر دے دیتے تھے، لیکن ایک مرتبہ ان میں ایک نے کہا کہ ہم اس مرتبہ جب پھل توڑنے کا وقت آئے گا، تو سویرے ہی نکل جائیں گے تا کہ کسی مسکین کو پتہ نہ چلے، اور ہم تمام پھل خود ہی حاصل کریں، دوسرے بھائیوں نے اس طرح کرنے سے منع کیا، لیکن اس نے نہ مانا، اچانک رات کو طوفان آیا، زبردست آندھی نے اس باغ کے درختوں کو اکھاڑ پھینکا، سب کچھ تباہ ہو گیا پوری فصل برباد ہوگئی، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿فَطَافَ عَلَيْهَا طَائِفٌ مِّن رَّبِّكَ وَهُمْ نَائِمُوْنَ، فَأَصْبَحَتْ كَالصَّرِيْمِ ،فَتَنَادَوا مُصْبِحِيْنَ ، أَنِ اغْدُوا عَلَى حَرْثِكُمْ إِن كُنتُمْ صَارِمِيْنَ ، فَانطَلَقُوْا وَهُمْ يَتَخَافَتُوْنَ،أَن لَّا يَدْخُلَنَّهَا الْيَوْمَ عَلَيْكُمْ مِّسْكِيْنٌ ، وَغَدَوْا عَلَى حَرْدٍ قَادِرِيْنَ ،فَلَمَّا رَأَوْهَا قَالُوْا إِنَّا لَضَالُّوْنَ، بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ، قَالَ أَوْسَطُهُمْ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ، قَالُوْا سُبْحَانَ رَبِّنَا إِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ، فَأَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلَى بَعْضٍ يَتَلَاوَمُوْنَ ، قَالُوْا يَا وَيْلَنَا إِنَّا كُنَّا طَاغِيْنَ، عَسَى رَبُّنَا أَن يُبْدِلَنَا خَيْراً مِّنْهَا إِنَّا إِلَى رَبِّنَا رَاغِبُوْنَ، كَذَلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُوْنَ﴾(ن:۱۹-۳۲)

”سواس باغ پر آپ کے رب کی طرف سے ایک پھرنے والا عذاب پھر گیا اس حال میں کہ وہ سو رہے تھے، تو وہ باغ ایسا ہو گیا جیسے کٹا ہوا کھیت، پھر وہ ایک دوسرے کو پکارنے لگے کہ اپنے کھیت پر صبح سویرے چلو اگر تمہیں پھل توڑنا ہے، غرض وہ چلے آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہوئے کہ آج وہاں کوئی محتاج تم تک نہ آنے پائے اور سویرے جا پہنچے، اپنے کو پھل توڑنے پر قادر سمجھ کر پھر جب اس باغ کو دیکھا تو بول اٹھے کہ یقیناً ہم راستہ بھٹک گئے بلکہ بات یہ ہے کہ ہماری قسمت پھوٹ گئی، پھر ان میں جو سبتا بہتر تھا وہ بولا کیوں میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اللہ کی تسبیح اور پاکی بیان کیوں نہیں کرتے وہ لوگ بولے بے شک ہمارا پروردگار پاک ہے بے شک ہم ہی قصوروار ہیں پھر ایک دوسرے کی طرف مخاطب ہوئے باہم الزام لگاتے ہوئے پھر سب بولے کہ ہائے ہماری کمبختی کہ ہم ہی سرکشی کرنے والے تھے شاید ہمارا پروردگار اس سے بہتر باغ ہمیں بدلے میں دے اور اب تو ہم اپنے پروردگا ہی کی طرف رجوع ہوتے ہیں“۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ جتنی بھی مصیبتیں آتی ہیں، حقیقت میں وہ سب اللہ کی طرف سے ہوتی ہیں، کبھی سزا کے طور پر ہوتی ہے اور کبھی تنبیہ کے طور پر، اور کبھی عذاب و آزمائش انسان کو بڑے عذاب سے بچانے کے لیے ہوتی ہیں، کہ تم سنبھل جاؤ، ورنہ مصیبت میں پھنسو گے، یہ ہمدردی والی بات ہوتی ہے، اللہ جس کے ساتھ ہمدردی کرنا چاہتا ہے اس کو متوجہ اور تنبیہ کر دیتا ہے، مذکور آیات اور قصے کو بیان کرنے کے بعد اللہ تعالی فرماتا ہے:

﴿كَذَٰلِكَ الْعَذَابُ وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَكْبَرُ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ (سورہ ـ ن آیت نمبر: ۳۳)

”یہ عذاب اسی طرح ہوا کرتا ہے اور آخرت کا عذاب کہیں بڑھا ہوا ہے کاش یہ لوگ اسے جان لیتے“

یعنی بندوں کو اس حقیقت کا علم ہوتا اور استحضار کہ گناہ اور نافرمانی کے نتیجہ میں

جو مصیبتیں اس دنیا میں کبھی کبھی آتی رہتی ہیں جو عذاب کی ہی قسمیں ہیں تو کفر وانکار حق پر عذاب کا پورا ظہور جب آخرت میں ہوگا تو یقیناً وہ بڑا سخت ہوگا۔اس لئے دنیا کی زندگی میں ہی اس کی فکر کرلینی چاہیئے۔

اسی طرح دوسرے بندوں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ سورہ سجدہ میں فرماتا ہے:

﴿ وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴾ (سورہ :سجدہ :آیت ۲۰)

"اور ہم انہیں قریب کا عذاب بھی بڑے عذاب کے علاوہ چکھا کر رہیں گے شاید کہ یہ لوگ بعض آجائیں"۔

ظاہر ہے کہ دنیا کا عذاب ہر صورت میں آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے اور یہاں ان دو عذابوں کا ذکر ہے یعنی چھوٹے عذاب اور بڑے عذاب کا ذکر ہے تو یہ بھی انذار اور تنبیہ کے لئے ہے یعنی دنیوی عذاب بڑے اور دور کے عذاب سے ہلکا ہے مگر بہت قریب ہے اس کو آیا ہوا ہی سمجھو،اسی طرح آخرت کا عذاب اگرچہ بعد میں آئے گا لیکن بہت سخت عذاب ہے اس سے کافروں کی اصلاح خاص طور پر مقصود ہے کہ وہ اس کا خیال کر کے ہی راہ راست پر آجائیں۔

تیسری وجہ یہ ہوتی ہے کہ آدمی نیک ہے لیکن کسی وجہ سے عمل نہیں کر پا رہا ہے، اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ عمل کرے اور اس کو آخرت میں خوب بدلہ ملے، لیکن وہ عمل نہیں کر پا رہا ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کو کچھ تکلیفوں میں مبتلا کر دیتا ہے، کہ اس تکلیف کی وجہ سے آخرت میں بدلہ زیادہ دیتا ہے،لوگوں سے ملاقات ہونے پر لوگ اپنے مصائب کا تذکرہ کرتے ہیں، کہ ہم فلاں مشکل میں ہیں،فلاں مصیبت میں ہیں، دعاء کے لیے کہتے ہیں، دعاء کے لیے کہنا اچھی بات ہے،لیکن اس سے زیادہ اہم یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو سنبھالیں ، گناہ ہورہے ہیں ، دین کا مذاق اڑایا جارہا ہے، اللہ کی

نافرمانی بڑھ رہی ہے، علانیہ منکرات ہو رہے ہیں، یہ چیزیں خطرناک ہیں، اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی ہیں، اللہ ناراض ہو جائے اور سزا دے تو کوئی روک نہیں سکتا، اس کے لیے ہمیں فکر کرنی چاہیے، کہ اللہ کو ناراض کرنے والی چیزوں سے بچیں، خاص طور پر ہم لوگ اس زمانے میں دیکھتے ہیں، لوگوں کو عام طور پر پریشانیاں پیش آتی ہیں، جیسے کہ ہم نے ذکر کیا کہ پریشانیاں تین طرح کی ہوتی ہیں، ایک تو یہ کہ سزاءً، دوسری تنبیھاً ہوشیار کرنے کے لیے تھوڑے کچوکے لگائے جاتے ہیں، یا ہلکی سی چپت لگا کر کہا جائے، کیا کر رہے ہو؟ یہ اس طرح کرنا ہمدردی کی بات ہوتی ہے۔

تیسرا سبب: یہ کہ اللہ تعالیٰ جن کو پسند کرتا ہے اور جن کو آخرت میں بلند مقام دینا چاہتا ہے، ان کو یہاں تکلیفوں میں مبتلا کر دیتا ہے، یا کچھ مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے، اس لیے کہ اس سے زیادہ نیکی کے کام نہیں ہو رہے ہیں، تو ان تکالیف کے ذریعہ سے ان کے مرتبہ کو بلند کیا جاتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے، کہ مومن کو کانٹا بھی چبھتا ہے، تو اللہ اس کو اجر عطا فرماتا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ تکلیفوں پر اجر دینا شروع کرے گا، تو قیامت میں آدمی کہے گا، کہ کاش مجھے اور زیادہ تکلیفیں دنیا میں لاحق ہوتیں تو آج مجھے اس کا اجر ملتا، لیکن وہ انہیں لوگوں کے ساتھ ہوگا جو اللہ کے خاص بندے ہیں، اور ہر وقت توبہ و انابت و استغفار سے اللہ کو راضی کرنے میں لگے رہتے ہیں، تو اللہ بھی ان کے دلوں کو مطمئن و شاد و آباد رکھتا ہے، دنیا کی تکلیفوں میں بھی وہ مسکراتے ہیں، اور حالت غم میں بھی مسرور رہتے ہیں، اور جو لوگ اللہ کی نافرمانیوں کی پرواہ نہیں کرتے اور دنیا کے فائدوں میں مستغرق رہتے ہیں، اور جب انہیں سمجھایا جائے، نیکی کے راستے کی دعوت دی جائے تو ناراض ہو جاتے ہیں، تو ڈرنے کی بات ہے، یہ ضروری ہے کہ آدمی اپنا جائزہ لیتا رہے، کہ ہم بھٹک تو نہیں رہے ہیں، ہم کہیں صحیح راستے سے ہٹ تو نہیں رہے ہیں، ہم سے اللہ کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی ہے، اور اس کے لیے بھی ترتیب یہ ہے کہ آدمی نیک لوگوں سے ملتا رہے، اور ان کی باتیں سنتا رہے، ان کی مجلسوں میں حاضر ہوتا رہے، اس لیے کہ آدمی

کے اندر اللہ نے نفس رکھا ہے، اور کبھی وہ نفس کی شرارت سے مغلوب ہوسکتا ہے، اور اگر شیطان غالب آجائے تو آدمی کو توجہ ہوتی ہے، اور نفس اس کو ملامت کرتا ہے، کہ ہم غلط کر رہے ہیں، تو وہ اگر ایسی مجلسوں میں شریک ہوگا، جہاں نیک لوگ ہوں گے، ان کی صحبت سے بہرہ ور ہوگا، تو اس کو برے اور اچھے کا فرق ہوگا، اور برے کام پر اس کو توفیق توبہ حاصل ہوتی رہے گی، اور اس کو بری باتوں سے بچنا آسان ہوگا۔

انسان اور شیطان کا فرق

اللہ تعالیٰ نے انسان کو ایسا بنایا ہے کہ وہ برائی اور بھلائی دونوں کی طرف مائل ہوتا ہے، لیکن شیطان صرف برائی کرسکتا ہے، شیطان کی خاصیت تکبر اور غرور ہے اسی نے انسان سے حسد کرایا اور اللہ کی نافرمانی کرائی انسان کی سرشت میں تواضع ہے کہ وہ مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اس کے اندر برائی کی ایسی آگ بھردی گئی ہے کہ وہ نیکی کر ہی نہیں سکتا، لیکن انسان کو اللہ نے اختیار دیا ہے، اس کی فطرت اچھی رکھی ہے، اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ

(کُلُ مَولُودٍ یُولَدُ عَلَی الفِطرَةِ فَاَبَوَاہُ یُھَوِّدَانِہٖ وَیُنَصِّرَانِہٖ وَیُمَجِّسَانِہٖ وَیُشَرِّکَانِہٖ) (ترمذی شریف)

ترجمہ: ’’ہر شخص کی پیدائش صحیح فطرت پر ہوتی ہے مگر اس کے والدین اسے یہودی اور نصرانی اور مجوسی اور مشرک بنادیتے ہیں‘‘

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان صحیح فطرت سے پیدا ہوتا ہے، اور وہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے، لیکن اس کے والدین اس کو بدل دیتے ہیں، اس کے دین وایمان کو بدل دیتے ہیں وہ پھر نصرانی یا یہودی یا مجوسی (کافر) بن جاتا ہے، اس کے والدین جس مذہب کے ہوں وہ اس مذہب کو اختیار کرلیتا ہے، اور جو صحیح فطرت پر پیدا ہوتا ہے اور اس کو صحیح ماحول ملتا ہے تو اس کی فطرت بھی صحیح رہتی ہے، اور جب فطرت اچھی ہوتی ہے تو گناہ کو گناہ سمجھے گا، غلطی کو غلطی مانے گا، اس کے دور کرنے کے لیے اس سے بچنے کے لیے فکر کرے گا، کہ

دیکھوتم برا کر رہے ہو، یہ اچھی بات نہیں ہے، اور جب وہ مجلس میں اچھی باتیں سنے گا، تو اس کو نیکی کے کام میں تقویت ملے گی، نیک کام کرنے سے دل میں مضبوطی پیدا ہوتی ہے اور نیکی کی طرف دل مائل ہوتا ہے، اور نیکی اختیار کرتا ہے، اس کے لیے طریقہ یہی ہے کہ خدا و رسول کی بات کہی جائے، اس میں ایسی کشش ہے، اللہ کے کلام میں اللہ کے رسول ﷺ کی باتوں میں ایسی نورانیت ہے، کہ آدمی فوراً اس کو اختیار کر لے گا، اس کا ادب ولحاظ کرے گا، اگر اس کی طرف سے بے ادبی ہوئی تو اس کو اللہ ناپسند کرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ جو چاہے کرے اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے، تو ایک یہ کہ بے ادبی نہ ہو، بے ادبی اللہ کو ناپسند ہے، غرور انسان کو گرا دیتا ہے، اور وہ اللہ کے غصہ کا شکار ہو جاتا ہے۔

قارون کی ہلاکت کا سبب

قارون کا واقعہ اللہ نے قرآن مجید میں بیان فرمایا۔ اور کہا:

﴿إِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ وَآتَيْنَاهُ مِنَ الْكُنُوْزِ مَا إِنَّ مَفَاتِحَهُ لَتَنُوْءُ بِالْعُصْبَةِ أُولِى الْقُوَّةِ إِذْ قَالَ لَهُ قَوْمُهُ لَا تَفْرَحْ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ، وَابْتَغِ فِيْمَا آتَاكَ اللّٰهُ الدَّارَ الْآخِرَةَ وَلَا تَنْسَ نَصِيْبَكَ مِنَ الدُّنْيَا وَأَحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللّٰهُ إِلَيْكَ وَلَا تَبْغِ الْفَسَادَ فِى الْأَرْضِ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِيْنَ، قَالَ إِنَّمَا أُوْتِيْتُهُ عَلٰى عِلْمٍ عِنْدِىْ أَوَلَمْ يَعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ قَدْ أَهْلَكَ مِنْ قَبْلِهِ مِنَ الْقُرُوْنِ مَنْ هُوَ أَشَدُّ مِنْهُ قُوَّةً وَأَكْثَرُ جَمْعاً وَلَا يُسْأَلُ عَنْ ذُنُوْبِهِمُ الْمُجْرِمُوْنَ ، فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهِ فِىْ زِيْنَتِهِ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوْتِىَ قَارُوْنُ إِنَّهُ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ ، وَقَالَ الَّذِيْنَ أُوْتُوا الْعِلْمَ وَيْلَكُمْ ثَوَابُ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّمَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحاً وَلَا يُلَقَّاهَا إِلَّا الصَّابِرُوْنَ ، فَخَسَفْنَا بِهٖ وَبِدَارِهِ الْأَرْضَ فَمَا كَانَ لَهُ مِنْ فِئَةٍ يَنْصُرُوْنَهُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَمَا كَانَ مِنَ

الْمُنْتَصِرِيْنَ﴾ (القصص:٧٦)

ترجمہ:''قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا مگر اس نے ان کے مقابلہ میں زیادتی اختیار کی اور ہم نے اسے اتنے خزانے دے رکھے تھے کہ اس کی کنجیاں زور آوروں کی ایک جماعت کو گراں بار کر دیتی تھیں، جبکہ اس کی قوم نے اس سے کہا اتراؤ نہیں بیشک اللہ تعالیٰ اترانے والوں کو پسند نہیں کرتا اور جو کچھ اللہ نے تجھے دے رکھا ہے اس میں عالم آخرت کی بھی جستجو کرو اور دنیا سے اپنا حصہ فراموش نہ کرو اور جس طرح اللہ نے تمہارے ساتھ حسن سلوک کیا ہے تم بھی دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کرو اور روئے زمین پر فساد نہ پھیلاؤ بیشک اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا ہے اس نے کہا مجھ کو تو یہ سب مجھ کو میری صلاحیت سے ملا ہے کیا اسے یہ خبر نہ تھی کہ اللہ اس سے پہلے کی امتوں میں ایسوں کو ہلاک کر چکا ہے جو قوت میں اس بڑھے ہوئے تھے اور مجمع بھی ان کا زیادہ تھا اور مجرموں سے ان کے گناہوں کی بابت سوال نہیں کرنا پڑتا پھر وہ اپنے قوم والوں کے سامنے اپنے تجمل وآرائش (چمک دمک) کے ساتھ نکلا کو لوگ دنیوی زندگی کے طالب تھے بولے کاش ہم کو بھی ایسا ہی ساز وسامان ملا ہوتا جیسا قارون کو ملا ہے بیشک وہ بڑا خوش نصیب ہے اور جن لوگوں کو دین کی فہم عطا ہوئی تھی وہ بولے تمہارے اوپر نیکی پڑے اللہ کے یہاں کا ثواب کہیں بہتر ہے جو ایسے شخص کو ملتا ہے جو ایمان لائے اور نیک عمل کرے اور وہ تو صرف صبر کرنے والوں کو ہی ملتا ہے، پھر ہم نے اس کو (یعنی قارون) کو مع اس کے مکان کے زمین میں دھسا دیا سو کوئی جماعت اس کے لئے ایسی نہ ہوئی جو اسے اللہ کے مقابلہ میں بچالیتی اور نہ وہ خود ہی اپنے کو بچا سکا''

قارون تو موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا، بے تحاشہ دولت کا مالک تھا، اللہ تعالیٰ نے اس کو عزت وناموری سے نوازا تھا، مسلمان تھا، لیکن جب لوگوں نے اس سے

کہا کہ کچھ اپنا مال اللہ کے راستے میں خرچ کرو، تو اس نے کہا کہ ہم نے یہ مال بڑی محنت سے کمایا ہے، اپنی ہوشیاری سے کمایا ہے، اس کے لیے ہم نے اپنی جان کھپائی ہے، ایسے میں کیسے اس کو خرچ کروں، اللہ کو اس کا یہ غرور ناپسند ہوا، اس لیے کہ اگر اللہ اسباب مہیا نہ کرتا تو تم کیسے کما سکتے تھے، کیسے یہ سب دولت حاصل کر سکتے تھے، اللہ نے رات کو اس کا محل اس کا باغ اس کا خزانہ اور خود اس کو زمین میں دھنسا دیا، یہ واقعہ صرف اس لیے نہیں بیان کیا گیا کہ کانوں کو بھلا لگے، اور سننے والے متعجب ہوں، بلکہ یہ ہم سبھوں کے لیے عبرت ہے، اور اس طرح کے واقعات اب بھی ہوتے ہیں، دنیا کے مختلف علاقوں میں اس طرح کے واقعات پیش آتے ہیں، انسانوں کی آنکھیں کھولنے کے لیے اللہ تعالیٰ یہ سب واقعات دکھاتا رہتا ہے، تاکہ انسان غفلت میں نہ رہے، تو اللہ نے قارون کو تباہ کر دیا اور جس دولت پر اس کو ناز تھا ساتھ میں اس کو بھی زمین میں دھنسا دیا، اس کے عالی شان محل کو بھی زمین نے نگل لیا۔

قارون کی ہلاکت سے لوگوں کی عبرت

قرآن مجید نے دوسری طرح ان لوگوں کا بھی تذکرہ کیا ہے جنہیں قارون پر رشک آتا تھا مگر اس کی ہلاکت پر اور ساز و سامان کی تباہی پر وہ اللہ کو یاد کرنے لگے اور اللہ کا شکر بجالائے کہ انہوں نے قارون کا طریقہ اختیار نہیں کیا اور یہ سب کچھ محض اللہ کے فضل سے ہوا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

”وَأَصْبَحَ الَّذِيْنَ تَمَنَّوْا مَكَانَهُ بِالْأَمْسِ يَقُولُونَ وَيْكَأَنَّ اللَّهَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَوْلَا أَن مَّنَّ اللَّهُ عَلَيْنَا لَخَسَفَ بِنَا وَيْكَأَنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ، تِلْكَ الدَّارُ الْآخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُونَ عُلُوّاً فِي الْأَرْضِ وَلَا فَسَاداً وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ“. (القصص:۸۲)

ترجمہ: ”اور کل جو لوگ اس جیسے ہونے کی تمنا کر رہے تھے وہ اب کہنے لگے

بس تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اللہ اپنے بندوں میں سے جس کو اس مشیت ہوتی ہے خوب رزق دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگی سے دیتا ہے اگر ہم پر اللہ اپنا کرم نہ کرتا تو ہم کو بھی دھسا دیتا تو معلوم ہوا کہ کافروں کو فلاح نہیں ملتی یہ عالم آخرت تو ہم انہیں لوگوں کے لئے خاص کر دیتے ہیں جو زمین پر نہ بڑا بننا چاہتے ہیں نہ فساد کرنا چاہتے ہیں اور انجام نیک تو متقیوں ہی کا حصہ ہے"۔

جب لوگوں نے دوسرے دن دیکھا کہ اس کا یہ حال ہوا، تو آپس میں کہنے لگے، ہم تو سوچتے تھے کہ یہ دولت ہم کو ملی ہوتی، لیکن اللہ نے ایسی دولت سے ہمیں بچایا جو انسان کو تباہ کر دیتی ہے، ہلاکت کے غار میں ڈالتی ہے، اللہ نے ایسے واقعات عبرت کے لیے بیان کیے ہیں، اور اپنی زندگی کا محاسبہ کرنا چاہئے کہ خدانخواستہ ہماری زندگی اس طرح تو نہیں، ہماری زندگی میں تکبر وغرور تو نہیں آرہا ہے، اگر یہ بات ہے تو پھر اس سے بچنے کی کوشش کریں، ایک طوفان والا واقعہ ہم نے آپ سے بیان کیا اور ایک قارون کا واقعہ ہے، یہ دونوں واقعات ان لوگوں کے ساتھ پیش آئے جو موحد تھے، لیکن بداعمالیوں کے سبب سے اللہ نے ان کو عذاب میں گرفتار کر لیا۔

اللہ کے عذاب اور گرفت کے دوسرے اسباب

اللہ کو بندہ کی کوئی بات بری لگتی ہے تو پھر بندہ کی گرفت ہوتی ہے، تو اپنی زبان کی حفاظت کا خاص خیال رکھنا چاہئے کہ اپنی باتوں سے کہیں تکبر تو پیدا نہیں ہو رہا ہے، کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں، جب ان کو اچھی بات کہی جاتی ہے دین کی مجلسوں میں آنے کے لیے کہا جاتا ہے، تو کہتے ہیں کہ میاں آپ اپنا کام کریں اور ہمیں اپنے راستے پر چھوڑیں، دنیا تو اس کے بغیر بھی چل رہی ہے، آپ کو بلانے کی حاجت نہیں، آدمی کو سوچنا چاہئے کہ ان سب باتوں کا انجام بہت برا ہوتا ہے، آدمی اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرتا رہے، اللہ کی رضامندی کے کام کرتا رہے، اور اس کے راضی کرنے کے کام سوچتا اور اس کے لیے کوشش کرتا رہے، اس لیے کہ اللہ نیتوں پر اجر دینے والے ہیں اللہ

تعالیٰ بندے کی کوشش کو دیکھتے ہیں، کہ ہمارے بندے نے کوشش کی، جب نیکی کرنے کا ارادہ کرے اور نہ کر پائے تو حدیث میں آتا ہے، کہ اس پر بھی اس کو نیکی ملتی ہے، اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے، اور جب ارادہ کر کے نیکی کر لیتا ہے، تو دس نیکیاں اس پر لکھ دی جاتی ہیں، اور اگر بدی کا ارادہ کرے تو اس برے ارادے پر اس کے لیے گناہ نہیں لکھا جاتا، اور جب گناہ کر بھی لیتا ہے تو بھی صرف ایک گناہ اس وقت لکھا جاتا ہے، جب معافی کا وقت گذر جاتا ہے، اس لیے کہ بائیں جانب والے فرشتے کو ہدایت ہوتی ہے کہ ابھی انتظار کرو یہ معافی مانگ لے گا، ابھی گناہ نہ لکھو، لیکن جب دیر ہو جاتی ہے تو پھر گناہ لکھنے کی اجازت ملتی ہے، یہ اللہ کی خاص رحمت ہے کہ جو طریقہ اس نے نیکی کے لیے مقرر کیا وہی بدی کے لیے بھی مقرر کرتا لیکن ایسا نہیں کیا، یہ اس کی اپنے بندوں پر مہربانی کی بات ہے، تو آپ ارادہ کریں کہ اللہ کی نافرمانی آپ سے نہ ہو، یہ بھی بہت مفید بات ہے اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہوتا ہے، کہ تم نے ارادہ کیا، تم نے کوشش تو کی، حدیث میں کثرت سے ایسے واقعات ملتے ہیں کہ آدمی نے نیک بننے کا ارادہ کر لیا اور اس کا اللہ کے یہاں معاملہ اچھا ہو گیا، اللہ نے صرف اس کے ارادہ پر اس کو بخش دیا، نیت اور ارادہ نیک ہونے کے باوجود جب حالات پیش آتے ہیں، تو اس میں یہ خیال کرنا چاہیے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہیں، اوپر سے اس کا فیصلہ ہو چکا ہوتا ہے، یہ مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟ تکلیفیں کیوں آتی ہیں؟ اس کا فیصلہ اللہ کی طرف سے مقرر کر دیا گیا ہے، دنیا میں جو چیز بھی پیش آتی ہے کوئی بھی اتفاقی نہیں ہوتی، یہ سب اللہ کی طرف سے طے شدہ ہے۔ اس لیے ہر وقت اللہ سے خیر مانگنا چاہیے، اور جب آزمائش ہو تو ثابت قدمی کی دعا مانگنی چاہیئے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا کے کاموں میں لگائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

مغرب کا نظام تعلیم و تربیت اور انسانی سماج پر اس کے مہلک اثرات

جامعۃ العلوم و التربیۃ الاسلامیۃ (گڈھا) ہمت نگر گجرات کا وہ جامع تعلیمی تربیتی نظام کا حامل ادارہ ہے جس کے قیام و تاسیس کی مدت اگرچہ زیادہ نہیں ہے لیکن بہت جلد اس نے ترقی کی اور اہم مدارس میں اس نے اپنا ایک مقام بنالیا، اس کے بانی و رئیس مولانا سیف الدین صاحب نے پہلے سے دعوت دے رکھی تھی اور اس کے لئے وہ گودھرا بھی تشریف لائے اور ان کے یہاں جانے کا ارادہ کرلیا گیا، اس موقع پر جامعہ کی عظیم الشان زیر تعمیر مسجد میں حضرت مولانا دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا جس میں تعلیم و تربیت کی جامعیت کو سراہتے ہوئے بعض بڑی اہم باتوں کی طرف اشارہ کیا چونکہ حضرت مولانا کا خاص موضوع تعلیم و تربیت ہے اور ان کی کتاب سماج کی تعلیم و تربیت اس موضوع پر منفرد کتاب ہے اس سے اس خطاب کی اہمیت اور بڑھ گئی ہے اس موقع پر اساتذہ، طلباء کے علاوہ شہر کے معزز افراد بھی شریک تھے۔ (مرتب)

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام علىٰ سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد، و علىٰ آله و صحبه الغر الميامين، و من تبعهم بإحسان و دعا بدعوتهم إلى يوم الدين، أما بعد:

قابل قدر نظام تعلیم و تربیت

عزیز بھائیو! میں ایک طویل عرصہ سے یہاں حاضر ہونے کا ارادہ رکھتا تھا، لیکن

مشغولیت کی وجہ سے یہاں حاضری ممکن نہ رہی تھی، اس موقعہ پر بھی جب کہ یہاں آنے کا پروگرام بن چکا تھا، لیکن مختلف مقامات پر جو پروگرام ہوئے، اور مشغولیت رہی، اس لیے ہمت نگر میں آنے کی ہمت ٹوٹنے لگی، میں نے اس درسگاہ کے متعلق پہلے سے سن رکھا تھا اور یہاں کی خصوصیات میرے سامنے تھیں، مولانا سیف الدین صاحب (بانی و ناظم) نے جو طرز تعلیم اختیار کیا، اور اس کے لیے جو محنتیں انہوں نے کیں، وہ واقعی بڑی قدردانی کا منصوبہ ہے، اور اس سے بڑی اچھی توقعات قائم کی جاسکتی ہیں، ہم آپ لوگوں کو مبارکباد دیتے ہیں، کہ آپ یہاں سے فائدہ اٹھانے کے لیے آئے ہیں، دینی تعلیم کے حصول کے لیے آئے ہیں۔

اسلامی فکر وروح کے ساتھ تعلیم وتربیت ہو

تعلیم اور تربیت دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، لیکن جب سے مغربی منصوبے کے تحت تعلیم کو تربیت سے جدا کر دیا گیا ہے، اس کے بعد سے تعلیم میں بھی اور اخلاق میں بھی زوال آنا شروع ہو گیا، یورپی ممالک میں مذہب بیزاری جب پیدا ہوئی، تو اس کی وجہ سے انہوں نے تعلیم کا ایک متوازی نظام قائم کر دیا، ان کے مذہبی رہنماؤں نے تعلیم پر جو سختیاں کر رکھی تھیں، اور اس پر پابندی لگا رکھی تھی، تعلیم حاصل کرنے والوں کو وہ لوگ سخت سزائیں دیتے تھے، اس کی وجہ سے وہاں کے معاشرہ میں مذہب کے خلاف بغاوت پھیل گئی، جس سے سب کو عبرت حاصل کرنی چاہئے، اسلام کا اصول ﴿لَا اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ﴾ کا ہے، وہ دین کے معاملہ میں جبر نہیں کرتا، ہر حکمت کی بات کو اختیار کرنا مومن کا وصف ہے، "الحکمة ضالّة المؤمن" (حکمت مومن کی گمشدہ متاع ہے) اسی حکمت و علم کی بنیاد پر اسلام سارے مذہبوں میں امتیاز رکھتا ہے، دوسرے مذاہب میں لوگوں کے لیے کوئی دلچسپی نہیں، دوسرے مذاہب میں وہ طاقت اور کشش نہیں، جس کے لیے لوگ ان مذاہب کی طرف مائل ہوں، اس لیے لوگ ان مذاہب کی اصلیت جاننے کے بعد ان سے متنفر ہو جاتے ہیں، برخلاف اسلام کے، کہ اس کی بتائی ہوئی تعلیمات سے واقف ہونے

کے بعد لوگ اور اسلام سے قریب تر ہو جاتے ہیں، اور دین اسلام میں داخل ہو جاتے ہیں، الّا یہ کہ وہ دشمنی پر مبنی ہو، تو بات دوسری ہے، اگر کسی کے دل میں اسلام کے خلاف نفرت نہیں ہے اور وہ غیر جانبدار ہو کر اسلام کا مطالعہ کرتا ہے، تو وہ متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتا، اس لیے کہ اسلام میں جبر نہیں ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ دعوت و تربیت کا اچھا انتظام ہے، جو کسی مذہب میں نہیں، اور اگر آپ سارے مذاہب کا جائزہ لیں، تو معلوم ہوگا کہ وہاں دعوت و تربیت کا کوئی نظام نہیں، اگر نظام بالفرض قائم ہے تو اس کا کوئی بڑا نظریہ نہیں، لیکن اسلام میں دعوت و تربیت کے ساتھ تعلیم کو جوڑ دیا گیا ہے، اور اس کی مکمل رہنمائی موجود ہے۔

مغربی فلسفہ تعلیم میں الحاد کی دعوت اور اس کا مقابلہ

مغربی ملکوں میں جب مذہب دشمنی پیدا ہوئی، تو انہوں نے مذہب کو زندگی سے خارج کر دیا، اور زندگی کو مذہب سے بالکل ہٹا دیا، یعنی الحاد کی دعوت دی، اور مذہب بیزاری کی دعوت دی، تو ان کا دعوت کا نظام، تربیت کا نظام سب اس کے ماتحت آ گیا، انہوں نے یہ دیکھا کہ اسلام اتنی بڑی طاقت ہے اور وہ دنیا پر اثر انداز ہوتا جا رہا ہے، اور علاقہ کے علاقہ اس کے ماتحت آتے چلے جا رہے ہیں، تو انہوں نے گھبراہٹ محسوس کی، اسلام کی بڑھتی ہوئی طاقت سے انہیں خوف ہوا، اس کے لیے انہوں نے طاقت کے زور پر اسلام کا مقابلہ کرنے کی کوشش کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اسلام کے حاملین کو ہمت دی تھی، ایسا حوصلہ دیا تھا کہ انہوں نے ان باطل طاقتوں کا مقابلہ کیا، اور وہ طاقت کے زور سے اسلام کو کچل نہ سکے، جب اس مرحلہ میں ان کو ناکامی ہوئی، تو انہوں نے سازش کر کے اسلام کے ہمدرد بن کر اسلام کو نقصان پہونچانے کی کوشش کی، یہ بہت خطرناک بات ہے کہ ہمدرد بن کر نقصان پہونچائیں، دوست بن کر دشمن اگر گولی چلائے تو اس کا مقابلہ آسان نہیں ہوتا، انہوں نے اسلامی علوم کا باقاعدہ مطالعہ کیا، اور اس میں مہارت پیدا کی، اور جو دین کے اصل مصادر ہیں جن سے ہم دین کی باتیں اخذ کرتے ہیں، اس میں انہوں نے اختصاص پیدا کیا، اس کے علاوہ دوسرے اسلامی علوم وفنون میں اختصاص

پیدا کیا، کتابیں لکھیں اور اسلام کو اپنے انداز سے پیش کیا۔

مثلاً ایک مستشرق نے ایک کتاب لکھی، اور کتاب میں حضورﷺ کی بڑی تعریفیں کی، کہ آپﷺ بڑے جینئس (عبقری) تھے، بڑے ذہین تھے، بہت اچھی طبیعت کے آدمی تھے، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں، بہت تعریف کی کہ پڑھ کر آدمی خوش ہو جائے، پھر اس کے بعد لکھا کہ انہوں نے بڑا کام کیا، اپنی قوم کو بہت فائدہ پہونچایا، قوم بہت غریب تھی، اہل مکہ کے پاس اچھے وسائل نہیں تھے، انہوں نے ان کی غربت کو دور کرنے کے لیے اجتماعی حالت کو ٹھیک کرنے کے لیے کوشش کی، اور وہ کامیاب ہوئے، اور پھر عربوں کی معاشی حالت کو دور کر کے دنیا میں ان کو فوقیت دی، انہوں نے اپنی قوم کو بڑھانے میں اپنی زبردست قیادت کا ثبوت دیا، اب اس میں ہر شخص غور نہیں کرتا کہ اس میں کیا زہر ہے، زہر یہ اس نے بھرا، کہ آپ عام لیڈروں کی طرح تھے، جس طرح انسانوں میں عام لیڈر ہوتے ہیں جو قوم کی بھلائی کے لیے سوچتے ہیں، اور اس کے لیے خرچ کرتے ہیں، اور اسی میں وہ اپنا فائدہ بھی نکال لیتے ہیں، تو جو کوئی ان کی کتاب پڑھے گا، وہ ان کی کتابوں کو اچھا سمجھے گا کہ یہ یہودی اور عیسائی ہوتے ہوئے اس طرح ہمارے نبی کی تعریف کر رہا ہے، ایسے تو بہت کم لوگ ہوتے ہیں، جو دوسرے مذہب کی تعریف کرتے ہیں، دوسرے مذہب کے قائدین کی تعریف کرتے ہیں، پھر اس کتاب کو اس میں موجود باتوں کو وہ بڑھا چڑھا کر پیش کرے گا، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ بحیثیت نبی ہونے کے آپ پر سے ایمان کا تصور نکل جائے گا، اور یہ سمجھے گا کہ یہ عام دنیاوی لیڈر تھے، اس کتاب میں آپﷺ کو اس نے ایک اچھا آدمی ثابت کر دیا لیکن مذہب کو رسوا کر دیا، نبی کی نبوت پر سے ایمان ختم ہو گیا، جب ان کو صاحب وحی نہیں مانیں گے، تو پھر ایمان کہاں بچے گا، دین کا تعلق وحی الٰہی سے ہے، دین تو آپ کی نبوت سے قائم ہے، تو جس کو آپ کے نبی ہونے کا آپ پر وحی کے اترنے کا یقین نہیں ہوگا، اس کا دین و ایمان کہاں باقی رہے گا، اس طریقہ سے ان مستشرقین نے کام کیا، اور یہ ثابت کیا، کہ ہم نے اسلامی علوم میں کیسی کیسی

خدمات انجام دی ہیں، اور تم لوگ مسلمان ہو کر بھی اس طرح اسلامی علوم پر کتابیں نہ لکھ سکے، عربی میں، اردو میں، انگریزی میں مسلمانوں کو جو کام کرنا چاہیئے تھا، انہوں نے ایسا کام اپنی زبان میں نہیں کیا، بلکہ ان یورپ کے مفکرین نے ایسا کام کیا، لیکن ان کے پاس علم ناقص ہے، وہ ان علوم کے ذریعہ سے ذہن خراب کردیں گے۔

اگر آپ کے بچے آپ کے دانشوران کی کتابوں کو پڑھیں گے، تو سوائے ذہنی خرابی کے اور کوئی بات ہاتھ نہیں آئے گی، اس لیے ہمارے یہاں تعلیم کے ساتھ تربیت ضروری ہے۔

تعلیم، تربیت کے بغیر جہالت ہے

ہم نے تعلیم کو تربیت سے الگ سمجھ لیا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، بلکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، تعلیم بھی تربیت کا ایک طریقہ ہے، انسان کی تربیت سب سے پہلے اپنے گھر میں ماں باپ کے ذریعہ سے ہوتی ہے، جیسے والدین کا ذہن ہوگا اسی طرح بچے بنیں گے، جوان کا عقیدہ ہوگا اولاد اسی عقیدے کی حامل ہوگی، اگر عقیدہ اور تصورات وخیالات صحیح ہونگے، تو وہی چیزیں اولاد میں منتقل ہوں گی، اس لیے کہ انسان کی اولاد کو بہت مراحل سے گذرنا پڑتا ہے۔

گھر کی تعلیم کے اثرات اور فوائد

چار سال سے لے کر آٹھ سال تک کی عمر ایسی عمر ہے، جس میں بچہ اپنے اطراف میں ہونے والی چیزوں کو دیکھ کر سیکھتا ہے، اور اس کو جذب کرتا ہے، اللہ نے انسان کے اندر جذب کی اور اخذ کرنے کی صلاحیت رکھی ہے، آپ نے بھی اپنے بڑوں سے سیکھا ہے، ان سے اخذ کیا ہے، آدمی جن کے ساتھ رہتا ہے، ان کے اوصاف و خیالات کو اپناتا ہے، انسان کو جس سے محبت ہوتی ہے اس کے طریقہ کو وہ اختیار کرتا ہے، بچہ کو اپنے والدین سے محبت ہوتی ہے، وہ اپنے والدین کو اپنا آئیڈیل سمجھتا ہے، ان سے

سیکھتا ہے، اگر والدین اپنے بچوں کو بنانے کی فکر نہ کریں گے تو بچے اچھی صلاحیت کے حامل نہیں بن سکیں گے، تو تربیت والدین کے ساتھ ہوتی ہے۔

اسکول اور مدرسہ کی تعلیم - فوائد اور نقصانات

اور اس کے بعد مدرسے میں آدمی آتا ہے، تعلیم حاصل کرتا ہے تو اساتذہ اور مدرسے کے جو ذمہ دار ہیں ان سے سیکھتا ہے، اگر وہ ان کی تربیت کا لحاظ نہیں رکھیں گے، تو جیسے خودرو گھاس ہوتی ہے، کہیں زیادہ نکل آتی ہے کہیں کم، تو اسی طرح وہ بھی خودرو گھاس کی طرح ہو جاتا ہے، جو دل میں آئے گا جو کچھ وہ پڑھے گا، وہ اس کو صحیح سمجھے گا، اسی کو کرے گا، تو اس بات کی بڑی ضرورت ہوتی ہے کہ ان کی تربیت کی جائے، ماں باپ اپنی اولاد سے محبت کرتے ہیں، وہ اگر ذرا بھی تربیتی پہلو کی جانب توجہ دیں، اور اس وقت بچہ والدین کی ہر بات مانتا ہے، وہ بغیر سوچے سمجھے مانتا ہے، لیکن جب وہ مرحلہ آجاتا ہے، کہ وہ سوچنے سمجھنے لگتا ہے، اچھائی اور برائی میں فرق کرنے لگتا ہے، تو اس وقت اس کی تربیت کی بڑی ضرورت ہوتی ہے، تو تعلیم کے ساتھ اگر تربیت نہیں ہوگی تو تعلیم اس کو خودرو گھاس کی طرح بنادے گی۔

یورپ نے تعلیم کے مقصد پر خراب اثر ڈالا

اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ اہم مسئلہ معاش کا مسئلہ ہے، یعنی دنیا میں ہم آرام سے رہیں، اسی کی فکر سب کو لگی رہتی ہے، اور یہ بات یورپ سے آئی ہے، مغربی دنیا سے آئی ہے، کہ ہم دنیا میں آرام کے ساتھ رہ سکیں، عزت کے ساتھ رہ سکیں، اور ہمیں دنیا میں سربلندی حاصل ہو، اور مذہب کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے، وہ خالص دنیاوی آدمی تیار کرتے ہیں۔

یورپ کا فلسفہ خود غرضی اور مادیت پر مبنی ہے

یورپ کا تعلیمی مزاج ایسی تربیت سے جڑا ہوا ہے، جو صرف اپنے لیے جینا

سکھاتی ہے، صرف دنیا میں اچھی زندگی گذارنا سکھاتی ہے، ان کے نزدیک دنیا میں کامیاب رہنا کامیاب زندگی گذارنا اصل ہے، ان کے پاس اس فکر کے علاوہ کوئی فکر نہیں، یہ اسی ذہنیت کے ساتھ جیتے ہیں، اسی ذہنیت کو بناتے ہیں، آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض لوگ دینی تعلیم حاصل کرنے والوں کو ٹوکتے ہیں، ان پر فقرے کستے ہیں، کہ یہ کیا کھائے گا کیا کمائے گا، کیا کرے گا یہ اس دنیا میں؟ تو دنیا میں زندگی گذارنے کا جو تصور یورپ نے دے رکھا ہے کہ اپنے کھانے پینے کی اور عیش کرنے کی فکر کرو، یہاں آرام سے رہو اور چلے جاؤ، آخرت کچھ نہیں، خدا اور دین و ایمان کوئی چیز نہیں، ہاں بول چال میں آپسی گفتگو میں اچھی اصطلاحات استعمال کرو، جیسے خدا کا نام یا رسول کا نام لے کر کہہ دو، اتنا کافی ہے، لیکن یہ سب کچھ نہیں، ان سے ہونا کچھ نہیں۔ کیوں کہ ہمیں اگر دنیا میں کامیاب رہنا ہے، عزت کے ساتھ رہنا اور فائدہ اٹھانا ہے، تو پھر اپنی صلاحیتوں کو اسی میں لگانا ہے، اسی لیے وہ اس پر سارا زور دیتے ہیں۔

لیکن دنیا میں آرام سے رہنا کوئی بری بات نہیں ہے، اس کی فکر کرنے سے کوئی نہیں روکتا، اپنی دنیا کو سنوارنے کی فکر کرنا کوئی عیب کی بات نہیں، لیکن آخرت پر دنیا کو ترجیح دی جائے، مذہب سے ہٹا کر اس کو دیکھا جائے، یہ خطرناک اور ہمیشہ ہمیش کی زندگی کے لئے مہلک بات ہے آخرت کی زندگی نہ ختم ہونے والی ہے، اس کی آدمی فکر نہ کرے، صرف مختصر زندگی والی دنیا کی فکر کرے، یہ بہت خراب بات اور نظریہ ہے جو یورپ سے آیا ہے اسلام کا نظریہ تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو دونوں کی فکر کرنی چاہئے، کہ دنیا کی زندگی نہ بگڑے اور آخرت بھی خراب نہ ہو، اللہ کو ہم الہ واحد مانیں، سب اسی کا دیا ہوا مانیں اور یہ بھی مانیں کہ اللہ تعالیٰ ہم کو یہ بتاتا ہے، کہ ہر شخص کا رزق اللہ نے پہلے ہی سے متعین کر دیا ہے، لکھ دیا ہے، وہ مل کر ہی رہے گا۔

رزق اللہ کا مقرر کردہ ہے

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِی الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا كُلٌّ فِی كِتَابٍ مُّبِينٍ. (سورہ ھود:٦)

ترجمہ: ”اور کوئی جاندار زمین پر ایسا نہیں کہ اللہ کے ذمہ اس کا رزق نہ ہو اور وہ ہر ایک کے زیادہ رہنے کی جگہ اور کم رہنے کی جگہ کو جانتا ہے ہر چیز کتاب میں درج ہے۔

یہاں سامان رزق کے تعلق سے بڑی وضاحت سے یہ بات فرمادی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی سبھی کے کے لئے سامان رزق کے فراہمی کے اسباب پیدا کرتا ہے اور یہ کہ اسباب کو اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ اسباب پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بغیر اسباب کے رزق حاصل ہی نہیں ہوتا تو یہ تو اللہ پر اعتماد اور توکل کے منافی نہیں ہے شریعت اسلامی کی تعلیم ترک اسباب کی نہیں ہے بلکہ اس عالم اسباب ظاہری کی پوری رعایت کر کے پھر اللہ پر اعتماد اور توکل کی ہے اور ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے رزق کے تعلق سے ایک دوسری بات یوں فرمائی ہے جس میں اللہ کی عبادت واطاعت کو بھی ایک سبب بتایا گیا ہے کہ غیب سے اس کے لئے سامان رزق کی فراہمی ہوتی ہے لیکن یہاں بھی اس بات کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دنیا دارالاسباب ہے اور علم دین اور جسمانی رزق سبھی اسباب سے جڑا ہوا ہے لیکن نظر ہمیشہ مسبب الاسباب پر ہی رکھنی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

”وَأْمُرْ أَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا لَا نَسْأَلُكَ رِزْقًا نَّحْنُ نَرْزُقُكَ وَالْعَاقِبَةُ لِلتَّقْوٰى“ (سورہ طہ:۱۳۲)

ترجمہ: ”اور اپنے گھر والوں (اور تعلق والوں) کو نماز کو کہیے اور خود نماز پر جمیئے۔ ہم آپ سے روزی کے طالب نہیں ہے ہم تو آپ کو روزی فراہم کریں گے“۔

اس آیت کریمہ میں تعلیم ودعوت اور تبلیغ دین کا کام کرنے والوں کے لئے

رزق کے استحقاق کو بھی بتا دیا گیا ہے۔

ایمان بالیقین، تقویٰ اور عمل صالح بھی وسعت رزق کا بڑا سبب بنتا ہے۔اس کو قرآن پاک میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

"وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهٗ مَخْرَجًا وَّ يَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا" (سوره طلاق:۲-۳)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لئے وسعت پیدا کر دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رزق پہنچاتا ہے جہاں اسے گمان بھی نہیں ہوتا۔اور جو کوئی اللہ پر بھروسہ کرے گا تو اللہ اس کے لئے کافی ہے۔اللہ اپنا کام (بہرحال) پورا کر کے رہتا ہے۔اللہ نے ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔

اور توکل کے بارے میں حدیث شریف میں بہت وضاحت سے آیا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہو سنا کہ:

"لَوْ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَوَكَّلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ حَقَّ تَوَكُّلِهٖ لَرُزِقْتُمْ كَمَا تُرْزَقُ الطَّيْرُ تَغْدُوْ خِمَاصًا وَ تَرُوْحُ بِطَانًا۔ (رواه الترمذی حدیث نمبر ۲۳٤٤)

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ پر کما حقہ بھروسہ کرو تو تم کو وہ اس طرح سے رزق عطا کرے گا جیسے چڑیوں کو عطا کرتا ہے۔صبح خالی پیٹ وہ نکلتی ہیں اور شام کو آسودہ اور بھرے پیٹ واپس ہوتی ہیں۔

اور سنن ابن ماجہ کی حدیث ہے، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"يَا اَيُّهَا النَّاسُ! اِتَّقُوا اللّٰهَ، وَاَجْمِلُوْا فِي الطَّلَبِ، فَاِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَوْفِيَ رِزْقَهَا، وَ اِنْ اَبْطَاَ عَنْهَا، فَاتَّقُوا اللّٰهَ، وَاَجْمِلُوْا

فِي الطَّلَبِ، خُذُوا مَا حَلَّ وَ دَعُوا مَا حَرُمَ" (سنن ابن ماجه)

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا، اے لوگو! اللہ سے ڈرو اور تلاش رزق کے سلسلے میں نیکی اور پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، پس کوئی جاندار اس وقت تک نہیں مرتا جب تک اپنا رزق پورا نہ کرلے۔ اگر روزی میں تاخیر ہو جائے تو اللہ سے ڈرتے رہو، تلاش رزق کے سلسلے میں نیکی، پرہیزگاری کا رویہ اختیار کرو، جو حلال و جائز ہے اس کو اختیار کرو، اور جو حرام و ناجائز ہے اس کو چھوڑ دو۔

اس طرح بھی حدیث شریف میں آیا ہے،

"إِنَّ نَفْسًا لَنْ تَمُوْتَ حَتّٰى تَسْتَكْمِلَ رِزْقَهَا" (ابن ماجه)

اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انسان اپنا رزق مکمل کئے بغیر اس دنیا سے نہیں جائے گا، یہ بات اللہ کی طرف سے کہی گئی ہے کہ رزق جو ہم نے لکھ دیا ہے وہ تم کو ملے گا، جو نہیں لکھا وہ نہیں ملے گا، چاہے تم دنیا کو ادھر سے ادھر کر ڈالو، لہٰذا اللہ پر بھروسہ کرنا اور ساری زندگی اسی پر اکتفا کرنا چاہئے، ساری توجہ آدمی رزق پر کرے۔ حالانکہ اللہ نے تو رزق کا وعدہ کر لیا ہے، تو یہ ضائع ہونے والی بات ہے، یہ بات یورپ سے آئی ہے، کہ مذہب ہٹاؤ، مذہب کچھ نہیں ہے، صرف اپنی دنیا کی فکر کرو، اسی طرح اب مشرق کے لوگ بھی ہوتے جارہے ہیں، جو کچھ ذرا سی تعلیم حاصل کرتے ہیں، ان کا ذہن مغربی طرز کا حامل بن جاتا ہے تو ان کی ساری کوششیں اسی دنیا کے لیے ہو جاتی ہیں۔

تعلیم و تربیت کی جامعیت' وقت کا تقاضہ ہے

ہمارے مذہب میں تعلیم و تربیت دونوں ضروری ہے، تعلیم و تربیت سے مراد انسان کو اچھا بنانا، اس کو صالح بنانا، اس کو اللہ رب العزت کا مطیع و فرماں بردار بنانا، آخرت کی فکر والا بنانا ہے، اس کے بعد میں یہ ہے کہ اللہ نے ہاتھ پیر دیئے ہیں، دل و دماغ دیا ہے، تو رزق حاصل کرنے کے جو ذرائع و وسائل ہیں، ان کو اختیار کرو، اس کا بھی نفع

ملے گا، کاروبار میں لگنے سے منع نہیں کیا ہے، لیکن صرف اسی فکر کو اختیار کرنے سے روکا گیا ہے، کہ صرف معاش کی فکر ہے، نہ اعمال کی درستگی کی فکر ہے اور نہ آخرت کی فکر ہے، نہ انسانیت کی فکر ہے، بلکہ اب تو یہ سکھایا جارہا ہے، کہ کہیں مکر کرو، کسی کو فریب دو، کہیں جھوٹ بولو، جیسا موقع آئے ویسا کرو، یہ اسلام کے قوانین کے خلاف ہے، تو ہمارے مدرسوں کا فائدہ یہ ہے کہ یہ تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت کی بھی فکر کرتے ہیں، لیکن بعض اوقات اگر تربیت پر توجہ کم ہو جاتی ہے، تو اس کے نقصانات بھی ہوتے ہیں، ایسے لوگ آپ کو ملیں گے کہ مدرسے میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد وہ ایسے کام میں لگ گئے، علم حاصل کرنے کا ایسا ذریعہ اختیار کرلیا، کہ جہاں سارے برے کام کرنے ہوتے ہیں، اور وہ کررہے ہیں، کہ کیا کریں پیٹ پالنا ہے، پیٹ پالنے کے لیے آخرت کو نظرانداز کررہے ہیں۔ اللہ نے آپ کو ایسے کاموں سے بچایا ہے۔

ہم آپ کو یہ مبارکباد دیتے ہیں، کہ آپ دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے آئے، اور اپنے آپ کو اچھا صالح انسان بنانے کے لیے آئے، آپ چاہتے ہیں یا آپ کے والدین چاہتے ہیں، بہر حال آپ اس راستے پر آئے جس میں آدمی انسانیت کو اختیار کرتا ہے، اور یہاں ایسی تربیت کی جاتی ہے، کہ جس میں آپ کو سچ بولنا، حق بات کی تائید کرنا، حق کے لیے کوشش کرنا، اور آخرت کی فکر کرنا، اور صالح انسان بننے کی کوشش کرنا، اور اس کی فکر کرنے کی یہاں تربیت دی جاتی ہے، اور اس کا خیال کیا جاتا ہے۔

مستشرقین کا فریب

ایک بڑی بات، آپ سے کہنے کی ہے، جیسا کہ ہم نے آپ سے عرض کیا، کہ یورپ نے اسلام کو اسلامی علوم میں دخل اندازی کرکے جو کچھ نقصان پہونچایا ہے، اگر ان کی ذہنیت والے لوگ ہمارے استاد ہوں گے، مغربی ذہنیت والے لوگ اگر ادارے اور مسلمانوں کے اسکول چلائیں گے، تو وہی ذہنیت ان کے پاس پڑھنے والوں میں منتقل ہوگی، اس لیے کہ بچہ جس طرح اپنے والدین سے سیکھتا ہے، اسی طرح جب وہ مدرسہ میں

آتا ہے تو وہ اپنے اساتذہ سے سیکھتا ہے، اور جو کچھ ان کو کہتے ہوئے سنتا ہے اس کو اپنی زندگی میں لانے کی کوشش کرتا ہے، جس طرح اس کے اساتذہ ہوتے ہیں اسی طرح بننے کی کوشش کرتا ہے، اس لیے کہ اپنے اساتذہ کا احترام اس کے دل میں ہوتا ہے، وہ ان کو بڑا سمجھتا ہے، اور ان سے متاثر ہوتا ہے، اگر اساتذہ اچھے ہوں گے، تو ان کے طلباء بھی اچھے ہوں گے، اور اگر اساتذہ میں کسی طرح کی کمی ہے، چاہے فکری اعتبار سے ہو یا عملی اعتبار سے، وہی سب کمی ان کے طلباء میں منتقل ہوگی، جیسے مدرسہ چلانے والے اگر اچھے لوگ ہیں تو مدرسہ پھیلے گا اور اچھے بچے بنیں گے، اس لیے کہ تربیت کا نظام وہاں صحیح ہوگا، جس سے اچھے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہوگا۔

یورپ کے مفکرین تعلیم کا طرز فکر

تربیت کو تعلیم سے الگ کر دینا یا تربیت کو خالص مادی بنا دینا یورپ کا نظریۂ تعلیم اور فلسفۂ تعلیم ہے، یورپ والے تربیت تو دیتے ہیں، لیکن صرف پیٹ پالنے کی تربیت ہوتی ہے، اپنی فکر کی تربیت دیتے ہیں، ان کے یہاں اچھائی اور برائی میں تمیز نہیں سکھائی جاتی، آپ ان کے مفکرین کی سیرت پڑھیں، تو معلوم ہوگا کہ جھوٹ کوئی چیز نہیں ہے، یہ ان کے یہاں بیکار ہے کہ جھوٹ بولنا برا ہے، ان کے یہاں یہ بات ہے کہ اگر جھوٹ بولنے سے فائدہ پہونچتا ہے تو جھوٹ بولو، سچ بولنے میں فائدہ ہے تو سچ بولو، ان کا یہی مشورہ ہے وہ اسی کی تربیت دیتے ہیں، جو لوگ ان سے متاثر ہیں انہیں یہ سب سمجھنا چاہئے، اور اس کو سمجھنے کے لیے سب سے ضروری بات یہ ہے کہ اپنا مقصد پہچاننا چاہئے۔

آپ اپنا مقصد صحیح کریں

آپ یہاں پڑھنے آئے، تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے لیے آئے تو یہ سمجھ کر آئے کہ ہمیں یہاں اچھی تعلیم حاصل کرنا ہے، ہماری تربیت ہوگی یہ سمجھ کر آئے، یا یوں ہی آ گئے، جیسے ٹہلتے ہوئے آدمی کہیں سے کہیں بے مقصد پہونچ جائے، کوئی پوچھے تم

کہاں کے لیے نکلے ہو، کیا کر رہے ہو؟ تو بہت سے طلباء ہمارے مدرسوں میں بے سوچے سمجھے آجاتے ہیں، ان کے ذہن میں یہ نہیں ہوتا، کہ ہم یہاں کیوں آئے، تو آپ لوگ یہاں آئے ہیں، اسی لیے آئے ہیں کہ یہاں کوئی اچھی چیز ملے گی، اور ہماری تربیت ہوگی، آپ لوگوں نے چونکہ صحیح جگہ کا انتخاب کیا ہے، اس لیے ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں، کہ آپ نے بہت اچھا انتخاب کیا۔

جامعۃ العلوم والتربیہ کا امتیاز وتفوق

اس جامعہ کی، جامعۃ العلوم والتربیہ کی بہت بڑی خصوصیت یہ ہے کہ یہاں تربیت پر بہت زیادہ زور دیا جاتا ہے، اس کا بہت ہی اہتمام ہے اور تعلیم وتربیت کا مقصد ہی یہ ہے کہ تربیت انسان کو صالح بنائے، انسان کو مفید و با مقصد بنائے، انسان کو انسان بنائے، اس تربیت کو یہاں تعلیم کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے، تو یہ خوشی کی بات ہے، جہاں تعلیم وتربیت دونوں کا لحاظ کیا جائے، تعلیم حقیقت میں انسانیت کی تشکیل ہے، انسانیت کی تکمیل ہے، جیسے کارخانہ میں سامان بنتا ہے، اسی طرح ان مدرسوں میں انسان کو انسان بنایا جاتا ہے، انسان کو خود نہیں بنایا جاتا، بلکہ انسان کو تو اللہ نے بنایا ہے، لیکن اللہ نے انسانوں کو یہ حکم دیا ہے، کہ تم انسان کو انسان بنانے کی فکر کرو، یہ دعوت کا باقاعدہ نظام قائم کر دیا گیا، دعوت کا اصل کام اور دعوت کا اصل مقصد یہی ہے کہ انسان کو انسان بنایا جائے، صالح اور اچھی صفات والا انسان بنایا جائے، جو اپنے رب کا وفادار ہو، اپنے مالک کو پیدا کرنے والے کو پہچانتا ہو، اس کی اطاعت کرتا ہو، اور اس کے حکم کے مطابق زندگی گذارنے والا ہو، ایسا انسان بنانے کا کام دعوت میں ہوتا ہے، دعوت اسی کو کہتے ہیں، یہی دعوت کا کام ہے، کہ انسان کو اچھی باتیں سکھائیں، انسان کو صحیح راستے پر چلنے کی تلقین کریں، اور یہی تعلیم کا بھی کام ہے۔

تعلیم کے ساتھ اگر تربیت نہیں، اور دعوت کا کام شامل نہیں کیا گیا تو وہ طالب علم کو اچھا انسان نہیں بنائے گی، وہ تعلیم تو ایسے انسانوں کو وجود میں لائے گی، جو دیکھنے

میں انسان ہوں گے، لیکن ان کو کھانے پینے کی پیٹ پالنے کی فکر کے علاوہ کوئی فکر نہیں ہوگی، اچھی باتوں کو اختیار کرنے کی جدو جہد ان میں نہیں ہوگی، اور نہ وہ دوسروں کے کام آنے کے لائق ہوں گے، تو تربیت و تعلیم دونوں ایک دوسرے سے جڑے ہوئے ہیں، تعلیم کو تربیت کہنا زیادہ صحیح ہے، تعلیم میں تو سکھایا جاتا ہے بنایا جاتا ہے، اچھی باتیں اگر آپ بتائیں گے، اس سے تربیت ہوگی، اور اگر اچھی باتیں آپ نہیں بتائیں گے، صرف پیٹ پالنے کی باتیں کریں گے، تو آدمی کا کام یہی رہ جائے گا، یہ کام تو تمام جانور بھی کرتے ہیں، پھر آدمی کے اندر انسان ہونے کی کیا خصوصیت رہی؟

اسی لیے آپ کے مدرسے میں ایسا نظام بنایا گیا ہے، کہ یہاں پڑھنے والے باصلاحیت بنیں، اور صلاح و فلاح والے بنیں، یہ خود غرض انسان نہ بنیں، صرف پیٹ پالنے والے نہ بنیں، بلکہ یہ خوبیوں سے آراستہ و پیراستہ انسان بنیں، تا کہ دعوت کا کام کر سکیں، انسانیت کے کام آسکیں، اللہ کے دین کے وفادار بنیں، یہ دنیا کے لیے بھی مفید ہوں، اور اپنے رب کو راضی کرنے کا راستہ اختیار کر سکیں، تو ان چیزوں کو آپ اپنے سامنے رکھیۓ، اس تعلیم گاہ کا جو مقصد ہے، اس مقصد کو اپنے ذہن میں رکھیں، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے جدو جہد کریں، اگر آپ کوشش کریں گے تبھی کامیابی ہوگی، کوئی استاد خواہ کتنا ہی اچھا ہو، اگر طالب علم اس کی بات ماننے کو تیار نہیں ہے تو وہ کچھ نہیں کر سکتا، اگر آپ کا ذہن صحیح نہیں اور آپ نے تعلیم کو اپنا مقصد نہیں بنایا، تو نظام چاہے جتنا بھی اچھا ہو، کامیابی نہیں مل سکتی، تو اپنا مقصد اپنے سامنے رکھیۓ، تعلیم کو اور اس مدرسہ کو قائم کرنے کا مقصد اپنے سامنے رکھیۓ، اور اس پر آپ یقین کیجیۓ، اور استاد کی بات کو ماننے اور اس کے مطابق اپنے کو بنانے کی فکر کیجیۓ، تا کہ یہ درسگاہ کامیاب ہو، اور کامیابی اسی وقت ملے گی جب آپ ساتھ دیں گے، اور اس مقصد کو اپنائیں گے، جس مقصد کے لیے یہاں کوشش ہو رہی ہے، تو ان شاء اللہ اس کا فائدہ پھر بعد میں آپ دیکھیں گے۔

پوشیدہ شیطان

طالب علمی کے زمانے میں طالب علم کو اس بات کا اندازہ نہیں کہ بعد میں کیا ہوگا؟ وہ سستی کرتا ہے، محنت سے جی چراتا ہے، آگے کی فکر نہیں کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر انسان میں ایسی صلاحیتیں رکھی ہیں، کہ اگر ان صلاحیتوں میں ترقی آئے گی، تو وہ بہت اونچا جا سکتا ہے، وہ بہت کچھ بن سکتا ہے، اور یہی ہوا بھی ہے، تاریخ میں دیکھئے، جن لوگوں نے اپنے زمانے میں کوشش کی اور فکر کی اور مقصد کو اپنایا، کہ ہم اچھے انسان بنیں گے، اور لوگوں کو فائدہ پہونچانے والے بنیں گے، تو وہ حق کو پھیلانے کا ذریعہ بنے، انہوں نے انقلاب پیدا کر دیا، پورے پورے ملک میں انقلاب آگیا، آپ میں سے بہت لوگوں میں یہ صلاحیت ہے، میں آپ کو خوش کرنے کے لیے یہ بات نہیں کہہ رہا ہوں، بلکہ مجھے اس بات کا ادراک ہے کہ آپ میں بہت بڑا انسان بننے کی صلاحیت موجود ہے، لوگوں کو فائدہ پہونچانے کی صلاحیت موجود ہے، جس طرح بیج ہوتا ہے، اس کو اگر کھیت میں ڈال کر اس کی سینچائی کی جائے، اس کو پانی دیا جائے، تو وہ بہت بڑا درخت بن سکتا ہے، بہت پھل دے سکتا ہے، اور اگر اس بیج کو اسی طرح چھوڑ دیا جائے اس کی پرواہ نہ کی جائے، تو وہ ضائع ہو جائے گا، بیکار ہو جائے گا۔

تو اللہ نے ہر انسان کے اندر یہ صلاحیت دے رکھی ہے، کہ وہ بڑا آدمی بن سکتا ہے، دوسروں کے لیے مفید بن سکتا ہے، اگر اس نے ان مواقع کو ضائع کر دیا، تو پھر اس کے لیے کچھ نہیں ہو سکتا، اگر موقع پر اس نے اپنے کو بنانے کی کوشش کی، تو وہ کامیاب انسان بن سکتا ہے، اور یہ اسی وقت ممکن ہے جب آپ کے سامنے آپ کا مقصد ہوگا، اور جب آپ اپنی صلاحیت کو بہت زیادہ ترقی دینے کی کوشش کریں گے، جیسے باغبان درختوں کی دیکھ بھال کرتا ہے، ان کو پانی دیتا ہے، خودرو گھاس سے ان کو بچاتا ہے، کھاد ڈالتا ہے، تب جا کے باغ پھل دار بنتا ہے، اسی طرح آپ کی صلاحیتیں ہیں، اگر آپ اپنی صلاحیتوں کو ترقی دیں گے، اس کو پانی اور کھاد دیں گے، کھاد سے مطلب وہ تربیت جو

آپ کو ان درسگاہوں میں ملیں گی، آپ اپنے مقصد پر کاربند رہیں گے، جو آپ کی درسگاہ کا مقصد ہے، یہ درسگاہ آپ کو کامیاب انسان بنانا چاہتی ہے، آپ کو بلندی تک پہونچانا چاہتی ہے، اس لیے کہ آپ کی کامیابی میں مدرسے کی کامیابی ہے، مدرسہ تو آپ کی خیر خواہی میں ہے، اور مدرسہ کی خیر خواہی اس میں ہے کہ یہاں پڑھے ہوئے طلباء کامیاب انسان بنیں، اسی میں اہل مدرسہ کی خوشی ہے، اسی میں ان کی کامیابی ہے، اور مدرسہ تو یہی چاہتا ہے۔

سارا انحصار نیت وارادہ پر ہے

لیکن اگر آپ ترقی کرنا نہیں چاہیں گے، تو مدرسہ کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا، مدرسہ تو آپ کی وجہ سے مدرسہ ہے، تو اللہ نے آپ میں جو صلاحیتیں دی ہیں اس کو ترقی دینے کی فکر کریں، اور بڑھانے کے ذرائع اختیار کریں، اور اچھے انسان بنیں، اپنی فکر کے ساتھ دوسروں کی فکر بھی کریں، تو اسی میں ترقی ہوگی اور آپ بڑے انسان بنیں گے، اگر اس میں کوتاہی ہوگی تو پھر آپ بڑے انسان نہیں بن سکتے، اگر آپ کام کے انسان بنیں تو سب لوگ دیکھیں گے، تعجب کریں گے، اور آپ کی قدر کریں گے، تو آپ کی تعلیم گاہ بہت ہی معیاری اور عمدہ تعلیم گاہ ہے، اس سے پورا فائدہ اٹھائیے، اور ترقی کے راستوں پر گامزن ہوجائیے تو کامیابی آپ کے قدم چومے گی، اس میں آپ کا فائدہ ہوگا، مدرسے کا اس میں فائدہ ہوگا، لیکن سب سے زیادہ فائدہ آپ کو ہوگا۔

عصری تعلیم گاہوں اور دینی درسگاہوں کے مقاصد جدا جدا ہے

آپ سمجھ لیں کہ اس وقت دنیا پر یورپ والوں کا غلبہ ہے، تعلیم گاہیں زیادہ تر انہیں کی ہیں، اساتذہ ان کے ہیں، اور تعلیم گاہوں کو یونیورسٹیوں کو چلانے والے یہی لوگ ہیں، تو وہ اپنے ذہن کے مطابق کام کرتے ہیں، اور جو ان کے پاس پڑھتے ہیں تو ان کا ذہن بھی ویسا ہی ہوجاتا ہے، جیسا کہ یورپ چاہتا ہے، اب اس میں بھی اچھے لوگ

پیدا ہونا شروع ہو چکے ہیں، نیک لوگوں کی صحبتوں سے بزرگوں کے فیض سے اب ان میں بھی اچھے لوگ پیدا ہو رہے ہیں، لیکن مدرسہ کو قائم کرنے کا مقصد یہ نہیں ہے، انجینئرز اور ڈاکٹر بنانا نہیں ہے، اس کے لیے تو کالج اور یونیورسٹیاں موجود ہیں، مدرسہ کا مقصد مسلمان کو صحیح مسلمان بنانا ہے، دوسروں کے لیے مفید انسان پیدا کرنا ہے، اللہ سے تعلق رکھنے والا انسان بنانا ہے، تو جب تک آپ کا تعاون نہیں ہوگا، جب تک آپ مدرسے کے مقصد کو نہیں سمجھیں گے، تو زیادہ کامیابی نہیں ہوگی، ہم سمجھتے ہیں کہ آپ یہاں آئے ہیں، تو آپ نے یہاں کے نظام کو یہاں کے مقصد کو اچھی طرح سے جان لیا ہوگا، جو نظام یہاں اختیار کیا گیا ہے، وہ آپ کے لیے فائدہ مند ہے، آپ اس سے فائدہ اٹھائیں، میں اسی پر اکتفا کرتا ہوں، اور اپنی خوشی کا اظہار کرتا ہوں۔ آمین۔

وآخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین۔

جامعة العلوم والتربية

دینی تعلیم کے رائج نظام میں ایک نیا تجربہ

حسب ذیل تقریر ہمت نگر گجرات کے مدرسہ "جامعة العلوم والتربية الاسلامیہ" میں کی گئی حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء کی تقریر، جس میں اساتذہ طلباء کے علاوہ شہر کے معزز افراد بھی شریک تھے۔ مولانا کا تعارف عالم اسلام میں فکر اسلامی کے نقیب اور دعوت اسلامی کے ترجمان کے طور پر رہا ہے۔ جو یورپ کے مفکرین کے ان پہلوؤں پر گہری نظر رکھتے ہیں جن سے مغرب و مشرق میں خلیج واقع ہوئی (مرتب)

الحمد لله رب العالمين، و الصلاة و السلام علىٰ سيد المرسلين خاتم النبيين سيدنا محمد، و علىٰ آله الطيبين الطاهرين و صحبه الغر الميامين، و من تبعهم بإحسان، و دعا بدعوتهم الى يوم الدين، أما بعد:

ليس الخبر كالمعاينة:

محترم اساتذہ کرام اور عزیز طلباء! مولانا سیف الدین صاحب سے اس مدرسہ کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی رہتی تھی، رمضان المبارک اور اس کے علاوہ جب بھی مولانا کا رائے بریلی تشریف لانا ہوتا تو اس مدرسہ کے بارے میں وہ تعارف کراتے تھے، اور ہمارا ایک تاثر اس مدرسہ کے تعلق سے یہ تھا کہ ایک مدرسہ ہے، اور اس میں دینی و عصری تعلیم ہوتی ہے، جس میں طلباء کی تربیت کا خصوصی اہتمام ہے، یہ ایک عمومی تأثر تھا لیکن عربی کا محاورہ ہے "ليس الخبر كالمعاينة" اسی طرح ایک شاعر

نے کہا ہے۔

تطابق الخبر فی علیاك و الخبر
وصدق السمع فی أوصافك البصر

خبر کے بارے میں عربی میں بہت ساری مثالیں ہیں، جب کسی کی بہت تعریف کی جاتی ہے تو یہ کہا جاتا ہے کہ آپ کے بارے میں جو کچھ سنا تھا آپ کو ویسا ہی پایا، تو سمع وبصر دونوں میں جب تطابق پایا جاتا ہے تب یہ محاورہ استعمال ہوتا ہے، لیکن اس وقت "لیس الخبر کالمعاینة" والا محاورہ اس ادارے پر بہت فٹ آتا ہے، ہمارا اس ادارے کے بارے میں ایک عمومی تاثر تھا، لیکن یہاں آنے کے بعد یہاں کے بارے میں اور تفصیلات معلوم ہوئیں، اس سے یہ معلوم ہوا کہ حقیقت اس سے بہت زیادہ ہے۔

دینی تعلیمی نظام ہی ایک انقلابی کوشش

یہ ایک نیا تجربہ ہے، بلکہ اگر ہم کہیں کہ ہمارے تعلیمی نظام میں انقلاب کی ایک کوشش ہے اور وہ بڑی حد تک کامیاب ہے،، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اس کی دعوت دی تھی کہ " ثورة فی التعلیم " ہونا چاہئے، ہمارے نظام تعلیم میں انقلاب لانا وقت کی ضرورت ہے، اس پر بہت سارے محققین نے کتابیں لکھی ہیں، علی طنطاوی، مصطفیٰ السباعی وغیرہ سے آپ واقف ہوں گے، ندوہ کا ہر طالب علم ان کو جانتا اور ان کی تصنیفات کو پڑھتا ہے، وہ اس زمانے کے اعلام میں سے ہیں، لہٰذا جن لوگوں کا بھی ملت اسلامیہ اور دعوت اسلامیہ سے تعلق ہے وہ ان ناموں سے واقف ہوں گے، ان کی ایک کتاب " الأصول الاسلامیة " ہے، اسی طرح محمد المبارک کی ایک کتاب "الفکر الاسلامی الجدید" ہے، اس میں انہوں نے اس موضوع پر کافی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے، اور وہ چونکہ کئی جگہ تعلیم دے چکے ہیں اور وزیر تعلیم رہے ہیں اور مختلف یونیورسٹیوں کے نصاب تعلیم کی کمیٹی میں رہے ہیں، وہ اس مسئلہ سے واقف ہیں، اور علی طنطاوی بھی کئی مدرسوں میں درس دے چکے ہیں، انہوں نے اپنی کتاب " الأصول الاسلامیة"

میں نظام تعلیم کے بارے میں تفصیلی مضمون لکھا ہے۔

نظام تعلیم کے دو نمونے

نصاب درس کے سلسلہ میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ دو نظام تعلیم تھے، ایک نظام تعلیم کی نمائندگی علی گڑھ کرتا ہے، اور دوسرا نظام تعلیم درس نظامی کے نام سے مشہور ہے، یہ وہ نصاب ہے جو دو سو سال پہلے اس وقت کے تقاضے کے لحاظ سے تیار کیا گیا تھا، نظام اور نصاب کے سلسلہ میں اس میں تھوڑی بہت تبدیلیاں کی جاتی رہیں، اس نظام میں یہ اہتمام کیا جاتا ہے کہ علوم اسلامیہ میں کمال پیدا ہو خاص طور سے فقہ اور معقولات میں، اور اس میں تقریری اسلوب پایا جاتا ہے، ملا نظام الدینؒ نے دو سو سال پہلے اس نظام کو ترتیب دیا تھا، پھر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان سے تعلق رکھنے والوں نے اس نظام تعلیم میں حدیث کا حصہ بڑھا دیا اور وسعت پیدا کردی، ورنہ تو اس کا حصہ بہت تنگ تھا، اور زیادہ تر مشکوۃ تک اس میں گنجائش تھی، اس کے بعد اس میں ایسی چیزوں کو بڑھایا جس سے دعوت کا کام آسان ہو، تو یہ دو نظام تھے۔

نظام تعلیم کا ایک تیسرا نمونہ

ندوہ کے تعارف میں یہ بات کہی جاتی ہے کہ ندوہ کے اساتذہ میں بہت سے لوگ اسی پرانے نظام درس سے تعلق رکھتے تھے، اور ان میں سے کچھ سرسید احمد خاں مرحوم سے بھی تعلق رکھتے تھے، جو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بانی ہیں، اور بہت سے علماء ایسے ہیں جن کا دیوبند، مظاہر علوم اور درس نظامی سے تعلق رہا ہے، لہذا انہوں نے مختلف نصابوں کو جمع کر کے ایک نصاب تیار کیا، اس کا مقصد یہ تھا کہ دینی تعلیم میں ایک نیا موقف اختیار کیا جائے، جو قدیم وجدید کا جامع ہو، ہمارے نظام تعلیم میں اس کی سخت ضرورت ہے، درس نظامی میں اس بات کا اہتمام کیا گیا تھا کہ مفتی وقاضی پیدا ہوں، اور دینی ضرورتوں کو پورا کرنے والے پیدا ہوں، حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ

اوران کے رفقاء نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خان شیروانی، مولانا سید عبدالحی حسنیؒ، نواب سید علی حسن خاں وغیرہ نے اس بات پر زور دیا کہ اس زمانے میں ہمیں ضرورت ایسے علماء کی ہے جو دعوت کا کام کرسکیں، اور عصری تقاضوں اومسائل سے واقف ہوں، اوران کا خطاب عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ہو۔

دعوت اسلامی اولین ضرورت

دعوت اولین ضرورت ہے، اس امت کو جو مبعوث کیا گیا تو صرف امر بالمعروف اور نھی عن المنکر کے لیے کیا گیا، قرآن میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ ہر قوم میں ایک جماعت ہونی چاہئے جو کہ اپنی قوم کو متنبہ کرنے کا کام کرے، ﴿فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوْا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ﴾ (التوبة:۱۲۲) تو ندوۃ العلماء نے یہ کوشش کی، اور ایسا نصاب تشکیل دیا، جس سے علوم اسلامیہ میں علمی رسوخ پیدا ہونے کے ساتھ دعوت کا کام بھی کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، اس لیے کہ ان سب کاموں کو علم اور تربیت کے راستہ ہی سے انجام دیا جاسکتا ہے اسی طرح دعوت کے کام کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ دشمنان اسلام کی چالوں سے واقف ہو اور جس جگہ اور جس طریقہ سے اسلام پر حملہ ہو رہا ہے، اس کو سمجھ کر اس کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت ہو، اور لوگوں کو ان کے خطروں سے واقف کرانے کے وسائل اختیار کئے جائیں، صلیبی جنگوں میں ناکامی کے بعد یورپ کے حملہ کا طریقہ بدل چکا ہے۔ پہلے جو جنگیں ہوتی تھیں، ان میں ہر وقت انسانی جانوں کا خطرہ ہوتا تھا، تلوار کا تیر کا خطرہ ہوتا تھا، لیکن اب زمانہ وہ نہیں رہا، اب جنگ کے بجائے ادب ثقافت اور نئے افکار دشمنان اسلام کی طرف سے مسلط کئے جارہے ہیں، جو مسلمانوں کے لیے اسلامی تہذیب کے لیے خطرہ بنے ہوئے ہیں۔

سب سے بڑا خطرہ

اور ایک سب سے بڑا خطرہ یہ ہے جو خفیہ خطرہ ہے کہ کچھ ایسے لوگ جو علوم

اسلامیہ میں مہارت رکھتے ہیں، جو مستشرقین کہلاتے ہیں، یہ ایک ایسی جماعت ہے جو چھپی دشمن ہے، اور جب ان کی کتابیں پڑھی جاتی ہیں تو ان کے چھپائے ہوئے زہر سے بچنا مشکل ہو جاتا ہے، یہ کتابیں قرآن وحدیث، سیرت وغیرہ پر نادان لوگوں کی گمراہی کے لیے لکھی گئی ہیں، اوران میں بڑی محنت کی گئی ہے، لیکن اس میں انہوں نے اپنا علم و ہنر، ذہن ودماغ اس میں شامل کردیا، عربی میں اس کے لیے محاورہ ہے "دس السم في العسل" کہ شہد میں زہر ملا دیا، اوراگر آدمی پوری طرح سے واقفیت بھی رکھتا ہے اورعلوم اسلامیہ میں کمال بھی رکھتا ہے، تو وہ بھی ان کے فریب کو سمجھ نہیں سکتا، وہ اپنی تحقیق میں مخصوص طریقہ سے غلط بات شامل کر کے پیش کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے اچھے لوگ ان کے جال میں پھنس کر حقیقت سے ناواقف رہ جاتے ہیں، ان کا مقابلہ کرنے کے لیے متبحر علماء کی ضرورت ہے، ہمارے اسلاف نے ان کے خطرہ کو محسوس کیا، اوراس خطرہ کا مقابلہ کرنے کے لیے ایسے علماء تیار کیے جنہوں نے کتابیں لکھ کر ان کے زہر کو امت کے سامنے کھول کر رکھ دیا، ﴿وَلِيُنذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ﴾ کے لیے دو باتیں ضروری ہیں، علوم اسلامیہ سے واقفیت اور دوسرے مغربی علوم سے واقفیت، مغربی مفکرین کے علوم سے واقفیت، تاکہ معلوم ہو کہ وہ کس طرح نقب لگاتے ہیں، اگر آپ نے حفاظت کا انتظام نہیں کیا، تو چور دروازے سے داخل ہو جائے گا، کچھ چور کھلے دروازے کو دیکھ کر داخل ہو جاتے ہیں، اور کچھ چالاک ایسے ہوتے ہیں، جو نقب لگا کر راستہ بناتے ہیں، اور دروازہ بند ہونے کے باوجود داخل ہوتے ہیں، اسی طرح مستشرقین ہمارے علوم میں مہارت پیدا کرکے اپنی فکر کے ذریعہ اسلام کے قلعوں میں داخل ہو گئے، آج وہ ہمارے دماغوں میں نقب لگا کر اپنی تہذیب ہمارے یہاں لارہے ہیں، پہلے تو انہوں نے تلوار کے ذریعہ سے ہم پر ہمارے علاقوں پر قبضہ کرنا چاہا، لیکن جب ہمارے اسلاف نے ان کی تمام کوششوں کو ناکام بنادیا، تو پھر ایک لمبے عرصے کے بعد انہوں نے نئی حکمت عملی اپنا کر اپنا سارا زور صرف کیا، اور علم کے ذریعہ سے وہ ہماری صفوں میں داخل

ہو گئے، تو ہمیں اب اپنے علوم کے ساتھ ساتھ ان کے علوم سے واقفیت بھی حاصل کرلی ہے، تا کہ ان کی نقب زنی سے ہم واقف ہوں اور اس کا تدارک کیا جا سکے، اگر ہم صرف اپنے اسلاف کے علوم پڑھیں گے تو صرف تصویر کے ایک رخ سے واقف ہوں گے، لیکن جب اسلاف کے علوم کے علاوہ مستشرقین کی دیسہ کاریوں سے اور ان کے علمی سرچشموں سے واقف نہیں ہوئے تو ہم ان کی سازش کو نہیں سمجھ پائیں گے، لہذا یہ بات نہایت ضروری ہے کہ ہمارے نظام تعلیم میں اس کا انتظام کیا جائے تا کہ ہم دشمن کی چالوں سے واقف ہوں، دشمن ہمارے ہی علوم میں کمال پیدا کر کے ہمارے ذہنوں کو بگاڑ رہا ہے، لہذا جو عصری علوم ہیں، جس میں آج مغرب نے بیداری پیدا کر کے اس پر قبضہ جمالیا، اور اس سے صرف مغربی ذہنیت والے لوگ ہی تیار ہوئے ہیں، اس سے بھی واقفیت ضروری ہے۔

تعلیم وتربیت کا مکمل نظام

جیسا کہ انہوں نے دعویٰ کیا کہ ہم اپنے نظام تعلیم وتربیت کے ذریعہ دو چیزیں مہیا کر رہے ہیں، تعلیم تربیت کا ایک مکمل نظام ہو، جس سے ایسے آدمی تیار ہوں جو اپنے ذہن سے سوچے، اور دینی علوم کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ وہ عصری علوم سے واقف ہو، نام مسلمانوں کا ہو، لیکن رہتا مستشرقین کی طرح ہو، شکل وصورت ان کی ہو، بول چال میں سب ان کی نقل کرتا ہو، لیکن اس کے پاس علوم ہمارے ہوں، زبان ہماری ہو، دماغ ہمارا ہو، تو وہ ان کے قلعہ میں گھس کر ہمارا کام کرے گا، چونکہ اس کو وہ اپنی ہی برادری کا سمجھیں گے تو وہ اس کو اپنے یہاں آنے دیں گے، اپنی سہولتیں اس کو دیں گے، اس لیے ایسے لوگوں کو ہم تیار کریں، جو ہماری طرح سوچتے ہوں ہماری فکر رکھتے ہوں، اس لیے اب ہمارے لیے یہ ضروری ہے کہ ہم لوگ ایسا نظام ونصاب تشکیل دیں، جس سے وقت کے تقاضوں کو سمجھا جا سکے، جس سے زمانے کے چیلنجوں کا سامنا کیا جا سکے، اور زمانے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کی جا سکے، جو فتنے اس زمانے میں پیدا ہو رہے ہیں،

اس کو سمجھنے کی اور اس کے سر چشموں پر حملہ کرنے کی اس کے اندر جرأت ہو، اسی طرح ان فتنوں کے بواعث کو جاننا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے، بعض دانشوروں نے کوشش کی کہ دینی مدارس میں عصری علوم پڑھائے جائیں، لیکن اس میں زیادہ کامیابی نہیں ملی، اس لیے کہ جو لوگ عصری علوم پڑھاتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دینی ذہن کے ہوں، اگر وہ دینی فکر کے حامل نہیں تو عصری علوم تو پڑھائیں گے لیکن وہ اپنے طلباء کو اپنی سوچ کا حامل بنائیں گے، جس طرح مستشرقین نے دینی تعلیم میں اپنا ذہن اپنی فکر شامل کی، اسی طرح یہ لوگ اپنی فکر کے ذریعہ سے اسلامی تعلیم کو اپنا رنگ دیں گے اور نظام تربیت کو بھی خراب کر دیں گے، اور ایسے لوگ خطرہ بن سکتے ہیں اور اکثر ان کو ہی حاوی ہوتے دیکھا گیا ہے، لہذا اس نظام کے تجربہ کے بعد ایک دوسرا نظام یہ تیار کیا گیا، جس میں اسلامی تربیتی نظام مقصود تھا، جس میں تعلیم کے ساتھ ساتھ اسلامی ذہن سازی بھی تھی، اس لیے کہ اگر ذہن سازی نہیں تو پھر قرآن پڑھ کر قرآن کے دشمن بن جائیں گے، بہت سارے قرآن کا علم رکھنے والے قرآن کے دشمن بن گئے تاریخ میں اس کی بہت مثالیں ملتی ہیں، اس لیے کہ ان کی ذہن سازی نہیں ہوئی تھی، اتحاد، یقین، دعوت الی اللہ اور عاطفہ اسلامیہ نہ ہو تو پھر اس علوم کا حامل بن کر کوئی فائدہ نہیں، بلکہ الٹا اس کے نقصان پہونچانے کا سبب بنتے ہیں، اور اکثر آپ لوگوں نے بھی دیکھا ہوگا کہ مدرسہ سے پڑھ کر گئے، یونیورسٹی میں داخلہ لیا، تو ان کا ذہن بدل گیا، وہ بدل گئے، اور بھرپور طریقہ سے تعلیمات دین کی مخالفت کرنے لگے، اس لئے کہ ان کی تربیت اسلامی طریقہ پر نہیں ہوئی تھی، ان کی اسلامی ذہن سازی نہیں ہوئی تھی۔

تعلیم وتربیت کا اقامتی نظام

بعضوں نے تربیت وتعلیم کے لیے ہاسٹل کا نظام قائم کرنے کی بھی تجویز رکھی، یعنی مدرسوں کے ساتھ ہاسٹل کا نظام ہو، یہ طریقہ عیسائیوں کا ہے، وہ اپنے یہاں ہاسٹل میں رکھ کر ذہن سازی کرتے ہیں، اور آدمی اس ماحول کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، اور

جس طرح وہ چاہتے ہیں ویسا انسان بناتے ہیں، تو ایک تجربہ ہاسٹل کا بھی ہے لیکن اس نظام میں بھی کئی خرابیاں ہیں، جس کی وجہ سے یہ نظام پوری طرح کامیاب نہیں ہے۔

حضرت مولانا سید مناظر احسن گیلانیؒ اور حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ نے جو بڑے علماء اور مفکرین تعلیم میں تھے، انسانیت سازی اور تربیت دینی کے لئے ملت ہاسٹل کی تجویز رکھی تھی اور اس کا بھی تجربہ کیا گیا، یہ ایک کارآمد تجربہ ثابت ہوا، لیکن اس سلسلہ میں جو تعاون ملنا چاہئے تھا وہ نہیں مل سکا، اس لئے اس نظریہ کو عمومیت حاصل نہیں ہوئی اور مدارس کے اندر ہی یہ فکر محدود ہو کر رہ گیا، البتہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے انہیں حضرات کے حوالہ سے اپنی تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ بلاد عربیہ میں یہ بات کہی اور اس کی ضرورت پر زور دیا، جس کا فائدہ وہاں محسوس کیا گیا اور اس ضرورت کی طرف لوگ متوجہ ہوئے یہ ایک بہت مفید نظریہ تعلیم و تربیت ہے جس کی طرف توجہ کی ضرورت ہے۔

علوم کے ساتھ تربیت اور ذہن سازی جڑی ہوئی ہے

آپ کے یہاں جو نظام تعلیم رائج ہے، اس کی ایک خصوصیت ہمیں یہ معلوم ہوئی کہ یہ نہ ہاسٹل کے نظام کی طرح ہے اور نہ صرف تعلیم کا نظام ہے، بلکہ اس میں ابتداء سے اخیر تک جب بچہ کو مدرسہ میں لیا جاتا ہے، اس وقت سے اس کو صحیح ماحول میں رکھا جاتا ہے، یعنی تربیت و پرورش اسلامی ماحول میں ہوتی ہے، اور وہ ایک دینی ماحول کا بچہ بن جاتا ہے، اس کا ذہن دینی بن جاتا ہے، اس کا مزاج دینی بن جاتا ہے، اس کی سوچ دینی بن جاتی ہے، دین اس کی فطرت بن جاتا ہے، اس کی عادتوں میں داخل ہو جاتا ہے، اور جب خیر کی عادت پڑ جائے تو وہ کتنا ہی شر کے ماحول میں رہے وہ خیر کی طرف ہی جائے گا، اور خیر سے ہی آشنا ہوگا، اور ہمیشہ اس کے اندر خیر کی طرف رجحان ہوگا،

جامعة العلوم و التربية الاسلامية

آپ کے مدرسہ کا نام "جامعة العلوم الاسلامية" ہے اگر اس کا نام "جامعة العلوم و التربية الاسلامية" ہو جائے تو یہ زیادہ مفید ہوگا اس لیے کہ علوم کے

ساتھ تربیت اور ذہن سازی جڑی ہوئی ہے، تو یہ اور زیادہ آپ کے منہج پر دلالت کرنے والا نام ہوگا، آپ کے یہاں دینی تعلیم کے ساتھ عصری تعلیم بھی ہے، یہاں سے فارغ ہونے کے بعد لوگ عصری نظام میں بھی جاتے ہیں، اور چونکہ اس وقت تک دینی ذہن بن چکا ہوتا ہے لہذا وہ عصری اداروں میں بھی مسلمان بن کر عالم دین کی حیثیت سے اور داعئ دین کی حیثیت سے رہتے ہیں، تو معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ جس کا ذہن دینی بن جاتا ہے تو ہمیشہ اس کا میلان اسی طرف رہتا ہے، اس لیے ہمارے یہاں نظام تربیت میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے کہ خیر وشر کی تمیز فطری طور پر پیدا ہو، اور شر سے دوری خیر کی طرف میلان ہو، اگر یہ چیز پیدا ہوتی ہے، تو وہ شر سے مامون ہو گیا، لہذا نفسیات کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر اس کو ایک مدت تک ایک خاص نظام میں رکھا جائے تو وہ اس کی طبیعت بن جاتی ہے، اور وہ اسی کے مطابق عمل پر آمادہ ہوتی ہے تو یہ چیز ابتداء سے ہونی چاہیے، اس لیے کہ جو ذہن بچپن میں بن جاتا ہے تو وہی ذہن تھوڑے سے تغیر کے ساتھ باقی رہتا ہے، اور جب بھی اس کو موقعہ ملتا ہے وہ اپنا کام دکھاتا ہے، اور جو رجحانات اس کے ابتداء میں ہوتے ہیں وہ اخیر تک باقی رہتے ہیں۔

”ثورۃ فی التعلیم“

مولانا سیف الدین صاحب نے جو نیا تجربہ کیا ہے جس کو ”ہم ثورۃ فی التعلیم“ کہتے ہیں اگر یہ کامیاب ہو جائے اور اس میں وسعت پیدا ہو، اور اس طرح کے اور بھی ادارے قائم ہوں، تو یہ ایک کامیاب نظام کہلائے گا، ایسے ادارے تو بہت ملیں گے جس میں دین سکھایا جاتا ہے، اور عصری علوم پڑھائے جاتے ہیں، لیکن تربیتی نظام نہیں ہے، اور یہاں کی جو تفصیلات معلوم ہوئیں کہ بچہ کو بالکل ابتدائی عمر سے جب سے اس کی ذہنی تشکیل شروع ہوتی ہے، اس وقت سے یہ لوگ ہاسٹل میں رکھ کر اس کی پوری نگرانی کرتے ہیں، اور اس کو دین کے ماحول سے ہم آہنگ کرتے ہیں، اس کی ذہن سازی اور تربیت اسلامی اصولوں کے مطابق کرتے ہیں، اور اس کو بہت کم موقع دیتے ہیں کہ وہ دوسرے

ماحول میں جائے، تو ایک مدت تک اس نظام میں رہنے کے بعد اس بات کا یقین ہے کہ اس کا مزاج اسلامی بن جائے گا، پھر وہ کسی بھی نظام میں جائے گا لیکن وہ اپنے اسی مزاج کے مطابق زندگی گذارے گا، اور وہ اسلام کا داعی اور اس کی طرف آنے والے فتنوں کا سد باب کرنے والا ہوگا۔

ہم کو پہلے یہ تفصیلات معلوم نہ تھیں جو ہمیں یہاں آنے کے بعد معلوم ہوئیں، اللہ تعالیٰ مولانا سیف الدین صاحب اور ان کے رفقاء و معاونین کو بہت جزائے خیر دے کہ انہوں نے اپنے نظام تعلیم میں عصری علوم کے ساتھ پوری توجہ اسلامی تربیت و ذہن سازی پر مرکوز کی ہے، آپ کا یہ نظام ایک کیپسول کی طرح ہے، جس طرح کیپسول میں ہر چیز محفوظ ہوتی ہے اسی طرح انہوں نے یہ نظام قائم کیا ہے، ہم آپ کو مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ یہ نظام مقبول ہوگا، اور مقبول ہونے کی علامت ہمارے سامنے موجود اتنی بڑی تعداد میں یہ طلباء ہیں، اور ان کے علاوہ فارغین کی بھی ایک بڑی تعداد ہے، جنہوں نے دوسرے مدارس میں جا کر تعلیم حاصل کی، اور مدرس بھی بنے، اور اس طرح انہیں دین وعلم کی خدمت کا موقع مل رہا ہے، ہمیں یہ بات محسوس ہوئی کہ یہاں کے فضلاء اور یہاں کے طلبہ میں صلاح اور یکسوئی ہے۔ اور یہاں کے اساتذہ میں پر درد و سوز اور فکر مندی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کوششوں کو زیادہ سے زیادہ بار آور بنائے اور بہتر سے بہتر نتائج والا بنائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

☆☆☆☆☆

''علم کی اہمیت اور علماء مدارس کا کردار''

مؤرخہ ۸؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ مطابق ۷؍جون ۲۰۱۴ء بروز اتوار جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے دستار بندی و تقسیم اسناد کے سولہویں سالانہ اجلاس کے موقع پر یہ خطاب فرمایا گیا اجلاس جامعہ کی عالیشان مسجد میں منعقد ہوا جس میں جناب مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی مدظلہٗ جناب مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری مدظلہٗ اور دوسرے ممتاز علماء اور قائدین موجود تھے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد لله رب العالمين والصلوٰة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين ومن تبعهم باحسان و دعا بدعوته إلى يوم الدين! اما بعد

ملائکہ کی شرکت وہم نشینی

حضرات! یہ دیکھ کر مجھے بہت مسرت ہورہی ہے کہ آپ حضرات دین کی بات سننے کے لئے اتنی بڑی تعداد میں یہاں جمع ہوئے ہیں، جہاں اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور دین کی باتیں سننے کے لئے لوگ جمع ہوتے ہیں، وہاں فرشتے آجاتے ہیں اور وہ شریک مجلس ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان کے مزاج میں یہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کی باتیں جہاں کہیں ہورہی ہوتی ہیں تو وہاں ان کو کشش معلوم ہوتی ہے، اور ان کو خوشبو نظر آتی ہے ،معلوم ہوا کہ جیسے انسانوں کو یہ معاملہ ہے کہ کسی جگہ فائدہ نظر آتا ہے، خوش ہوتا ہے، اور فائدہ اٹھانے کا موقع ہوتا ہے بیٹھ جاتا ہے اور باتیں سننے لگتا ہے، یہی معاملہ فرشتوں کا بھی ہے، جہاں اللہ کی باتیں کی جارہی ہوں، عمل کیا جارہا ہو، فرشتے آکر شریک مجلس

ہو جاتے ہیں، تو یہ کہا جائے کہ آج آپ کی مجلس میں معلوم نہیں کتنے فرشتے آپ کے آس پاس بیٹھے ہونگے اور وہ بھی شریک ہیں آپ کے ساتھ اس مجلس میں تو غلط نہیں ہوگا۔

دنیا میں کوئی آدمی بڑے مرتبہ کا ہوتا ہے، وزیر ہوتا ہے جو بڑا عہدہ دار ہوتا ہے ،ایسے لوگ اگر آپ کے پاس بیٹھے ہوں تو آپ کو احساس ہوگا کہ ہمارے پاس وزیر صاحب بیٹھے تھے، ہمارے پاس فلاں لیڈر بیٹھے تھے، اب آپ سوچئے کہ آپ کے پہلو میں فرشتے بیٹھے ہیں، کتنے اعزاز کی بات ہے کتنی خوشی کی بات ہے۔

مجالس میں روحانیت اللہ کے نام سے ہی ہوتی ہے

ان مجالس میں برکت وروحانیت، اللہ کے نام سے ہوتی ہے، یہ سارا نظام کائنات جو چل رہا ہے، اللہ کے نام سے چل رہا ہے، اللہ کا نام ہے جو سنبھالے ہوئے ہے ساری کائنات کو، ورنہ کائنات کے اندر کسی چیز میں اصلاً کوئی طاقت نہیں، کوئی صلاحیت نہیں ہے، اللہ کا نام ہے جو سب کو چلا رہا ہے اسی لئے آتا ہے کہ جب دنیا میں دین اتنا مغلوب ہو جائے گا کہ کوئی اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا تب قیامت آجائے گی، جب اللہ کا نام لینے والا کوئی باقی نہیں رہے گا تو دنیا کی کوئی قیمت نہیں رہے گی، اور اللہ تعالیٰ دنیا کو ختم کر دیگا کہ دنیا کا کیا فائدہ؟ اللہ کے نام کے ساتھ دنیا قائم ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ قرآن کریم میں انبیاء علیہم السلام کے واقعات بیان کئے گئے ہیں، ابھی آپ کے سامنے قرآن مجید کی آیات پڑھی گئیں اس پر غور کیجئے ،اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے حالات بیان کئے ہیں تا کہ ہمارے لئے وہ مثال بنیں۔

آدمی دیکھ کر سیکھتا ہے

بھائیو! آدمی دیکھ کر سیکھتا ہے بچپن ہی سے جب سے وہ پیدا ہوتا ہے اسی وقت سے سیکھنا شروع کر دیتا ہے، اپنے ماں باپ کو دیکھتا ہے، گھر کو دیکھتا ہے، جو چیز نظر آتی ہے اس کو وہ جذب کرتا ہے، اسی لئے آپ دیکھیں گے کہ آج گھر میں جو زبان بولی جاتی ہے، بچے وہ جذب کر لیتے ہیں، اسی طرح گھر میں جو زبان بولی جاتی ہے بچے وہ زبان

سیکھ جاتے ہیں، ان کو پڑھائی نہیں جاتی ہے آپ سب جانتے ہیں کہ آپ جو بولی بولتے ہیں وہ آپ نے سن کر سیکھی ہے، اور عربی زبان باقاعدہ علم کے طور پر حاصل کی جاتی ہے، اس لئے کہ عربی زبان ذریعہ ہے اللہ کے کلام کو سمجھنے کا، اللہ کا کلام اتنا بلیغ ہے اتنا عظیم ہے کہ اس کو ہمارے لئے نصیحت کے طور پر اتارا گیا ہے، یعنی ہمیں اس سے نصیحت حاصل کرنی ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے اوپر بڑا احسان فرمایا کہ ہمیں ایک استاذ عطا فرمادیا، ایسا استاذ کہ جو برابر قائم رہے۔

قرآنی استاذ اور اس کی حفاظت

مدرسوں اور تعلیم گاہوں میں استاذ سے آپ چند سال پڑھ لیتے ہیں، اور چند سال کے اندر تھوڑے وقت کے لئے آپ فائدہ اٹھا لیتے ہیں، مگر قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ نے استاذ کے طور پر ہمیں آپ کو عطا فرمایا ہے، ایسا استاذ کہ جو قیامت تک رہے گا، قیامت تک کیسے رہے گا؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی حفاظت کا وعدہ کیا ہے۔ فرمایا "اِنَّا نَحنُ نَزَّلنَا الذِّکرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُونَ" ہم نے یہ نصیحت کی کتاب اتاری ہے، ہم اس کی حفاظت کریں گے، حفاظت کا وعدہ اس لئے فرمایا کہ اس سے پہلے جو کتابیں اللہ نے نازل فرمائی اس کو ان لوگوں کی نصیحت کے لئے اتاری، انہوں نے اس سے نصیحت تو حاصل کی، لیکن بعد میں آنے والی نسلوں نے اس کو نظر انداز کردیا، اور وہ اس کے خلاف عمل کرنے لگے، اور اتنا خلاف عمل کیا کہ اللہ تعالیٰ ناراض ہوگیا، اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو بھیجنا بند کردیا کہ یہ لوگ اس لائق نہیں رہے کہ ان کی نصیحت کی جائے، اور اگر اللہ تعالیٰ دنیا کو اسی وقت ختم کردیتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں تھی، حدیث شریف میں آتا ہے: اللہ تعالیٰ نے زمین پر نظر ڈالی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بنی اسرائیل نے کیا معاملہ کیا اور ان سے پہلے حضرت زکریا علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا، حضرت یحیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیا کیا ان کو شہید کردیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اپنے نزدیک شہید کردیا، ان کی والدہ جو بہت ہی برگزیدہ حالات میں تھیں، حضرت مریم علیہا السلام ان کے ساتھ کیا

معاملہ اور توہین کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان ان کو ایسی عزت دی کہ ان کے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام گود میں تھے اور معجزانہ طور پر بول اٹھے، پھر جب بعد میں ان کی پھانسی کا چرچا کیا گیا تو قرآن نے حقیقت کھول دی اور کہا: "وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ" کہ نہ یہ لوگ قتل کر سکے نہ ہی پھانسی چڑھا سکے ان کے مشابہ کے ساتھ ایسا کیا، ہمارے نزدیک تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اٹھا لیا، مگر وہ لوگ یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے اپنا کام تمام کر دیا، تو اللہ تعالیٰ کو غصہ آیا، کہ بجائے اس کے کہ نصیحت حاصل کریں، یہ الٹا اس کے خلاف عمل کر رہے ہیں، تو جو چاہے ہو، چاہے یہ برباد ہو، تباہ ہو کوئی پرواہ نہیں۔

آخری رسول صلی اللہ علیہ وسلم

اللہ چاہتا تو اس وقت دنیا کو ختم کر دیتا تو کچھ تعجب کی بات نہیں تھی، لیکن اللہ تعالیٰ کو رحم آیا اور اس نے آخری رسول عطا فرمایا اور ان کو آخری کتاب عطا فرمائی، اور اللہ تعالیٰ نے ایسی خصوصیات عطا فرمائیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی قیامت تک کے لئے رہنمائی قائم رہے گی، قائم رہنے کی دو شکلیں ہوتی ہیں، ایک تو وہ چیز باقی رہے دوسرے یہ کہ اس کے اثرات باقی رہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ جو آپ پر اتارا اور حدیث پاک کے ذریعہ جو رسول اللہ ﷺ کا کلام ہے آپ ﷺ کی صحبت کا فائدہ اور استفادہ کا راستہ باقی رکھا اور علمائے دین کے ذریعہ اس کو آسان فرمایا۔ یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا خاص فضل ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى" کہ آپ جو بات کہتے وہ اپنی طرف سے اپنی خواہش سے نہیں کہتے، بلکہ اللہ تعالیٰ آپ کو جو بات بتاتا ہے وہ بات کہتے ہیں۔

اسی طریقہ سے حدیث شریف قرآن مجید کے بعد اس کا درجہ ہے، وہ مرجع ہے اللہ کی مرضی جاننے کا، وہ قرآن مجید کے بعد دین و شریعت کا مصدر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو ہدایت عطا فرمائی ہے اس کو حاصل کرنے کا وہ ذریعہ ہے، تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید

کو ہمارے لئے ایک معلم بنایا ہے، ایسا دائمی معلم کہ پہلے تو اس کو حضور ﷺ کا معلم بنایا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ پوری انسانیت کا معلم بنایا خواص کا بھی اور عوام کا بھی، اسے "هُدًى لِلْمُتَّقِيْنَ" بھی کہا گیا اور "هُدًى لِلنَّاسِ" بھی کہا گیا، اور سبھی اپنا اپنا فائدہ اس سے اٹھاتے ہیں۔

عربوں کا امی ہونا

آپ سب جانتے ہیں کہ عربوں میں تعلیم نہیں تھی۔ عرب امی تھے امی کا مطلب یہ کہ ماں سے جو کچھ لیکر آئے تھے وہ ہی ان کے پاس تھا کسی استاذ سے کسی مدرسہ سے کسی کتاب سے انہوں نے نہیں حاصل کیا تھا، تعلیم کیسی ہوتی ہے کتاب سے ہوتی ہے استاذ کے ذریعہ سے ہوتی ہے تو نہ ان کو کوئی استاذ ملا تھا نہ کوئی کتاب ملی تھی نہ کوئی درسگاہ میں پڑھا تھا، ان کے پاس جو کچھ معلومات تھیں اور جو کچھ ان میں صلاحیت تھی وہ ان کی فطری تھی اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو ان میں پیدا فرمایا اور اس کی مصلحت یہ معلوم ہوتی ہے کہ آدمی جس سے کچھ سیکھتا ہے جس کتاب سے سیکھتا ہے جس استاذ سے سیکھتا ہے اس کی باتیں بھی سیکھ لیتا ہے یعنی اس سے علم حاصل کرتا ہے اور خود اس کا جو خیال ہے اور اس کی جو چیزیں ہیں وہ علم مرکب ہوتا ہے تو اگر عرب امی نہ ہوتے تو ان کے پاس یونان، ایران اور روم کا علم ہوتا، وہاں جو تعلیم گاہیں تھی، وہاں جو علم تھا، جو تمدن تھا، جو معلومات تھیں وہ سیکھتے تو گویا مخلوق کا علم آجاتا، اللہ تعالیٰ نے انتخاب فرمایا ایسی قوم کا جو ان چیزوں سے متاثر نہ ہوتی ہو، اس لئے اللہ تعالیٰ ایسے نبی کو ان لوگوں میں جو اوروں سے کچھ نہ لے، کسی اور سے متاثر نہ ہو، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو استاذ عطا فرمایا، کون استاذ عطا فرمایا؟ وحی الٰہی یعنی قرآن مجید اور وہ وحی غیر متلو، اس کے ذریعہ سے آپ کی تعلیم ہوئی، قرآن مجید آپ کا معلم بنا، آپ کو اس سے پہلے کوئی معلم اللہ نے نہیں دیا، آپ کو نبوت عطا فرمائی تو معلم دیا، تو معلم کیا؟ قرآن مجید اور وحی غیر متلو، حضرت جبرئیل آتے تھے وحی لیکر تو آپ کو اوپر کے استاذ کا علم حاصل ہوا۔ آسمان کا صحیفہ آپ کو ملا، دنیا والوں سے نہیں لیا آپ نے اللہ کی

طرف سے علم دیا گیا اور وہ آپ کو حاصل ہوا اور علم بھی اللہ نے وہ دیا جس میں انسان کی فلاح ہے حضور ﷺ کے معاملات میں دیکھئے قرآن مجید پڑھئے، جگہ جگہ حضور ﷺ کو بتایا گیا کہ تم ایسا کرو اور ایسا نہ کرو، استاذ کا کام ہے قرآن مجید کے ذریعہ سے اور وحی کے ذریعہ سے آپ کو وہ فائدہ پہونچائیں جو اللہ نے عطا فرمایا، تو قرآن مجید آپ کا معلم بنا، آپ کو خود اپنی کتاب سے معلم عطا فرمادیا، اور ظاہر ہے کہ معلم کا کام کیا ہوتا کہ وہ اپنے طلبہ کو وہ علم عطا کرے کہ جس علم کی ضرورت ہوتی ہے۔

علم کیا ہے؟:

علم معلومات کو کہتے ہیں اور معمولی چیزیں بھی علم میں داخل ہوتی ہے اور اہم چیزیں بھی علم میں داخل ہوتی ہیں، اور معلومات اتنی ہے ہم لوگوں کے لے دنیا میں کہ اگر ہم ایک علم پر بھی اپنی پوری زندگی صرف کردیں تو زندگی پوری ختم ہوجائے گی وہ علم پورا حاصل نہیں ہوگا، تو ہوتا کیا ہے کہ ہم اپنی ضرورت کا علم حاصل کرتے ہیں جتنی ہم کو ضرورت ہوتی ہے، جس کا ہم کو واسطہ پڑا ہوتا ہے، جس سے ہمیں کام لینا ہے اتنا علم ہم حاصل کرتے ہیں اور اس سے ہم اپنی زندگی چلاتے ہیں۔

علم کی دوقسمیں:

علم کی دوقسمیں ہیں، ایک وہ علم ہے کہ جو انسان خود اپنی محنت سے حاصل کرتا ہے، اپنے استاذ سے حاصل کرتا ہے، استاذ کی محنت سے حاصل کرتا ہے دوسرا وہ علم جس سے ساری دنیا چل رہی ہے، ساری ترقیات چل رہی ہے۔ یہ سب جو تہذیب وتمدن دیکھ رہے ہیں اور ترقیات دیکھ رہے ہیں، یہ وہ ہیں جو انسان اپنی کوشش سے اور اپنے تجربہ اور مجاہدہ سے اور اپنے استاذ سے حاصل کرتا ہے۔ ایک وہ علم ہے جو انسان کے بس کا نہیں، جس کو علم کہتے ہیں، علم غیب ہمارے لئے اصلا ہماری نجات کے لئے، ہماری کامیابی کے لئے علم غیب کی ضرورت ہے، یہ علم جس سے ہم دنیاوی فائدہ اٹھالیتے ہیں، اپنے جسم کا فائدہ اٹھالیتے ہیں، لیکن اس کے بعد ہمیں جو دوسری زندگی موت کے بعد کی ملے گی، خود

اس زندگی کے اندر صحیح طور پر ہم زندہ رہیں یہ علم ہم کو علم غیب سے حاصل ہوتا ہے، اور علم غیب اللہ نے ہم کو قرآن مجید کے ذریعہ سے اور حدیث شریف کے ذریعہ سے دیا ہے، آپ خود نہیں حاصل کر سکتے تھے، اپنی کوشش سے نہیں حاصل کر سکتے تھے، وہ آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا ہے تاکہ ہمیں نجات حاصل ہو، تاکہ ہم کامیاب ہوں، تاکہ ہم ناقص نہ رہیں تاکہ ہم دینوی مصیبت میں مبتلا نہ ہو جائیں، یہ علم والے علم رکھتے ہیں، صرف اتفاق رکھتے ہیں، انسانی علم پر اتفاق رکھتے ہیں، اور وہ علم حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے جو اللہ نے غیب سے عطا فرمایا ہے، تو آپ دیکھئے وہ بکواس ہے۔

ترقیات کے باوجود بے چینی:

تمدن کی برائیاں ان کو معلوم نہیں، آپ معلوم کریں کہ تمدن والے ساری ترقیات کے باوجود، کہ ان کی کیا حالت ہے، کس بے چینی میں مبتلا ہیں، کن خرابیوں میں ہے اور کن مصیبتوں میں ہیں، جو اندر کی ہے، جو اندر کے سکون سے تعلق رکھتی ہے، اندر کے اطمینان سے تعلق رکھتی ہے، اس کو معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ کتنی تکلیف اور پریشانی میں ہیں کیوں؟ اس لئے کہ اس کو دور کرنے کے لئے جس علم کی ضرورت ہے وہ علم غیب ہے، وہ لوگ علم غیب کو مانتے نہیں ہیں تو اندر سے پرشانیوں میں مبتلا ہیں اور آخرت میں جو اس کا نتیجہ ہوگا وہ بہت خراب ہوگا، اس لئے علم کی دو قسمیں ہیں۔

علم غیب دائمی کامیابی کا ذریعہ:

آپ کے لئے خوشی ومسرت کی بات ہے کہ آپ وہ علم حاصل کر رہے ہیں جو علم غیب سے تعلق رکھتا ہے، جو کامیابی کا ذریعہ ہے، جو اللہ کے عطا کردہ استاذ سے حاصل کر رہے ہیں، یعنی قرآن مجید سے حاصل کر رہے ہیں، اور وحی الٰہی جو کہ غیر متلو ہے، یعنی حدیث شریف، اس سے حاصل کر رہے ہیں، تو قرآن مجید اور حدیث شریف سے آپ کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ انسان کی دائمی کامیابی کا ذریعہ ہے، یہ جو دنیا کا علم حاصل کرتے ہیں، وہ بھی کامیابی کا ذریعہ ہے لیکن وہ عارضی کامیابی ہے، جب تک زندہ ہیں اس سے

تھوڑا بہت فائدہ اٹھالیں گے، موت کے بعد یہ علم کام نہیں دے گا، مرنے کے بعد آدمی کسی چیز کو اپنے ساتھ نہیں لے جائے گا، نہ مکان لے کر جائے گا نہ دولت لے کر جائے گا اور نہ راحت کا سامان لے جائے گا، سیدھا سیدھا جائے گا اور وہاں وہی علم کام آئے گا جو غیب کے واسطے سے تعلق رکھتا ہے، جو قرآن وحدیث کے واسطے سے انسان کو ملا ہے، تو ہم آپ کو مبارک باد دیتے ہیں اس بات پر کہ آپ اس علم کو حاصل کرتے ہیں، اور دلچسپی کے ساتھ اس کو حاصل کر رہے ہیں جو کامیابی کا ذریعہ ہے، دائمی کامیابی اس سے ملے گی، ہمیشہ کی کامیابی، الحمدللہ وہ علم آپ حاصل کر رہے ہیں۔

علم غیب کا تقاضا:

تو اس علم کا فائدہ یہ ہے کہ علم کو عملی بنایا جائے، عملی بنانے کا مطلب یہ ہے کہ عمل میں لایا جائے، جیسے اللہ نے آپ کو دولت دی، آپ کے پاس بہت دولت ہے مگر آپ تجوری میں رکھ دیں، آپ اس کو استعمال نہیں کر رہے ہیں اور خرچ نہیں کر رہے ہیں تو کیا ہوگا وہ دولت آپ کے لئے بیکار ہے، وہ نہ ہو تو کیا اور ہو تو کیا؟ دونوں باتیں برابر ہوجائے گی، کیوں کہ استعمال نہیں کر رہا ہے، علم کا معاملہ بھی یہی ہے کہ علم جو آدمی کو حاصل ہو تو اس کو عملی بنائیں، یعنی اس سے فائدہ اٹھائیں، اب یہ علم جو آپ کو قرآن مجید سے حاصل ہوتا ہے وہ ہماری زندگی کو سنوارنے اور بنانے کا ذریعہ ہے، ہمارے دل کو سکون دینے اور کامیاب کرنے کا اور اطمینان دلانے کا ذریعہ ہے، لیکن کب جب ہم اس کو عملی بنائیں، یعنی عمل میں لائیں اس کو، جو ہدایات کی گئی ہیں، جو رہنمائی کی گئی ہیں، جو اچھا برا بتایا گیا ہے کہ یہ اچھا ہے یہ برا ہے، اس کو جب عمل میں لائیں گے تو ہم کو اس کا فائدہ ہوگا ورنہ علم کو صرف اپنی یادداشت میں رکھنا، کتابوں میں بند رکھنا، یہ علم کو بیکار کر دینا ہے، اور علم سے فائدہ نہیں اٹھانا، تو جیسے دولت کی بات ہم نے آپ سے کہی کہ تجوری میں کتنی ہی رقم رکھی رہے اگر آپ اس کو استعمال نہیں کرتے تو آپ کو کچھ کام نہیں آسکتی، سوائے یہ کہ آپ خوش ہو رہے ہیں کہ ہمارے پاس اتنی دولت ہے، اس دولت کا فائدہ کیا ہے؟ اس دولت کو

جب آپ استعمال نہیں کریں گے، آپ کو فائدہ نہیں ہوگا۔

بے عملی نقصان دہ ہے:

اسی طرح علم کا معاملہ بھی ہے کہ جو علم آپ نے حاصل کیا ہے یا حاصل کریں گے، اگر آپ اس کو استعمال نہیں کرتے، عمل میں نہیں لاتے تو علم بیکار ہے آپ کے لئے، بلکہ وہ نقصان دہ بھی ہے، اس لئے کہ وہ ہمارے خلاف دلیل بنے گا، یہ کہا جائے گا کہ تم کو جو یہ بات معلوم تھی اس پر تم نے عمل کیوں نہیں کیا، ہمارے پاس کیا جواب ہوگا، ہم سے پوچھا جائے گا کہ تم کو بتایا گیا تھا کہ سچ بولنا، جب تمہیں معلوم تھا کہ سچ بولنا اچھا کام ہے تو کیوں سچ نہیں بولے؟ تم سے کہا جائے گا کہ تم جو علم حاصل کرتے ہو وہ اللہ کی رضا کا سبب ہے، اس سے جنت حاصل ہوتی ہے، جب تمہیں معلوم تھا تو تم نے عمل کیوں نہیں کیا؟ وہ ہمارے خلاف حجت بنے گا۔

قرآن مجید آدمی کے لئے مفید بھی اور اس کے خلاف حجت بھی:

قرآن مجید کے بارے میں آتا ہے وہ آدمی کے لئے مفید بھی ہے اور اس کے خلاف حجت بھی بنے گا، جو لوگ قرآن مجید کا علم حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل نہیں کرتے تو قرآن ان کے خلاف حجت ہوگا یعنی دلیل بنے گا اس بات کی کہ تجھے معلوم تھا پھر بھی عمل نہیں کیا، آپ سے بتا دیا گیا ہے کہ آگے گڑھا ہے، سنبھل کر چلو تو تم کیوں سنبھل کر نہیں چلے؟ تم نے بات نہیں مانی، تم سے کہا گیا تھا کہ اندھیرا ہے، تمہیں معلوم ہے آگے گڑھا ہے، سنبھل کر چلو، کہیں گڑھے میں نہ گر جاؤ، پھر بھی آپ اکڑتے ہوئے چلے جارہے ہیں اور کوئی پروا نہیں ہے پھر گڑھے میں گر گئے تو کیا کہا جائے گا؟ اچھا ہوا کہ اس کو سزا ملی، اس کو بتا بھی دیا گیا تھا کہ گڑھا ہے پھر کیوں احتیاط نہیں کیا۔

تقویٰ کیا ہے؟

اللہ اور اس کی بتائی باتوں میں احتیاط جو بتائی گئی ہے اسی کو "تقویٰ" کہتے

ہیں، ''تقویٰ'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ دیکھ بھال کر چلیں کہ کہیں میرا عمل اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں ہے، کوئی کام کرنے جائیں تو سوچیں کہ اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں؟ اس سے ہمیں آخرت میں کوئی نقصان تو نہیں ہوگا؟ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی تو نہیں ہوگی؟ اس کو دیکھ کر ہم کریں، یہ تقویٰ ہے۔

قرآن مجید کتاب ہدایت اور معلم انسانیت ہے

قرآن مجید میں دیکھ لیجئے، کہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، معلم ہے، وہ ہم کو سکھاتا ہے اور بتاتا ہے کہ تمہارے لئے کیا چیز مفید ہے کیا چیز تمہارے لئے مضر ہے، کیا اچھا ہے کیا برا ہے، حضور کو بھی یہی معلم ملا تھا، اللہ تعالیٰ نے اس معلم کو قائم رکھا، قیامت تک کے لئے اس کی حفاظت کا وعدہ فرمایا کہ آپ کے ماننے والے سب اس معلم سے فائدہ اٹھائیں، قرآن مجید ہمارے لئے معلم ہے، اسی طرح حدیث شریف بھی، جو اللہ کے کلام کی نقل ہے، نیابت ہے، وہ بھی ہمارے لئے معلم ہے، تو اللہ نے ہم کو دو معلم دئے، غیب سے دئے، اور یہ ہم اپنی عقل سے نہیں عبرت سے حاصل کر سکتے تھے جو غیب کی باتیں ہم کو اللہ نے بتائی۔

عربی سیکھنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے اسے حاصل کرنا:

بھائیو! آپ کو یہ سعادت حاصل ہے کہ آپ قرآن وحدیث کا علم حاصل کر رہے ہیں اور اس کے ساتھ دوسرے علوم بھی حاصل کر رہے ہیں وہ بھی قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لئے معاون ہیں، اس لئے کہ قرآن مجید اللہ کا کلام ہے، اس میں ایسے ایسے پہلو ہیں، معجزاتی پہلو، اس کو اچھی طرح سمجھنے کے لئے آدمی کو ذہانت اور صلاحیت کی ضرورت ہوتی ہے، پہلی صلاحیت یہ کہ آپ عربی اچھی طرح جانتے ہو کیوں کہ وہ عربی زبان میں ہیں، تو عربی اس لئے پڑھائی جاتی ہے کہ آپ قرآن وحدیث کو زیادہ بہتر طریقے سے سمجھ سکیں اور فائدہ اٹھائیں اور عربی سیکھنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہے جیسے نحو وصرف یہ سب پڑھنا ہوتا ہے تا کہ آپ قرآن وحدیث سے ٹھیک طریقے سے

فائدہ اٹھاتے ہوئے اس سے استفادہ کریں، الحمدللہ اس کا انتظام آپ کی درسگاہ میں ہے اور دوسری درسگاہوں میں بھی ہیں، آپ یہاں اس لئے آئے ہیں کہ قرآن وحدیث کو اچھی طرح سمجھ سکیں، پھر یہ کہ عربی تنہا اپنی فہم سے نہیں بلکہ اپنے اساتذہ کے توسط اور ان کی رہنمائی میں ان کو سمجھیں۔

قرآن کی صحیح فہم کے لئے استاذ کی ضرورت:

آپ دنیا میں دیکھیں گے کہ جس نے بغیر استاذ کی رہنمائی کے قرآن مجید کو پڑھا وہ بہک گئے اور صحیح راستہ سے بھٹک گئے، اور جن لوگوں نے قرآن وحدیث کو صحیح اساتذہ سے پڑھا جو خالص ہو اور اس فن میں مہارت رکھتے ہوں اور تقوی بھی ان میں ہو تو آپ بہکنے سے بچ جائیں گے، آپ غلط سمجھنے سے بچ جائیں گے۔

اس لئے بھائیو! سمجھ سمجھ میں فرق ہوتا ہے ایک معمولی مثال ہے آپ دیکھ رہے ہیں کہ ایک بڑا آدمی ایک لڑکے کو مار رہا ہے آپ نہیں جانتے کہ وہ کون ہے؟ اب آپ سوچیں گے کہ یہ بڑا ظالم ہے، بہت ہی دردناک طریقہ سے مار رہا ہے اور غصہ سے ڈانٹیں گے کہ کیوں مار رہا ہے؟ لیکن چونکہ آپ کو یہ نہیں معلوم بڑا آدمی کون ہے اور وہ بچہ کون ہے؟ ہوسکتا ہے باپ بیٹا، ہوسکتا ہے استاذ شاگرد ہو، ہوسکتا ہے کہ دوست دشمن بھی ہو اب جو بات بھی ان میں ہوگی اس سے مطلب بدل جائے گا، اگر باپ بیٹے کو مار رہا ہے، تو کیاں مار رہا ہے؟ ظاہر ہے کہ ظلم نہیں کر رہا ہے، بیٹے سے محبت ہوتی ہے، باپ بیٹے کو ظالمانہ طور پر تھوڑی مارے گا، لیکن اگر غیر ہے تو آپ کہیں گے کیوں مار رہا ہے؟ کیا حق ہے اس کو مارنے کا؟ اگر استاذ شاگرد کو مار رہا ہے تو آپ سوچیں گے کہ اس میں کوئی علمی غلطی ایسی ہوئی ہوگی کہ اس کو تنبیہ کی ضرورت ہے، اس لئے استاذ اس کو مار رہا ہے، فرق ہوگا کہ نہیں ہوگا؟ تو جب آدمی استاذ کے ذریعہ سے اور ماہر فن کے ذریعہ سے علم حاصل کرتا ہے تو بات کو صحیح سمجھنے میں مدد ملتی ہے، ورنہ وہ غلط بات سمجھتا ہے اس لئے آپ دیکھو گے کہ قرآن وحدیث کو بغیر اساتذہ کے حاصل کیا، عربی دانی سے اس کو پڑھ لیا، کوئی

استاذ جو قرآن وحدیث کا ماہر ہو وہ نہیں ملا تو اس سے غلطیاں ہوئی ہیں، تاریخ میں اس کی مثالیں ہیں ڈھونڈنے سے مل جائے گی، ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جو منحرف ہو گئے، حالانکہ انہوں نے قرآن مجید کا بہت مطالعہ کیا، ایک صاحب ہمیں ملے کہنے لگے کہ مولانا میں قرآن مجید پڑھتا ہوں اور روتا ہوں، ان کے متعلق معلوم تھا کہ وہ غلط مطلب سمجھ جاتے ہیں، اس لئے کہ کسی اچھے استاذ سے اس کو حاصل نہیں کیا، تو آپ لوگوں کو یہ خصوصیت اور شرف حاصل ہے کہ آپ اچھے اساتذہ سے قرآن وحدیث کا علم حاصل کر رہے ہیں، یہ جو آپ علم حاصل کر رہے ہیں وہ قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنے کا ذریعہ ہے، گویا کہ آپ جو کچھ پڑھ رہے ہیں قرآن فہمی کے لئے پڑھ رہے ہیں، حدیث فہمی کے لئے پڑھ رہے ہیں، اس کے بعد انشاء اللہ آپ میں وہ صلاحیت پیدا ہوگی کہ آپ حدیث کو پھر براہِ راست سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔

علم کی مثال دولت کے مانند ہے:

علم جو آپ کو ملا ہے دولت کے مانند ہے، دولت کو استعمال میں نہیں لاتے تو بیکار ہے، قرآن مجید کا علم آپ کو حاصل ہو گیا، اللہ کے احکام معلوم ہو گئے، اچھے برے کا فرق معلوم ہو گیا، اس کے بعد آپ اس کو استعمال کرتے، حق بات نہیں اختیار کرتے، باطل سے بچ نہیں رہے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ جو کچھ آپ نے علم حاصل کیا وہ آپ کا بیکار گیا، اس سے کچھ حاصل نہیں ہوا، اور ایسا ہوتا ہے بعض لوگ پورا علم دین حاصل کرتے ہیں اور دنیا میں ایسے رچ بس جاتے ہیں کہ وہ سارا علم ان کا بیکار ہو جاتا ہے، اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔

اپنے علم کو عملی بنائیے:

اب آپ لوگ علم حاصل کر رہے ہیں تو اس علم کو عملی بنانے کی ضرورت ہے، عملی کیسے بنے گا؟ یا تو آپ معلم بنیں اور اس علم سے دوسروں کو فائدہ پہونچائیں یا داعی بنیں اور علم کو دوسروں تک پہونچائیں اور دوسروں کو سکھائیں تو یہ علم کا صحیح استعمال ہوا، خود بھی

عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل کی ترغیب دینے کی آپ کوشش کریں، اس علم کو آپ پھیلائیں تب آپ کا علم مفید ہوگا، اور اگر علم حاصل کرنے کے بعد آپ نے اس کو ایک طرف رکھ دیا، تجوری میں بند کر دیا یہ جو تجوری آپ کے دماغ میں ہے گویا کہ علم دماغ میں تو آ گیا، لیکن آپ اس کو نکالتے نہیں، استعمال نہیں کرتے تو کیا فائدہ؟ تو اس بات کو دھیان میں رکھیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو توفیق دی کہ آپ علم دین حاصل کریں تو اس علم دین کو آپ استعمال بھی کریں، خود بھی اس سے فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائیں تو آپ کامیاب رہیں گے، ورنہ صرف ناکام ہی نہیں ہوگا بلکہ آپ سے قیامت میں اللہ کے سامنے جواب دہی ہوگی کہ ہم نے تم کو علم عطا کیا تھا، ہم نے تم کو موقع دیا تھا کہ تم کو علم دین حاصل ہو جائے، تم نے اس کو حاصل کیوں نہیں کیا اور اس پر عمل کیوں نہیں کیا؟ تمہارے خلاف حجت بن جائے گا، اس لئے آپ اللہ کا شکر ادا کریں اور شکر یہی ہے کہ جو آپ علم حاصل کر رہے ہیں اس علم سے آپ دوسروں کو بھی فائدہ پہونچائیں اور خود بھی فائدہ اٹھائیں، اس وقت اس بات کی ضرورت بہت زیادہ ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے واقعات میں رہنمائی:

آپ نے انبیاء علیہم السلام کی باتیں پڑھی اور قرآن میں آپ پڑھیں گے، انبیاء کے قصے بیان کئے گئے ہیں، قوموں کے قصے بیان کئے گئے ہیں، اس میں کیا بات بتائی گئی ہے، قصہ کہانی نہیں ہے وہ، وہ تو رہنمائی کے لئے ہیں کہ دیکھو ایسا ایسا لوگوں نے کیا ہے تو تم نہیں کر سکتے وہ غلطی، انہوں نے کی ہے، تم وہ غلطیاں نہیں کر سکتے، ورنہ ان کو جو سزا ملی تھی تم کو بھی وہ سزا مل سکتی ہے، خاص طور پر بنی اسرائیل کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑا اعزاز عطا فرمایا تھا، حضرت ابراہیم علیہم السلام کی اولاد میں تھے، اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو قبول کر لیا تھا، فرمایا: "وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا"، اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا کتنی بڑی بات ہے، اللہ تعالیٰ ان کو دوست کہہ رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد پر بھی کرم فرمایا، اولاد کو بھی بہت اونچے درجات عطا فرمائے اور

یہ بھی کہا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اتنا اعزاز دیا ہے وہ یونہی نہیں ہے، بلکہ سمجھ بوجھ کر کے دیا ہے، لیکن وہی بنی اسرائیل جب انہوں نے نافرمانیاں کیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انہوں نے اس وقت نافرمانیاں کیں جب علم آچکا تھا، تورات آچکی تھی اس کے بعد بھی انہوں نے نافرمانیاں کی، ان کو جب بتادیا گیا کہ یہ اچھا یہ برا ہے پھر بھی نہیں مانا تو فرمایا کہ ہم ان کو ذلیل کردیں گے، اب یہ ہمیشہ کے لئے ذلیل ہوگئے۔

اللہ تعالیٰ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں

اللہ تعالیٰ کی کسی سے کوئی رشتہ داری نہیں ہے، فرمایا: ﴿لَیْسَ بِاَمَانِیِّکُمْ وَلَآ اَمَانِیِّ اَھْلِ الْکِتَابِ مَنْ یَّعْمَلْ سُوْءً یُّجْزَ بِہٖ﴾ (سورہ النسا:۱۲۳) نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلے گا اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے کام چلے گا، جو برا کام کرے گا اس کو سزا ملے گی، یہ کیوں کہا، قرآن مجید نے یہ کیوں کہا، تاکہ یہ قیامت تک لوگوں کے سامنے رہے، قیامت تک لوگ سمجھیں اس بات کو کہ اللہ تعالیٰ کی کسی کے ساتھ کوئی رشتہ داری نہیں ہے، عمل کروگے تو اللہ تمہیں نوازے گا، عمل نہیں کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے گا۔

وقت کی اہم ضرورت:

اس وقت مسلمانوں کی صورتحال بہت قابل فکر ہے اور اس کے لئے بڑی ضرورت ہے کہ ایسے لوگ تیار ہوں، جو لوگوں کو متنبہ کریں اور لوگوں کو صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کریں، قرآن وحدیث کی روشنی میں ان کی اصلاح کی کوشش کریں، ورنہ غلط رہنمائی ہوگی، دیکھئے! آج بہت سے لوگ اہل بدعت ہے، طرح طرح کی چیزیں گڑھ لی ہیں اور اس کو یہ لوگ اچھے کام سمجھتے ہیں، ان کے سمجھ لینے سے وہ کام اچھے تھوڑے ہی ہوجائیں گے، اچھے وہ ہیں جو قران وحدیث کی روشنی میں اچھے ہوں، جو کام قرآن وحدیث کے مطابق ہیں وہ اچھے کام ہیں اور جو کام قرآن وحدیث کے مطابق نہیں، آدمی نے اس کو اپنے دماغ سے اچھا بنالیا ہے چاہے وہ دیکھنے میں کتنے ہی اچھے معلوم ہوتے ہوں وہ اچھے نہیں ہیں، اس وقت مسلمانوں کے حالات بہت قابل فکر ہیں اور ڈرنے کے

ہیں، تاریخ بتاتی ہے ہم کو کہ مسلمان کئی مرتبہ ان حالت سے گزرے ہیں کہ ان کو سزائیں ملیں، بغداد کی تباہی ہے، اندلس کی تباہی ہے، یہ سب یونہی تھوڑی ہوئی ہے بلکہ حالات بہت خراب ہو گئے تھے، اللہ کی نافرمانی بہت بڑھ گئی تھی تو اللہ نے انہیں سزادی، تو کسی کا استثناء نہیں ہے، ہم لوگوں کو اس بات کی فکر کرنی چاہئے کہ ہماری دینی حالت ایسی ہو کہ اللہ کے عذاب سے ہم محفوظ رہیں، اللہ کی پکڑ نہ ہو، اللہ تعالیٰ ہم کو نواز دے، اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت رحم ہے، بہت جود و سخا ہے وہ بندے کو دیکھتا ہے کہ بندہ اللہ کی رضا کے کام کرنے کی کوشش کر رہا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو برکتوں سے نواز دیتا ہے، اس کو نعمتوں سے نواز دیتا ہے، لیکن اگر اللہ کی نافرمانی ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا، جب انسان نافرمانی میں حد سے بڑھ جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سزا دیتا ہے۔

ہماری ذمہ داری:

بھائیو! آپ لوگوں پر بڑی ذمہ داری ہے، ایک طرف تو آپ کو اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ اس نے آپ کو ایسے راستہ پر ڈالا جہاں اس کی رضا حاصل کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے، اللہ نے ہم کو رہنمائی دی ہے، ہم جو فائدہ اٹھا سکتے ہیں دوسرے نہیں اٹھا سکتے، یہ تو اللہ کے شکر کی بات ہے پھر صرف شکر ادا کرنا کافی نہیں ہے، ذمہ داری عائد کی ہے، ذمہ داری یہ ہے کہ ہم خود عمل کریں اور دوسروں کو بھی بتائیں تاکہ وہ صحیح راستہ سے ہٹے نہیں اور وہ لوگ وہ طریقہ حاصل کریں جس سے اللہ کی رضا حاصل ہوتی ہے، اللہ کی رضا حاصل ہو گی تو زندگی سنور جائے گی، اور برکت پیدا ہو جائے گی، جب برکت ہوتی ہے تو آدمی کے دل کو سکون حاصل ہوتا ہے، اندر کی روح مطمئن ہوتی ہے، تو اندر کی جو تکلیف ہے ظاہر ہے اس کو دیکھ کر پتہ نہیں چلتا لیکن اس سے پوچھو جس کو تکلیف ہے کہ وہ کیسی اذیت میں ہوتا ہے، اگر اللہ کی خوشنودی نہ ہو تو دل کو سخت اذیت ہوتی ہے، اور اللہ کی خوشنودی حاصل ہو تو برکت حاصل ہوتی ہے، دل کو سکون حاصل ہوتا ہے، لیکن آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ اللہ نے آپ پر یہ کرم فرمایا کہ آپ کو قرآن وحدیث کا علم حاصل کرنے کا موقع

عطا فرمادیا، جب آپ کو اس راستہ پر ڈال دیا تو آپ پر یہ ذمہ داری عائد ہوگئی کہ آپ قرآن مجید کے علم کے صحیح طریقہ سے حاصل کریں یہ پہلی ذمہ داری ہے، دوسری ذمہ داری یہ کہ خود بھی عمل کریں اور دوسروں کو پہنچائیں، اور لوگوں کو صحیح راستہ پر لانے کی کوشش کریں، اس میں اللہ کی خوشنودی بھی حاصل ہوگی اور آپ کو کامیابی بھی حاصل ہوگی۔

میں اس سے زیادہ عرض کرنا مناسب نہیں سمجھتا اور میں خود اقرار کرتا ہوں کہ یہ میرے بس کی بات نہیں ہے، محض اللہ کا فضل ہے، اس نے کہلوایا اس نے یہاں پہنوایا اور آپ حضرات سے ملایا، اللہ کے نام پر جمع ہونے کے دو فائدے ہیں، ایک تو فرشتوں کی صحبت حاصل ہوئی، دوسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل ہوگی کہ اللہ کے نام کے لئے جمع ہوئے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائیں۔ یہاں آنے کو قبول فرمائے اور اس مدرسہ کے منتظمین کو بھی اجر عطا فرمائیں کہ انہوں نے یہ انتظام کیا ورنہ اتنے لوگ جمع نہ ہوتے اور علم کا چرچا نہ ہوتا کہ جتنے لوگ فارغ ہوئے انہیں سندیں ملیں گی، ان کو یہ اعزاز ملا کہ اللہ کا علم انہوں نے حاصل کیا ہے، اللہ کی بتائی ہوئی باتیں انہوں نے حاصل کی ہے، یہ ان کو اعزاز ملا ہے۔

احسان صرف استادوں کا نہیں انتظامیہ کا بھی ہے

یہ منتظمین کا احسان ہے، ہمیں ان کا احسان ماننا چاہیے، ہمیں اپنے استاذوں کا احسان ماننا چاہئے کہ جن سے آپ نے یہ علم حاصل کیا، منتظمین کا احسان ماننا چاہئے کہ انہوں نے علم حاصل کرنے کا موقع دیا، جو موقع آپ کو نہیں مل سکتا تھا، تو یہ حضرات آپ کے شکریہ کے مستحق ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو اجر عطا فرمائے گا۔

مفتی احمد صاحب خان پوری کی شخصیت کی قدر کیجئے

حقیقت یہ کہ آپ لوگ حضرت مفتی احمد خانپوری صاحب کی نصیحت کو سنتے، صرف آپ ہی نہیں بلکہ ہم سنتے اور فائدہ اٹھاتے، گجرات میں ان کی شخصیت اللہ والی اور بزرگ شخصیت ہے، آپ لوگ ان سے جو فائدہ اٹھا سکتے ہیں ضرور اٹھانا چاہئے، ہم بھی فائدہ اٹھانے کا شوق رکھتے ہیں اور ہم نے عرض بھی کیا تھا کہ وہ کچھ فرمائیں لیکن انہوں

نے معذرت کی، ورنہ میں بھی ان کی باتوں سے فائدہ اٹھاتا۔

مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی کا کام اور مقام

میں شکرگزار ہوں حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب کا کہ انہوں نے مجھ کو یہ موقع عطا فرمایا اور میں یہاں حاضر ہوا اور میں نے یہ منظر دیکھا اور میں شریک ہوا آپ لوگوں کی اس مبارک مجلس میں شرکت کی سعادت بلکہ شرف حاصل ہوا، یہ مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی کی محبت ہے وہ مخلصانہ تعلق رکھتے ہیں، اور دعوت دیتے ہیں اور یہاں اس سے پہلے بھی حاضری کی سعادت حاصل ہوئی ہے یہ ان کا عظیم کارنامہ ہے کہ اتنا عظیم ادارہ قائم کیا۔ وہ ملی دینی علمی ادبی کاموں میں نہ صرف حصہ لیتے ہیں۔ بلکہ اس میں نمایاں کردار ادا کرتے ہیں، اور ان کے مشوروں سے ہم سب فائدہ اٹھاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو اجر عطا فرمائے، اس مدرسہ کو، اس جامعہ کو اللہ تعالیٰ مزید ترقیات عطا فرمائے، اسی پر میں اکتفا کرتا ہوں۔

وآخر دعوانا عن الحمد للّٰہ رب العالمین۔

خلافت فی الارض کا مطلب اور حقیقت

ہندوستان کی معروف و قدیم دینی درسگاہ ''جامعہ اسلامیہ ڈابھیل'' گجرات کے جلسۂ دستار بندی منعقدہ ۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ میں کی گئی اہم اور بصیرت افروز تقریر جو نظرِ ثانی کے بعد پیش کی جا رہی ہے۔ اس جلسہ میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ، مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی، مولانا مفتی احمد صاحب خان پوری، جامعہ کے مہتمم مولانا محمد سعید بزرگ سملکی مولانا عبداللہ جھانجھی اور اطراف و مضافات کا منتخب مجمع موجود تھا۔ .... سید سحبان

الحمد للہ رب العالمین و الصلوٰۃ و السلام علی سید المرسلین و خاتم النبیین محمد و علی آلہٖ الطیبین الطاھرین و صحابہٖ الغُرِّ المیامین و من تبعھم باحسانٍ و دعا بدعوتہ الی یوم الدین! اما بعد

میں آپ ہی جیسا طالب علم ہوں

بھائیو، دوستو، عزیزو! مجھ کو ذمہ داروں نے بلند جگہ بٹھا دیا ہے، ورنہ میں آپ ہی کی صف کا ایک آدمی ہوں آپ بھی طالب علم ہیں، میں بھی طالب علم ہوں جیسے درجہ اول، درجہ دوم، درجہ سوم اور آگے کے مراحل ہوتے ہیں۔ اسی طرح فارغ ہونے کے بعد بھی جیسے جیسے استعداد و صلاحیت بڑھتی جاتی ہے، درجات بڑھتے جاتے ہیں اور مقام بلند ہوتا جاتا ہے، فارغ ہونے والوں کو خاص طور پر سے یہ مرحلہ پیش آتا ہے، کہ جہاں وہ تعلیم حاصل کرتے ہیں، وہاں سے ان کو رخصت ہونا پڑتا ہے۔ یہ ایک طرح سے مفید بات بھی ہے کہ اب کام کا میدان ملتا ہے، اور نئے مرحلہ کا آغاز ہوتا ہے۔

علم بحرِ زخار ہے

علم کا معاملہ یہ ہے کہ علم بحرِ زخار ہے، پوری زندگی صرف کرنے کے بعد بھی علم پوری طرح حاصل نہیں کر سکتے، ہوسکتا ہے کہ آدمی اپنی ضرورت کے مطابق علم حاصل کر لے، مدارس کا نصاب پہلے ایک دیندار عالم ایک باعمل عالم اور بناتا ہے۔ اور پھر ایک کارگزار اور سماج کے لئے مفید عالم بناتا ہے۔ کہ خود دیندار بننے کے ساتھ دوسروں کو بھی دیندار بنانا بھی ذمہ داری ہے، قرآن وحدیث اور فقہ کی تعلیم کے ذریعہ یہ بات کسی صورت میں حاصل ہوتی ہے، اور قرآن وحدیث کو صحیح سمجھنے کے بعد عربی زبان وادب اور نحو وصرف، بلاغت اور بعض حیثیتوں سے تاریخ وجغرافیہ کی بھی ضرورت پڑتی ہے، پھر جو محنت کرتا ہے وہ اختصاص کی تعلیم حاصل کرتا ہے جیسے جس نے فقہ کی تعلیم محنت سے حاصل کی، اور اس کی طرف خصوصی توجہ دی واس میں اختصاص پیدا کرتا ہے، اور ترقی کرتا ہے، اور وہ صلاحیت پیدا کرتا ہے کہ سوالات اور استفسارات کے جوابات دے، اور دوسروں کو مطمئن کرے، اس کے لئے برابر مطالعہ، اور حالات کے تغیر سے جو نئے مسائل سامنے آرہے ہیں ان کا حل تلاش کرے اور اس کے مصادر سے استفادہ کرے، اور ان مشکلات کو دور کرے جو سامنے آرہی ہیں اور سمجھا جارہا ہے کہ اس کا اسلام حل نہیں پیش کر سکتا ہے۔ یہ دین اسلام ہمیشہ کے لئے ہے، اور قرآن مجید بھی ہمیشہ کے لئے ہے اور پوری انسانیت کے لئے ایک رہنما کتاب ہے، اور حضور ﷺ کی نبوت اور بعثت پوری انسانیت کے لئے اور ہمیشہ کے لئے ہے، آپ ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ کے اسوہ میں اس کا پورا حل موجود ہے، لیکن صرف کہہ دینا کافی نہیں اس کے لئے بڑا مطالعہ اور حالات کے مطالعہ کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔

دین ہم تک کیسے اور کن سے پہنچا

جہاں تک دوسرے فنون کے لوگوں کا تعلق ہے، ان کو بھی اسی طرح اس میں توجہ اور محنت سے کام لینا پڑتا ہے، اس لئے کہ قرآن مجید، اور حدیث نبوی اور تاریخی

حقائق پر ایسے شبہات پیدا کیے جاتے رہے ہیں کہ جس سے یقین پر اثر پڑے اور اپنے دینی ذخیرہ اور دینی شخصیات پر سے اعتماد کمزور ہو خاص طور پر جن کے ذریعہ ہم تک دین پہونچا اور رسول اللہ ﷺ سے دین کو اپنے فہم وعمل سے پوری طرح لے کر بے کم وکاست بعد کے لوگوں کو پہنچانے والے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ قرآن مجید میں ان کی تعریف کی گئی، پھر سلف صالحین کا دور ہے اور ائمہ فقہ اور ائمۂ حدیث کا زمانہ اور ان کی خدمات ہیں۔ جن کو اللہ تعالیٰ نے دین وشریعت کی تفہیم اور ترویج کے لئے منتخب فرمایا۔ آج کوئی اٹھتا ہے اور کہتا ہے کہ ان میں یہ کمی تھی وہ کمی تھی، اور ہماری طرح کے لوگ تھے تو یہ خطرہ کی بات ہے۔ وہ جس زمانہ کے تھے اس زمانہ کے تقاضوں اور ضرورت کے لحاظ سے اللہ نے ان کو اس زمانہ میں رکھا اور اس دور کا جو کام تھا وہ ان سے لیا، اختلاف آراء کے عمل سے جو بہت سی باتیں سامنے آئیں ان سے بھی ایسے مسائل حل ہوئے کہ وہ باتیں اس وقت نہ ہوتیں تو آج ان کا حل ہمارے سامنے نہیں ہوتا، اس لئے خیر القرون کی شخصیات اور ان کی خدمات سے مستغنی ہو کر آج کے حالات میں مسائل کا حل ڈھونڈنا صحیح نہیں ہوگا، لیکن اس کے ساتھ اپنا جدید مطالعہ بھی رکھنا ہوگا کہ آج کے حالات ہم سے کیا رہنمائی چاہ رہے ہیں، اس لئے ہمارے فضلاء کی۔ بڑی ذمہ داری ہے وہ اس کی طرف بھی توجہ دیں، ہم میں سے ہر ایک طالب علم ہے، اور جو بھی پڑھنے پڑھانے سے تعلق رکھتا ہے وہ طالب علم ہے، اس لئے کہ کتابوں سے برابر رجوع کرنا پڑتا رہتا ہے۔ اس لئے جو علم کے راستہ میں آتا ہے پھر وہ علم کے راستہ میں ہمیشہ رہتا ہے۔ راستہ بدلنا اس کے لئے صحیح نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے یہ راستہ منتخب فرمایا اور اس نے اس راستہ پر اس کو ڈالا، اللہ تعالیٰ نے وہ راستہ جو اپنے منتخب بندوں کے لئے وہ طے کرتا ہے اس کے لئے طے کیا۔ اب اس سے ہٹنا اور دوسرا راستہ اختیار کرنا یہ ایک طرح کی ناشکری ہے۔ مانا وہ شخص جو شروع سے دوسرے فنون کے علم صنعت تجارت، ڈاکٹری، انجینئری، علم الطبعیات، سائنس وغیرہ میں لگا، اور عصری ودنیوی ترقی کے راستہ کے علم میں وہ لگا تو اس کو اس راستہ کے ذریعہ اللہ

کی طرف پہنچنے کا راستہ طے کرنا چاہئے، اور ان علوم اور سائنس وغیرہ کے ذریعہ بہت سے ایسے حقائق اور معلومات سے واقف ہو جاتا ہے کہ اس میں غور کرنے سے وہ اللہ کی معرفت خاص کر سکتا ہے اور دوسروں کو اللہ سے جوڑنے کی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے، لیکن اس کے لئے نیت اور مقصد کی درستگی پہلا عمل ہے۔ ورنہ نیت اور مقصد صحیح نہ ہونے سے صحیح عمل اور خاص دینی عمل کے ذریعہ بھی انسان کو اللہ کا تقرب حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اصل چیز جو انسان کو دوسرے انسانوں سے ممتاز کرتی ہے وہ محنت سے علم اور عقل تو سب انسانوں کو اللہ نے دیا اور اس کے ذریعہ انسان کو دوسری مخلوقات سے ممتاز کیا۔ انسان انسان سے صحیح عمل اور محنت اور صحیح مقصد کے ذریعہ ممتاز ہوتا ہے۔ اصل اپنی محنت ہے۔ جتنی محنت طالب علم کو کرنی چاہئے، وہ نہیں کرتا تو اس کا حوصلہ پست ہو جاتا ہے۔ اور اس کو اپنے راستہ میں اطمنان اور اعتماد نہیں رہتا، اور ناشکری پیدا ہو جاتی ہے، جس کے غلط نتائج سامنے آتے ہیں۔

ہر چیز طے شدہ اور مقرر ہے

اللہ تعالیٰ نے یہ کائنات بنائی ہے۔ اس سے پہلے یہ طے کر دیا کہ یہ کائنات ایسی ہوگی اور اس میں یہ یہ ہوگا، اسی کے مطابق سب چل رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کے فیصلے کے مطابق سب ہو رہا ہے، اور ہوتا رہے گا، اللہ تعالیٰ نے "الکتاب" میں کہا ہے کہ اللہ نے کائنات بنانے سے پہلے سب کچھ پہلے سے طے کر دیا، فرمایا ﴿مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (انعام: ۳۸) (کہ الکتاب میں ہم نے ساری جزئیات وتفصیلات لکھ دی ہیں کچھ چھوڑا نہیں)

تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں پڑھنے کے لئے بھیجا، آپ جس خاندان میں پیدا ہوئے، اللہ نے وہاں پیدا کیا، آپ مسلمان گھرانہ میں پیدا ہوئے، اور جس علاقہ میں پیدا ہوئے سب اللہ کی طرف سے ہے، پھر یہ زمانہ دیا، اور آپ کے اسلاف کو جو زمانہ دیا وہ ان کے اعتبار سے تھا، اس زمانہ میں ہم کو اور آپ کو رکھا اور اللہ تعالیٰ نے زمانہ کے حالات

کے مطابق صلاحیتیں دیں۔اس لئے جو جس دور میں ہے اس کو اس دور کی صلاحیتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ایسا نہیں ہے کہ دنیا باغ ہے باغ میں گئے اور پھل کھا کر ٹہل کر واپس آگئے، یہ دنیا کارخانہ ہے، اور اللہ کا کارخانہ ہے۔کارخانہ کا مالک جو چاہے گا کارخانہ والوں کو ویسا کرنا ہوگا، جب کام کے مطابق مزدور نہیں کرے گا، اجرت ویسی نہیں ملے گی، ہم جب اللہ کی مرضی اور منشا کا خیال نہیں رکھیں گے تو اس کی طرف سے اجر وثواب کے کیسے مستحق ہوں گے؟

اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کو آزمائش سے گزارتا ہے

رسول اللہ ﷺ اللہ کے حبیب اور آخری نبی تھے، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے سب کچھ یوں ہی دے دیتا، لیکن اللہ نے حالات سے اور دشواریوں سے گذارا، امتحانات سے گذارا، ہجرت کرائی، وطن چھوڑوایا ، اور آپ ﷺ کے ساتھیوں سے بھی قربانی لی، خاندان کی، جائداد کی، کاروبار کی سب قربانی لی، اور جہاد کرایا، سخت ترین جہاد پھر غیب سے مدد بھی پہونچائی، ورنہ سب کچھ یوں ہی ہو جاتا اور کچھ کرنا نہ پڑتا، خیموں اور جنگوں میں جانا نہ پڑتا۔آپ کے دندانِ مبارک شہید بھی ہوئے، اپنے عزیز ترین چچا کا غم بھی اٹھانا پڑا، غم کوئی معمولی نہیں تھا جب چچا سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کے قاتل ایمان لائے تو ایمان ان کا مقبول کیا۔مگر بہانے سے منع کیا کہ چچا کی یاد آجاتی تھی اور یہ تکلیف ان کے لئے نقصان دہ ہوسکتی تھی۔وہ چچا صرف چچا ہی نہیں تھے بلکہ ان سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت فائدہ پہونچنے کی سب کو بڑی توقعات تھیں، تو یہ صدمات، غم، خوشیاں اور شکر وصبر کے مواقع اور حالات سب اللہ کی طرف سے ہوتے ہیں، اور ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے مراتب بلند کرتا ہے، اور دشواریوں کے بعد سہولت بھی پیدا کرتا ہے۔ سخت حالات اور نرم حالات لگے رہتے ہیں۔

انسان اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں اپنا نائب بنایا ہے، اور فرمایا ﴿اِنِّـي جَـاعِلٌ

فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً﴾ (البقرہ: ۳۰)

خلیفہ من مانی نہیں کرتا جس نے اسے خلیفہ بنایا اس کی منشا اور مرضی کے مطابق کام کرنا ہوتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے ہم کو اتنا ہی مکلّف کیا ہے جتنا ہم کر سکیں اللہ تعالیٰ نے جو صورت حال پیدا فرمائی ہے اس کا خیال رکھنا اور واقفیت بھی ضروری ہے۔ ہم جس دور میں اس کے خلیفہ ہیں اس دور کے تقاضوں اور ضروریات کو سمجھنا ضروری ہے، اور جس ملک میں ہیں اکثریت میں، یا اقلیت میں ہیں، اور جس زبان کے لوگوں کے درمیان ہیں، ہم وہاں ایک طرح سے مبعوث ہیں، مختلف طبقات اور مختلف مذاہب ہیں، ان میں ہمیں کام کرنا اور اپنی دینی و ایمانی ذمہ داری نباہنا بھی اولین فریضہ بنتا ہے کہ اس ملک کے لئے اور دین و شریعت کا مزاج سمجھنے کے لئے اس ادارے کا انتخاب کیا، کہ اللہ نے یہ راستہ ہمارے لئے بنایا ہے، اور اس جگہ کو ہمارے لئے چنا ہے اس کی قدر کرنی چاہئے، ہمارے علماء نے اپنے زمانہ کے فتنوں کا مقابلہ کیا، جس جس دور کے ہمارے علماء تھے اس دور کے چیلنجز کا انہوں نے مقابلہ کیا۔

زمانہ اور حالات کا خیال کر کے صلاحیت بنایئے

آپ کو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے زمانہ کے فتنے کیا ہیں، اور وقت کے تقاضے کیا ہیں، ان کو سمجھنا اور پھر ان کا مقابلہ کرنا اور اس کے لئے اپنی صلاحیت اس کے مطابق بنانا یہ سب ہمارے علماء، فارغین مدارس اور فضلائے مدارس کی ذمہ داریاں ہیں، اللہ تعالیٰ نے یوں ہی اتنی بڑی امانت، اپنی خلافت کی امانت نہیں دے دی، کہ ہمیں کچھ کرنا نہیں پڑے، بس ایک اعزاز کی طرح رہے، کہ بحیثیت انسان ہم اشرف المخلوقات ہیں اور بحیثیت مسلمان ہم خیر الامم ہیں، بحیثیت انسان کے ہماری ذمہ داریاں ہیں اور کام ہیں، دین یوں ہی نہیں پھیلا، اس کی حقیقت صحبت نبوی کی برکت کو سب سے زیادہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا تھا۔ حضرت ربعی بن عامر رضی اللہ عنہ کا واقعہ غیر معمولی اہمیت کا حامل واقعہ ہے، کہ رستم سپہ سالار اعظم ایران کے دربار میں بڑی بے نیازی سے داخل

ہوتے ہیں، اوران کی آنکھوں سے آنکھیں ملاکر کہتے ہیں کہ میں خود سے نہیں آیا ہوں دعوت پر آیا ہوں اور یہ باور کراتے ہیں کہ اللہ نے ہم کوایک مقصد کے لئے بھیجا، مبعوث کیا ہے،"اَللّٰہُ ابْتَعَثَنَا لِنُخْرِجَ مَنْ شَآءَ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ إِلَی عِبَادَةِ اللّٰہِ وَحْدَهٗ، وَمِنْ ضِیْقِ الدُّنْیَا إِلَی سَعَتِهَا وَ مِنْ جَوْرِ الْاَدْیَانِ إِلَی عَدْلِ الْإِسْلَامِ" (اللہ نے بھیجا ہے کہ ہم اسے جسے وہ چاہے بندوں کی بندگی سے نکال کر اللہ کی بندگی کی طرف لائیں، اور دنیا کی تنگی سے نکال کر اس کی فراخی ووسعت کی طرف لائیں اور مذاہب وادیان کے ظلم و جور سے نکال کر اسلام کے نظام عدل ومساوات کی طرف لائیں)۔

انہوں نے چند جملوں میں اسلام کا پورا نظام ایمانیات، نظامِ حکومت وسیاست اور نظام معیشت سب بتا دیا، اور جس کروفر میں وہ لوگ تھے اور جس نشہ وغرور میں تھے اس کی فنائیت اور بے حقیقی کو اپنے کردار سے واضح کردیا، تو جس کو جہاں خدمت دین کا موقع نصیب ہو، وہ وہاں اپنے کو اللہ کا خلیفہ اور امت مسلمہ کا نمائندہ وترجمان سمجھے اور اسلام کے صحیح مزاج وروح کے ساتھ اپنی بات اعلیٰ کردار کے ساتھ پیش کرے۔ فارغ ہو کر ایک جگہ سب کو نہیں رہنا ہے، جس کا اللہ نے جہاں رزق رکھا ہے، اور اس کے ذریعہ جہاں کام مقدر کیا ہے وہاں اس کا جانا طے ہے۔ وہ وہاں اپنے کو اللہ کی طرف سے مبعوث سمجھے، کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت تمام عالم کے لئے تمام قوموں اور تمام انسانوں کے لئے اور قیامت تک کے لئے ہے اور جو کام حضور ﷺ کو دیا گیا اور قرآن پاک عطا کیا گیا اس لئے اس امت کو یہ کام جہاں اللہ نے اس کو رکھا ہے اور اس کو جو صلاحیت دی ہے اور اس کے ذریعہ اس کا دائرہ عمل جہاں تک وسیع کیا ہے، وہ اس کا مکلّف ہے، اور اسی اعتبار سے اس سے اللہ کے یہاں پوچھ بھی ہوگی۔

ہدایت یوں ہی نہیں ملتی

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ ہم چاہتے تو سب کو ہدایت دے دیتے لیکن ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ ہمارے حکموں پر کون چلتا ہے، اور کون اپنی خواہشوں

پر چلتا ہے، جس نے اپنے کو اپنی خواہش پر چلنے سے روکا اور اللہ کی پسند کو اختیار کیا اس کو اللہ پسند کرے گا، اور جب اللہ کی پسند سے ہماری پسند ٹکرائے گی، ہم اللہ کی پسند کو اختیار کریں گے۔

من مانی زندگی کا انجام بہت خراب ہے

تو اپ کو یہ دیکھنا ہے کہ آپ کے زمانہ کے فتنے کیا ہیں، آپ کو اپنے وقت کے تقاضوں کو سمجھ کر اپنا میدان عمل بنانا ہے، اور اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یوں ہی نہیں بھیجا، وہ یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کے حکموں پر اور اس کی چاہت پر کتنا چلتا ہے۔ من مانی کی زندگی گزارنے والوں کا انجام خراب بتایا ہے، ان کے لئے تو بس یہی دنیا سب کچھ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

﴿وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ؕ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ۚ فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ﴾ (احقاف: ۲۰) (اور جس روز کافر لوگ آگ کے سامنے لائے جائیں گے کہ تم اپنی لذت کی چیزیں سب دنیا ہی میں حاصل کر چکے اور ان کا خوب مزہ اٹھا چکے، تو آج تمہیں ذلت کی سزا دی جائے گی، اس لئے کہ تم دنیا میں ناحق تکبر کیا کرتے تھے اور اس لئے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے)

حضرت مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں استمتاع سے مراد وہ لذت ہے جو آخرت فراموشی اور خدافروشی کی طرف لے جائے اور جس میں حلال وحرام کا کوئی امتیاز باقی نہ رہ جائے۔

اور جو "اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا" کی بات کہی اس میں بھی معنویت ہے کہ اس طرح اوندھے منھ تم ان دنیوی لذتوں پر جھکے اور گرے کہ اب عالم آخرت میں عیش سرمدی اور راحت ابدی اٹھانے کی اپنے میں صلاحیت ہی باقی نہ رہی، آیت میں بڑی عبرت ہے ان لوگوں کے لئے جو موجودہ فرنگی اور ترقی یافتہ قوموں کی

طرح دنیا اور لذات دنیوی ہی کو اپنی زندگی کا مقصود اور اپنی سعی کا منتہیٰ بنائے ہوئے ہیں۔

اور جہاں تک "تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ" کا تعلق ہے تو اللہ کی بنائی اور بسائی زمین پر چلتا پھرتا رہنا بسنا اور پھر پروردگار سے تکبر و بغاوت کرنا اور بھی مذموم ہے کبر و استکبار تو ناحق سرے سے ہی ہے لیکن بشری معیار اور تقاضے سے تو بالکل ہی باطل ہے کہ ایمان و اطاعت سے بے نیاز ہو کر محض دنیوی ترقیوں اور یہیں کے سامان فلاح و بہبود پر ناز کرتے رہنا کیسی حماقت کی بات ہے۔

جبکہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو زمین پر نائب اور خلیفہ بنایا تو اسے ہر چیز میں اپنے پروردگار کی مرضی اور منشاء اور پسند ناپسند کو سامنے رکھ کر زندگی گزارنی چاہئے، انسانی کام کو بھی اسی پر لانے کی کوشش کرنی چاہئے تھی اور یہ پسند اور ناپسند کی باتیں اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں اور کتابوں کے ذریعہ برابر اپنے بندوں تک پہنچاتا رہا۔ اور قرآن مجید کو ہمیشہ کے لئے کتابِ ہدایت بنا کر اتارا اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا۔ "اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ" (المؤمنون:۱۱۵) (کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو یوں ہی بے کار پیدا کر دیا ہے، اور تمہیں ہم تک لوٹ کر آنا نہیں ہے؟)

تو اللہ تعالیٰ نے کوئی بھی چیز بلا مقصد پیدا نہیں کی۔ اور انسان کی حیات دنیوی کا انجام بارگاہ الٰہی میں پیشی ہے، یہ جو صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے دی ہیں، عقل کی، فہم کی، علم کی اس سے کام کیوں نہیں لیا، اللہ تعالیٰ نے الگ الگ انداز سے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی، کہیں "اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ" کہ (عقل نہیں رکھتے) فرمایا، کہیں "وَهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ" فرمایا، کہ (شعور نہیں رکھتے) وغیرہ وغیرہ۔

بہت سی چیزوں پر پردہ پڑ جاتا ہے، اور آدمی ایک دھرے پر رہتا ہے، یہ دیکھنا چاہئے کہ قرآن کا ہم سے کیا مطالبہ ہے۔ قرآن کا کیا ہم سے تقاضا ہے، قرآن کا مطالبہ اللہ کا مطالبہ ہے۔ قرآن کا تقاضا اللہ کا تقاضا ہے۔ شروع میں ہی سب باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، کسی کی سرپرستی لینی پڑتی ہے، رہنمائی لینی پڑتی ہے، اور بہت سی باتیں ہیں جو

میدانِ عمل میں آکر سمجھ میں آتی ہیں۔ فضلائے مدارس، فارغین مدارس کی یہ بڑی ذمہ داری ہے کہ وہ فارغ ہوکر یوں ہی نہ بیٹھ جائیں۔ اور دینی تقاضوں، علمی تقاضوں، اور ملی مفادات پر دنیوی اور اپنی راحت وآرام کے تقاضوں کو ترجیح دکر اپنا راستہ طے کرلیں اور جو راستہ اللہ نے ان کے لئے چُنا اس سے ہٹ جائیں یہ ایک طرح کا کفرانِ نعمت بھی ہے، اور اس کا بڑا نقصان پہونچتا ہے۔ نقصان ایک دم نہیں پہونچتا بلکہ دھیرے دھیرے پہونچتا ہے، اور آدمی بہت دور چلا جاتا ہے پھر واپسی آسان نہیں ہوتی۔ اس لئے یہ جو مرحلہ ہے یہ زندگی کا بہت اہم مرحلہ ہے، اور اسی پر پوری زندگی کا دارومدار ہوتا ہے۔

ہم جس ملک میں رہ رہے ہیں اس کا اپنا تقاضہ ہے۔

شاید ہم نے زیادہ کہہ دیا ہو مگر بات سمجھنے کی ہے کہ ہم ایسے ملک میں ہیں جہاں مسلمان اکثریت میں نہیں ہیں۔ یہاں مسلمانوں کے معاملات ہم کو خود طے کرتے ہیں، اقلیت حکومت سے توقع نہیں رکھتیں، حکومت کا بھکاری نہیں بننا ہے، اپنے معاملات خود طے کرنے ہیں، یہود جہاں ہیں اقلیت میں ہیں مگر وہ ترقی وفلاح کی پلاننگ خود کرتے ہیں، اور جہاں رہتے ہیں وہاں مؤثر بن کر رہتے ہیں، چوں کہ ان کو صرف دنیا کی فکر ہوتی ہے اس لئے انہیں انسانی حقوق کا خیال نہیں رہتا۔ ہم کو ایسا بننا ہے کہ ہم سارے انسانوں کے لئے مفید ہوں، اور ہمارے طرزِ زندگی سے ان کے لئے ہدایت کا سامان ہو۔

خلافت فی الارض کی ذمہ داری

اگر آپ علمِ دین حاصل نہیں کرتے اور صنعت سیکھتے ہیں ہیں، تجارت کے اصول سیکھتے تو آپ سمجھ لیجئے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ ہم سے کام لینا چاہتا ہے۔ اس کے ذریعہ بھی ہم اللہ کی معرفت اور اللہ کے یہاں مقبولیت حاصل کر سکتے ہیں۔ اور اس کے ذریعہ بھی لوگوں کے دل ودماغ میں پہونچ سکتے ہیں۔ اور اللہ کی معرفت دوسروں میں اس کے ذریعہ بھی پیدا کر سکتے ہیں، اسی طرح سائنس کا علم ہے، حیوانات کا علم ہے، نباتات کا علم ہے، ڈاکٹری کا، طب کا علم ہے، انجینئرنگ کا علم ہے، اور یہ علوم وفنون ہیں اور معلومات

کے یہ راستے ہیں، ان سب کو اللہ کی نسبت سے ہم اگر سیکھیں تو اس کے ذریعہ بھی ہم اللہ تک پہونچ سکتے ہیں۔ اور دوسرے انسانوں کو اس کے ذریعہ ہم اللہ کی طرف لانے اور اس کی معرفت پیدا کرنے اور زندگی کا صحیح مقصد بتانے کا کام لے سکتے ہیں۔

انسان کو اللہ نے یوں ہی اپنا خلیفہ نہیں بنایا، فرمایا "وَ عَلَّمَ آدَمَ الْاَسْمَآءَ کُلَّهَا" (اور اللہ نے آدم کو ساری چیزوں کا علم عطا کیا) اس طرح انسان کو اللہ نے عجیب عجیب صلاحیتوں سے نوازا ہے، جو جس راستہ میں ہے اس میں وہ اللہ کا خیال کر کے اور اللہ کے یہاں جواب دہی کے احساس کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے۔

بہت سے ایسے لوگ ہیں، جو معمولی صلاحیت کے ہیں اور معمولی علم کے ہیں مگر وہ بہت آگے بڑھ گئے، اور بڑے بڑے کارنامے انہوں نے انجام دیئے۔

ہم جس زمانہ میں ہیں، اس زمانہ کے فتنوں کا ہمیں جائزہ لینا اور سمجھنا ہے اور پھر مقابلہ کرنا ہے، یہ علماء کی بڑی ذمہ داری اور فارغین مدارس کی بڑی ذمہ داری ہے، اور ان کے کام کا میدان اور جو انہوں نے علم حاصل کیا اس کا تقاضا ہے۔ ہم اس نبی کی امت ہیں جن کی بعثت پوری انسانیت کے لئے اور ہر زمان ومکان کے لئے ہوئی۔ اور یہ ذمہ داری امت کے افراد کو وہ جہاں ہوں اور جس زمانہ اور دور میں ہوں پوری انسانیت کو سامنے رکھ کر انجام دیتی ہے۔

تو اللہ تعالیٰ یہ دیکھتا ہے کہ کون ہمارا کتنا خیال کرتا ہے، ہماری مرضی کو کتنا سامنے رکھتا ہے، ہماری منشا کا کتنا پاس رکھتا ہے، اور پھر یہ کہ کون اپنی پسند اور مرضی کو دیکھتا ہے۔

یہ زندگی جو اللہ نے دی ہے بعد میں نہیں ملے گی، پھر دوسری زندگی شروع ہو جائے گی۔ جہاں حساب کتاب ہوتا ہے، اور جو یہاں کیا اس پر وہاں جزا وسزا کا نظام چلتا ہے، اسی زندگی پر وہاں معاملہ ہوگا، اور ہم سے وہ وہاں ان نعمتوں اور امانتوں کے بارے میں پوچھے گا جو یہاں عطا کیں۔

اللہ فرمائے گا ہم نے جو نعمت تم کو دنیا میں دیں ان سے تم نے خوب فائدہ

اٹھایا، مزے کئے، اور تم نے اس کو اپنا سمجھا، ہماری طرف سے نہیں سمجھا اب یہاں کیا لینے آئے ہو۔

اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ صاف فرمایا ہے :"فَمَا بِكُمْ مِنْ نِعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ"(النحل:۵۳) (جو بھی خیر تمہیں حاصل ہے تو وہ اللہ کی طرف سے حاصل ہے) اور ایک جگہ فرمایا: "وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ" کہ (اپنے رب کی نعمتوں کا شکر ادا کرو)

یہ تحدیث نعمت شکر ہے، اور شکر اللہ کو بہت پسند ہے، جس کو جو اللہ کی صلاحیت، لیاقت، طاقت، دولت، فہم و عقل، علم اور تقویٰ و خشیت کی صفات عطا کیں، اور دنیوی سوجھ بوجھ دی سب سے اس کو زیادہ سے زیادہ نافع بننے کی کوشش کرنی چاہئے، اور نظر اس پر رہنی چاہئے کہ اللہ کے یہاں اس کا بدلہ ملے گا اور یہی اصل بدلہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام کہا کرتے تھے:"اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعَالَمِیْنَ" (حقیقی اجر تو (اللہ) رب العالمین کے یہاں ہے)۔

جیسے حالات ویسی ذمہ داری

جس کام کے لئے اللہ نے پیدا کیا ہے، اس کو سمجھنا اور جن حالات میں اللہ نے پیدا کیا ان کو برتنا یہ سب علماء کی ذمہ داری ہے آج مسلمانوں میں کیسا بگاڑ پیدا ہو گیا ہے۔ شرک کیسا عام ہو گیا ہے بدعتیں کیسی پھیل رہی ہیں، نفاق کا دور دورہ ہے۔ گناہ سے جو وحشت ہونی چاہئے وہ نہیں رہ گئی ہے، بُرے ماحول سے جو گھن ہونی چاہئے وہ نظر نہیں آتی۔ گناہ سے وحشت اور نفرت کیا! اس کا احساس بھی جاتا رہا ہے، ہمارے سامنے دین کی اہانت ہو رہی ہے مگر ہم کھا پی رہے ہیں۔ مست ہیں، کوئی فکر نہیں، اور جو جس گناہ میں مبتلا ہے، اس کو گناہ نہیں سمجھتا، ہر چیز رواج پر چل رہی ہے۔ اپنی غلطی غلطی نہیں دوسرے کی غلطی سب سے بڑا گناہ، اپنی ذات سے غفلت اور دوسرے کا محاسبہ یہاں تک کہ اس کو نقصان پہونچانے کی پلاننگیں، اور کوششیں، یہ کچھ اس لئے ہے کہ آخرت کا خیال کمزور پڑ گیا ہے۔

"اِنَّكَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ (کہ آپ تو خلق عظیم" (انتہائی، اعلیٰ اخلاق و کردار پر فائز ہیں)

عالمانہ وقار اور داعیانہ کردار

آپ نے جو ایک ممتاز اور قدیم دینی ادارے اور اچھی شہرت کے حامل جامعہ میں تعلیم حاصل کی اور فائق و معیاری اساتذہ سے علم حاصل کیا۔ یہ یقیناً آپ کے لئے بڑے شرف کی بات ہے۔ یہ سعادت کی بات یہ ہے کہ آپ کو علم دین کے حصول کے ساتھ وہ اچھی صحبت بھی ملی جس کے لئے علم دین کے حصول اور فراغت کے بعد وقت فارغ کرنا پڑتا ہے، اور ہمارے اکابر نے اور جن سے اللہ نے دین کا تھوڑا بہت کام لیا جو صحیح نہج اور صحیح فکر پر تھا اور کجی سے محفوظ تھا۔ انہوں نے اس بات کا خیال رکھا، اور اپنے کو کبھی رہنمائی سے آزاد نہیں سمجھا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی نے ایک موقع پر فرمایا تھا: اور اپنے تاریخی و دینی مطالعہ کی روشنی میں فرمایا تھا کہ "خواہ جس مقام پر آدمی پہنچ جائے اصلاح و استفادہ سے وہ مستغنی نہیں ہوسکتا"۔ اور یہ جو آپ کی عمر کا مرحلہ ہے اور میدان عمل میں آنے کا وقت و زمانہ ہے اس میں اس کی ضرورت اور زیادہ پڑتی ہے۔

آپ نے جو تعلیم حاصل کی وہ تعلیم آپ کو داعی بناتی ہے مبلغ بناتی ہے۔ قاضی بناتی ہے، معلم بناتی ہے، مصنف بناتی ہے، جس کو جو موقع ہو اور جس کی ضرورت ہو اس سے وہ کام لے۔ اور امت کو فائدہ پہنچائے، قاضی کی ضرورت ہو قاضی بنئے، مفتی کی ضرورت ہو مفتی بنئے، حدیث میں امتیاز پیدا کرنے کی ضرورت ہو، اس میں امتیاز پیدا کیجئے، اور اس پر جو شکوک پیدا کئے جاتے ہیں مستشرقین کی طرف سے اور کمزور ایمان والوں کی طرف سے ان کو دور کیجئے، لیکن اس کے لئے گہرے اور وسیع مطالعہ، انگریزی، جرمن، فرانسیسی اور دوسری زبانوں سے بھی واقفیت کی ضرورت پڑے گی، اور ہمارے علماء نے اس کی طرف بھی توجہ کی ہے۔

ادب کے راستہ سے جو الحاد آرہا ہے۔ صحافت کے راستہ سے جو بگاڑ آرہا ہے، ان سب فتنوں کا مقابلہ کرنا بھی ہمارے علماء اور فارغین مدارس کی ذمہ داری ہے۔ اس لئے علم کا مرحلہ کہیں ختم نہیں ہوتا۔ اب علم کا راستہ کھلا ہے جس پر تاعمر چلنا ہے جس میدان

کی ضرورت ہووہ میدان اختیار کیجئے، آپ خود دیکھئے اپنی صلاحیتوں سے انسانیت کو امت کو کیا فائدہ پہونچا سکتے ہیں۔

عقل اور علم دو بڑی نعمتیں ہیں جو اللہ نے انسان کو دی ہیں۔ اس سے کام لیا جائے۔ آپ یہاں سے سند لے کر جارہے ہیں، خود طے کیجئے کہ اللہ کی رضا کے مطابق کچھ کرنا ہے۔ یہ نہ سمجھئے گا کہ اپنی محنت سے ہمیں ملا، اپنے ہنر سے ہمیں ملا، جو کچھ ملا ہے وہ اللہ کے فضل سے ملا ہے اور بلا استحقاق ملا ہے۔ قارون نے یہ سوچا تھا کہ جو ملا ہے یہ میری ہنر اور میری صلاحیت سے ملا ہے تو یہ اللہ کو بہت برا لگا اور جو کچھ اس کو حاصل تھا سب چلا گیا۔ اس لئے اس کا بھی ہمیشہ خیال رہے۔ اور دعا کا اہتمام رہے۔ اپنے میں صلاحیت لے کر جائیے اور یہ ارادہ لے کر جائیے کہ اس سے صحیح کام لینا ہے۔ اللہ کی پسند اور اسی کی مرضی کا کام لینا ہے کہ یہ صلاحیت اللہ نے دی ہے اور وہی اس کے بارے میں باز پرس کرے گا۔ اور یہ نہ سمجھئے گا کہ سند مل گئی تعلیم پوری ہوگئی۔ تعلیم بعد میں جاری رکھنی ہے، پڑھنے پڑھانے ہی سے واسطہ رہنا ہے۔ مطالعہ برابر جاری رکھنا ہے اور جو علم حاصل کیا ہے اس سے دوسروں کو فائدہ پہونچاتے رہنا ہے۔ یہ چیز ربانیت کی صفت پیدا کرے گی۔ اور اس کے ساتھ تقویٰ بہت ضروری ہے۔ تقوے سے ساتھ علم میں اور اضافہ ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے "اِتَّقُوا اللّٰہَ و یُعَلِّمُکُمُ اللّٰہ" یہ جو علم آپ نے حاصل کیا یہ علمِ نبوت ہے۔ علم نبوت نورِ نبوت کے ساتھ آتا ہے۔ نور کا تعلق قلب سے ہے جو قلب میں اترتا ہے اور وہ تقوے سے آتا ہے اس کا بھی بہت خیال رہے۔

اس درسگاہ کا امتیاز

میرا تعلق پڑھنے پڑھانے سے ہے اور میں بھی آپ کے میدان کا آدمی ہوں اس لئے یہ بات آپ سے کہہ رہا ہوں۔ مجھے اس درسگاہ کی پوری قدر ہے۔ ڈابھیل کی یہ دینی درسگاہ ایک شہرت اور اپنا مقام رکھتی ہے۔ ڈابھیل کی اس درسگاہ کو حدیث شریف سے بڑی مناسبت رہی ہے۔ یہاں اپنے زمانہ کے سب سے بڑے محبّ بلکہ امام علامہ

انورشاہ کشمیریؒ نے درس دیا، علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے درس دیا، یہاں سے علامہ محمد یوسف بنوری وابستہ رہے، جن کی حدیث کی خدمات کا بلادِ عربیہ میں اعتراف کیا گیا اور کتنی بڑی بڑی شخصیتیں یہاں رہیں۔ ہمارے استاذ حضرت مولانا محمد ناظم ندوی نے بھی یہاں پڑھایا جو بعد میں بہاولپور یونیورسٹی پاکستان کے شیخ الجامعہ ہوئے۔ ان کی عربیت کا عربوں نے لوہا مانا، اور آج بھی یہاں باکمال اساتذہ ہیں۔ جیسے حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب (اللہ ان کی عمر میں برکت عطا فرمائے، اور ان سے امت کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے۔) آپ قدر کیجئے اور اللہ کا شکرادا کیجئے کہ آپ یہاں پڑھنے کے لئے آئے۔ آپ خود سے یہاں نہیں آگئے بلکہ اللہ نے آپ کو یہاں بھیجا۔ اللہ نے یہاں آپ کا رزق رکھا تھا۔ آپ شکرادا کیجئے اللہ کا اور شکرادا کیجئے اپنے اساتذہ کا اور منتظمین کا کہ انہوں نے آپ کو ایک اچھا عالم بنانے کے لئے ہر طرح کی کوششیں کیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیقِ خیر عطا فرمائے اور اپنی رضا نصیب کرے آمین۔

گجرات کے اسفار

مشاہدات وتأثرات

مرتبہ
سید محمود حسن حسنی ندوی
(نائب مدیر "تعمیر حیات" ندوۃ العلماء لکھنؤ)

دورۂ گجرات

صفر و ربیع الاول ۱۴۳۱ھ - جنوری ۲۰۱۰ء

رابطۂ ادبِ اسلامی کا مذاکرہ علمی جمبوسر

(۶-۸/صفر المظفر ۱۴۳۱ھ مطابق ۲۲-۲۴ جنوری ۲۰۱۰ء)

سرزمین گجرات کو زمانہ قدیم سے علم وادب کے ساتھ خصوصی نسبت رہی ہے، یہ صدیوں تک علم وفن کا مرکز، ارباب فضل وہنر کا گہوارہ اور تصوف وطریقت کا سرچشمہ رہی ہے، یہاں کے علماء فضلا، ادباء اور اہل قلم نے ملک وبیرون ملک کے لوگوں کو اپنے علمی کارناموں سے فیض یاب کیا ہے، بالخصوص شاہان گجرات کے عہد زریں میں یہاں علوم و فنوں کی ترویج واشاعت کا غیر معمولی کام انجام پایا ہے، ماضی کے علماء ومحدثین میں سب سے مشہور نام علامہ محمد بن طاہر پٹنی کا ہے جو وسعت نظر اور تبحر علمی میں بے نظیر تھے، علوم و فنون کے ان آفتاب و ماہتاب کو خراج عقیدت پیش کرنے اور دنیا کو ان کے علمی کارناموں سے روشناس کرانے اور ان کے علمی وادبی فیض کو عام کرنے کے مقصد سے عالمی رابطہ ادب اسلامی (شعبہ برصغیر وممالک مشرقیہ) کی ۲۸ ویں مجلس مذاکرہ صدر رابطہء ادب اسلامی (شعبہء برصغیر وممالک مشرقیہ) حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ) کی صدارو سرپرستی میں" جامعہ علوم القران" جمبوسر، ضلع بھروچ، گجرات میں منعقد ہوئی جس کی مختلف نشستوں میں (۷۴) سے زائد مقالات پیش کئے گئے جن میں گجرات کے مختلف ادوار کے علماء، صلحاء، محدثین، فقہاء مؤرخین اور ادباء وشعراء کی علمی، ادبی اور دعوتی خدمات کا جائزہ لیا گیا۔ اس میں ہندوستان کے مختلف شہروں: لکھنؤ، رائے بریلی، بھوپال، دہلی، الہ آباد، اجین، اورنگ آباد،

بھٹکل، حیدرآباد، ممبئی، پونہ مالیگاؤں، ہریانہ، علی گڑھ، اکل کوا، گجرات، مئو، اعظم گڑھ وغیرہ سے تقریباً ۲۴۰ مندوبین شریک ہوئے اور مندرجہ ذیل اداروں کی نمائندگی ہوئی:

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، مدرسہ ضیاء العلوم رائے بریلی، برکت اللہ یونیورسیٹی بھوپال، جامعہ ملیہ دہلی، جامعہ کاشف العلوم اورنگ آباد، مدرسہ انوار العلوم اورنگ آباد جامعہ اسلامیہ بھٹکل، جامعہ عثمانیہ حیدرآباد، معہد ملت مالیگاؤں، مدرسہ اسلامیہ قرآنیہ فیض العلوم ہریانہ، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا، مدرسہ مرقاۃ العلوم مئو، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، دار عرفات رائے بریلی، مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی اکیڈمی بھٹکل، اور گجرات کے مختلف مدارس وجامعات۔

اس کے علاوہ قرب وجوار کے اہل علم وفضل بڑی تعداد میں ذوق وشوق کے ساتھ تمام پروگراموں میں شریک ہوئے، جامعہ علوم القرآن کے طلبہ نے اخلاص و اشتیاق کا مظاہرہ کیا، مقالات کی نشستوں میں حاضرین وسامعین کی دلچسپی قابل دید اور حوصلہ افزا رہی اور ذمہ داران جامعہ نے مندوبین اور شرکاء سیمینار کو ہر طرح سے راحت و آرام پہونچانے کی بھرپور کوشش کی۔ یہ سیمینار ٦-٧، ٨ر صفر المظفر ١٤٣١ھ مطابق ٢٢-٢٣، ٢٤ر جنوری ٢٠١٠ء کو منعقد ہوا اور ملک بھر سے بھرپور نمائندگی ہوئی۔

استقبالیہ

تین روزہ سیمینار کے افتتاح سے پہلے عالی جناب ڈاکٹر شیخ ابراہیم بطشان کلچر اتاچی سعودی سفارت خانہ (ہند) کا شاندار استقبال کیا گیا، عالی جناب نے اپنے تأثراتی کلمات میں ہندوستانی علماء خصوصاً گجرات کی خدمات اور ان کی تعلیمی، دعوتی، اور رفاہی سرگرمیوں کو سراہتے ہوئے کہا: جب میں یہاں کے تعلیمی اداروں اور ان میں تعلیم وتعلم اور تصنیف وتالیف میں مشغول علماء کو دیکھتا ہوں تو ہمیں اپنی کوتاہیوں اور کمیوں کا احساس ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ لوگ یہاں جو کچھ کررہے ہیں، بے سروسامانی اور وسائل کی قلت کے ساتھ کررہے ہیں، ہمارے یہاں الحمد للہ وسائل و

اسباب کی فراوانی ہے،اس لئے آپ لوگ پوری امت کی طرف سے شکریہ اور خالق کائنات کی طرف سے اجروثواب کے مستحق ہیں، جامعہ علوم القرآن کے بانی مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی کی نیابت میں جامعہ کے استاد حدیث مولانا عبدالرشید خان پوری ندوی نے سعودی کلچراتاچی کا استقبال کرتے ہوئے صوبہ گجرات خصوصاً بھروچ میں اسلام کی آمد کا تذکرہ کیا، انہوں نے بتایا کہ اس سرزمین کو یہ فخر حاصل ہے کہ پہلی ہی صدی ہجری میں وہ اسلام کی کرنوں سے منور ہوگئی تھی ، لندن سے تشریف لائے مولانا محمد یعقوب قاسمی نے رابطہ ادب اسلامی اور جامعہ علوم القرآن کی طرف سے تمام حاضرین کو خوش آمدید کہا اس نشست کی نظامت کے فرائض رابطہ کے سینئر رکن مولانا نذرالحفیظ ندوی ازہری نے انجام دیئے ۔ استقبالیہ نشست سے پہلے جامعہ کے شاندار وسیع کتب خانہ میں ایک علمی نمائش کے ذریعہ مہمانوں کی علمی وادبی ضیافت کا انتظام تھا،نمائش میں انتہائی سلیقہ سے گجرات کے مختلف علمی مراکز میں موجود مخطوطات کو بھی پیش کیا گیا تھا، جب کہ علماء گجرات کی مطبوعہ تصانیف کے ساتھ گجراتی زبان میں شائع ہونے والے پرچوں و ماہناموں کو رکھا گیا تھا۔

افتتاحی نشست

اس کے بعد ساڑھے دس بجے صبح ایک وسیع وخوبصورت پنڈال میں مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی (مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی صدارت میں باقاعدہ سیمینار کا آغاز ہوا، تلاوت کلام پاک کے بعد طلبہ نے ترانہء جامعہ پیش کیا، ترانہ کے بعد جامعہ کے بانی سربراہ مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی سکریٹری رابطہ ادب اسلامی گجرات نے اپنے طویل وپرمغز خطبہء استقبالیہ میں گجرات کی اسلامی، تاریخ پر بھرپور روشنی ڈالتے ہوئے علماء، مجاہدین اور محدثین نیز موجودہ عہد کے مدارس، جامعات اور تعلیمی ودعوتی مراکز کا تفصیلی ذکر کیا، اور کہا کہ ہم بے حد شکر گزار ہیں ذمہ داران رابطہ کے کہ انہوں نے تمام راحتوں، سہولتوں اور آسائش کی پیشکش کو نظرانداز کرکے جامعہ کو میزبانی کا

شرف بخشا، یہ جامعہ علوم القرآن کی خوش قسمتی ہے کہ اس کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی سربراہی میں صوبہء گجرات کے اندر اپنی نوعیت کا پہلا سیمینار منعقد کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔

خطبۂ استقبالیہ کے بعد عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبۂ برصغیر اور ممالک مشرقیہ کے سکریٹری جنرل مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کی رپورٹ جناب مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری (عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابھا دار العلوم ندوۃ العلماء) نے پیش کی، جس میں انہوں نے رابطہ کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالنے اور مہمانوں کا استقبال کرنے کے بعد کہا:

''حضرات! علم وفن اور زبان وادب میں زمان ومکان کو بڑی اہمیت حاصل ہے، خصوصاً ادبی تخلیقات میں مکان کی بڑی اہمیت ہے، اساطین فن اور ناقدین کا خیال کا ہے کہ جس طرح کلام کے حسن و جمال میں الفاظ کے انتخاب کا اثر پڑتا ہے، ٹھیک اسی طرح ادبی تخلیقات کی اثر آفرینی، جدت ولطافت اور حلاوت میں زمان ومکان کا اہم رول ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عالمی رابطہ ادب اسلامی جگہ کے انتخاب کو بڑی اہمیت دیتا ہے۔

ہمارا یہ سیمینار گجرات کے تاریخی شہر جمبوسر ضلع رہا ہے، اورنگ آباد کی طرح گجرات بھی تاریخی اور جغرافیائی اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتا ہے، علوم وفنون کی خدمت کے تعلق سے گجرات کا نمایاں کردار رہا ہے، مغل بادشاہ شاہجہاں کی نظر میں اگر چہ ''جونپور'' ''شیراز ہند'' تھا، تو اورنگ زیب عالمگیر گجرات کو ہندوستان کی حسن وزیبائش سمجھتے تھے، ابوالفضل کے بقول اس کی حیثیت ایک گلستان کی تھی، جس میں ہر رنگ و بو کے پھول مہکتے تھے، گجرات سدیوں تک علم وفن کا مرکز، ارباب ہنر کا گہوارہ ارشاد وتلقین کا سرچشمہ، اقتصادی زندگی کی شہ رگ اور ایک سرگرم تجارتی منڈی رہا ہے، روحانی اور مادی زندگی کی ساری نعمتیں یہاں جمع ہوگئی تھیں، گجرات کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ سب سے پہلے عرب اسی سرزمین

پر پہونچے"ہندوستان کا یہی وہ علاقہ تھا جس کے سرسبز پہاڑوں پر مسلمانوں کی سب سے پہلے نگاہ پڑی تھی، ارض ہند سے دونوں کے تعلق کی ابتداء حقیقتاً اسی خطہء سرزمین سے ہوئی"۔

مولانا محترم نے ہندوستان میں اسلام کی آمد، خطہء گجرات کی اس سلسلہ میں اولیت، اور مختلف ادوار میں گجرات کی نابغہء روزگار شخصیات اور علوم وفنون کے مختلف میدانوں میں علماء گجرات کی عظیم خدمات کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا:

"علامہ محمد طاہر پٹنی جن کی شخصیت اور خدمات ہمارے اس ۲۸ ویں مذاکرہ علمی کا موضوع ہے، بلند پایہ محدث تھے جن کے فضل وکمال کی شہرت پورے عالم میں ہے، علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی تصنیفات سے حجاز ویمن کے علماء اسی طرح فا ئدہ اٹھاتے ہیں جیسا کہ ہندوستان کے علماء علامہ طاہر پٹنی نے مکہ مکرمہ جا کر شیخ ابوالحسن بکری، علامہ ابن حجر مکی، شیخ علی بن العراق، شیخ جاراللہ بن فہد ودیگر محدثین عظام سے حدیث شریف بڑھی، اور عرصہ تک شیخ متقی کی صحبت میں رہے۔

علامہ پٹنی کی عظیم الشان تصنیفات میں سب سے مشہور تصنیف لغت حدیث میں "مجمع بحار الانوار فی غرائب التنزیل ولطائف الاخبار" ہے، جس کو یہ کہنا چاہیے کہ صحاح ستہ کی شرح ہے، نواب صدیق حسن خاں قنوجی نے اتحاف النبلاء میں لکھا ہے: "جب سے یہ کتاب تصنیف ہوئی ہے اسی وقت سے اہل علم میں مقبول ہے، اور سب کو اس پر اتفاق ہے، علامہ محمد طاہر پٹنی نے اس کو تصنیف کر کے علماء پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔"

اخیر عہد میں علامہ عبدالعزیز میمنی راجکوٹی کی شخصیت ہے جو عالم عربی میں قدر کی نگاہوں سے دیکھی جاتی ہے، علامہ محقق کی تصنیفات بحث وتحقیق کے اعلی معیار برفائز ہیں، ان کی مشہور کتاب "ابو العلاء المعری وما الیہ" ہے جو بحث وتحقیق کی کسوٹی پر کھرا اترتی ہے، ایک دوسری کتاب "سمط اللالی فی شرح الامالی للقالی" ہے

جس میں ابوعبید بکری کا بھرپور مؤاخذہ ہے، علامہ میمنی نے اپنی کتابوں میں مستشرقین کے گمراہ کن افکار وخیالات اور تحقیقات کا بھرپور جواب ہی نہیں دیا بلکہ ان کی قلعی کھول دی ہے، خاص طور سے مرگولیوتھ اوران کے خوشہ چیں ڈاکٹر طہ حسین کے گمراہ کن خیالات کا ازالہ کیا جنہوں نے پورے عالم عربی کو اپنی جادو بیانی اور نئی تحقیقات سے مسحور کردیا تھا۔

گجرات کے علماء کی تصنیفات مختلف موضوعات تفسیر، حدیث فقہ علوم شرعیہ اور لغت وادب سے متعلق ہیں، ہمیں رابطہ ادب اسلامی کے سیمنار میں اس کا اہتمام کرنا ہوتا ہے کہ بحث کسی موضوع سے متعلق ہو اس کا محور ادبی اور فنی خصوصیات پر روشنی ڈالتا ہو اور اس پر ادب کی تعریف منطبق ہوتی ہو، اسی لئے اس کا خاص موضوع ''علامہ محمد طاہر پٹنی اور ان کی کتاب ''مجمع بحار الانوار'' اور دیگر علماء گجرات کی علمی ادبی خدمات مقرر کیا گیا۔

عالمی رابطہ ادب اسلامی شعبہ برصغیر وممالک شرقیہ کی مختصر کارگزاری رپورٹ پیش کرنے کے بعد مولانا محترم نے کہا: ''اخیر میں ہم آپ سب مندوبین کا اس عظیم شہر میں منعقد اس عظیم سیمینار میں استقبال کرتے ہیں اور جامعہ علوم القرآن کے ذمہ داروں اوران کے ساتھ تعاون کرنے والوں اور معزز شہریوں کا شکریہ ادا کرتے ہیں۔'' سکریٹری رپورٹ کے بعد صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی برصغیر وممالک مشرقیہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء وآل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ (جو علالت کی وجہ سے افتتاحی نشست میں شریک نہیں ہوسکے) کا خطبۂ صدارت پیش کیا گیا، جسے ان کے داماد اور برادرزادے مولانا عبداللہ حسنی ندوی (استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء) نے پیش کیا۔ صدر محترم نے اپنے خطبہ صدارت میں جہاں تاریخ کی روشنی میں علم وادب اور حدیث واسلامی آداب واقدار کی ترویج واشاعت کے میدان میں گجرات میں خدمات کا ذکر کیا۔ وہیں رابطہ ادب اسلامی کی اہمیت وضرورت اور کارناموں پر روشنی ڈالی۔ (مکمل خطبۂ صدارت ''تعمیر حیات'' شمارہ نمبر:۷، ۱۰ فروری ۲۰۱۰ء میں شائع ہوچکا ہے)

خطبہ صدارت کے بعد مشہور عالم دین مولانا عبداللہ کاپودوری اور جناب شیخ

ابراہیم بطشان نے بھی اپنے اپنے تأثرات کا اظہار کیا، مولانا عبداللہ کاپودروی نے دور حاضر کے گجراتی علماء واہل علم واصحاب قلم کو اسلاف کے کارناموں کو سامنے لانے کی ترغیب دیتے ہوئے ادب کے رول کی طرف توجہ دلائی، انہوں نے اسلام کے پیغام کو عام کرنے اور اسلام کو دور حاضر کی تمام پریشانیوں اور مشکلات سے نجات دہندہ کے طور پر پیش کرنے کے مقصد سے ادب سے کام لینے پر زور دیا۔

مہمان خصوصی ڈاکٹر شیخ ابراہیم بطشان نے اپنے خطاب میں کہا کہ "ادب اسلامی آج محتاج تعارف نہیں رہ گیا ہے بلکہ ایک اصطلاح بن گیا ہے، آج سے ۳۰ برس قبل جب یہ لفظ انہوں نے سنا تھا تو انہیں یہ لفظ بے معنی لگا تھا لیکن آج انہیں یہ کہنے کی ضرورت محسوس ہورہی ہے کہ ادب اسلامی اب ایک اصطلاح بن چکا ہے اور اسے کسی تعارف کی ضرورت نہیں ہے۔

مہمان خصوصی نے علامہ عبدالعزیز میمنی اور علامہ محمد سورتی کا خاص طور پر ذکر کیا۔ گجرات کے علماء ومحدثین کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے رابطہ ادب اسلامی کے بانی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو خراج عقیدت پیش کیا کہ انہوں نے خدمت اسلام کے لیے رابطہ کی شکل میں ایک زبردست پلیٹ فارم مہیا کیا۔

صدر اجلاس مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء نے اپنے صدارتی خطبہ میں رابطہ ادب اسلامی کے قیام کے محرکات واسباب کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ ادب اسلامی کی فکر دراصل ایک الہامی فکر تھی جسے اللہ نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے دل میں القا کیا تھا، حضرت مولانا اس سلسلہ میں کافی فکر مند تھے کہ آج عربی زبان کا استعمال غیر ادبی کاموں کے لیے ہورہا ہے جب کہ اس کی ضرورت ہے کہ عربی زبان کو اخلاق سازی کے لیے استعمال کیا جائے حضرت مولاناؒ کے دل میں اللہ کی طرف سے کی خیال پیدا ہوا کہ ادب بہت بڑی طاقت ہے، اس کو دین اسلام کے لیے منظم اور مربوط انداز میں استعمال کیا جائے اور پوری دنیا میں اسلامی و

تعمیری ادب کے علم برداروں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے، صدر اجلاس نے کہا کہ اسلام ایک مکمل دین اور ایک جامع دستور العمل ہے، یہ کیوں کر ممکن ہے کہ ادب کے لئے اسلام کوئی ضابطہ نہ رکھے، ہدایات نہ دے۔

اس افتتاحی نشست میں گجرات کی متعدد عظیم شخصیات موجود تھیں، جن میں مولانا عبداللہ کاپودروی (کنیڈا)، مولانا عبداللہ ہانسوٹ، مولانا مفتی احمد خانپوری اور مولانا یعقوب قاسمی (برطانیہ) وغیرہ قابل ذکر ہیں، اس نشست کی نظامت مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے کی۔

اس کے بعد مقالات کی نشستیں شروع ہوئیں، تمام مقالوں کو جن کی تعداد ۷۵ تھی چھ نشستوں میں تقسیم کیا گیا، تقریباً سبھی مقالات پڑھے گئے، ممتاز مقالہ نگاروں میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری، مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن الاعظمی ندوی، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا عبداللہ کاپودروی، مولانا مفتی احمد خان پوری، مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی مظاہری، ڈاکٹر شفیق احمد خان ندوی، ڈاکٹر تابش مہدی، مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی دریابادی، صحافی جناب محمد عارف عزیز بھوپال، مولانا سید مشتاق علی ندوی قاضی شہر بھوپال اور مولانا مفتی احمد یعقوب دیولوی وغیرہم تھے۔

اختتامی نشست حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی صدارت میں منعقد ہوئی، نظامت کے فرائض مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری نے انجام دیے، اس موقع پر دو کتابوں ''اسلامی ثقافت ندوۃ العلماء'' مولفہ: مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی اور ''ملک المحدثین علامہ طاہر پٹنی حیات، افکار، خدمات'' مولفہ: مولانا عبد الرشید ندوی استاد حدیث جامعہ علوم القرآن جمبوسر کی رسم اجرا ہوئی، اس کے بعد سیمینار کے داعی وبانی سربراہ جامعہ علوم القرآن مولانا مفتی احمد دیولوی نے مندوبین اور شرکاء اجلاس کا شکریہ ادا کیا، اور مولانا عبداللہ کاپودروی، مولانا ذوالفقار احمد شیخ الحدیث وناظم تعلیمات جامعہ

فلاح دارین ترکیسر، مولانا اسماعیل بھڑ کودوی شیخ الحدیث جامعہ علوم القرآن، مولانا محمد یعقوب کاوی (برطانیہ) اور مولانا عبداللہ حسنی ندوی نے تاثرات پیش کیے، گجرات میں منعقد ہونے والے اس پہلے وتاریخی سیمینار میں شریک مندوبین کا تاثرات تھا کہ اس سیمینار سے جدید مسلم نسل کوایک نیا حوصلہ ملا ہے۔

میر کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے اختتامی کلمات میں اس بات پر زور دیا کہ اس وقت عالمی سطح پر جدید وسائل اور ذرائع ابلاغ کو استعمال کرتے ہوئے اسلام دشمن طاقتیں نئ مسلم نسل میں ادب کے نام سے الحاد اور شرکیہ وکفریہ عقائد کو داخل کرنے کی کوشش کر رہی ہیں، لہذا ہمیں بھی دعوتی حکمت عملی کو سامنے رکھتے ہوئے اسلامی حدود میں رہتے ہوئے جدید ذرائع ابلاغ اور وسائل کو استعمال کرنا چاہئے تا کہ ہماری نسل بھی ایمان اور توحید پر قائم رہ سکے اور اس کے لئے ادب کی حدود میں آنے والے تمام طریقوں کو اپنانا چاہئے۔

تجاویز

اس کامیاب سہ روزہ سیمینار کے ''پرامن بقائے باہم'' اور ''فلاح انسانیت اور اعلاء کلمۃ الحق کے جذبات'' سے سرشار ماحول اور اہل گجرات کے تجاویز سامنے آئی ہیں۔

☆ سیمینار میں پیش کئے گئے مقالات کو نظر ثانی وتدوین کے مراحل سے گزار کر جلد از جلد کتابی شکل میں شائع کیا جائے، افادۂ عام کے لئے عالم عربی اور گجراتی زبانوں میں ان کے ترجموں اور اخلاصوں کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے۔

☆ علامہ وجیہ الدین علوی، علامہ محمد طاہر پٹنی، مخدوم علی مہائمی اور دیگر بلند پایہ اہل قلم کے کارناموں کو منظر عام پر لانے اور قابل استفادہ بنانے کی غرض سے رابطہ ادب اسلامی گجرات کے زیر انتظام کوئی شعبہ یا اکیڈمی قائم کی جائے اور اسے قابل عمل بنانے کے لئے مولانا عبداللہ کاپودروی کی سرپرستی میں فوری طور پر ایک کمیٹی تشکیل کی جائے۔

☆ علماء گجرات کی علمی وادبی خدمات پر ایک ویب سائٹ لانچ کر کے ان کی تصنیفات کو آن لائن کرنے کی کوشش کی جائے۔

☆ مدارس وجامعات اسلامیہ اور عصری تعلیم گاہوں کے کتب خانون میں اسلامی ادب اطفال کے قابل قدر اور دلکش ادبی تخلیقات کو رکھا جائے اس کے ساتھ طاقت ور گجراتی زبان میں ایک ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو بچوں کے شوق اور رجحان کے مطابق ان کی ذہنی، عقلی اور اخلاقی تشکیل کر سکے اور ان میں علمی وادبی مطالعہ کا ذوق نشو ونما پائے۔

☆ مختلف ذرائع ابلاغ کی مدد سے حیا سوز اور مخرب اخلاق مواد اور لٹریچر عام کیا جا رہا ہے اس کے مقابلہ کے لئے جو باصلاحیت نوجوان ادبا، اہل قلم اور شعراء مثبت انداز میں اسلامی ادب کی نمائندگی کے لئے آگے آئیں ان کی بھرپور مدد کی جائے۔

☆ عصری اور دینی جامعات میں طلبہ کو علماء گجرات اور ان کی تصنیفات اور مخطوطات کو بحث وتحقیق کو جدید انداز میں ایڈٹ کر کے دوبارہ ان کی اشاعت کی جائے۔

☆ یہ سیمینار بطور خاص طور گجرات کے مدارس دینیہ کے ذمہ دارون سے درخواست کرتا ہے کہ وہ سرزمین گجرات سے تعلق رکھنے والی کسی ایک یا متعدد علمی شخصیات کے علمی، دینی اور ادبی کارنامون پر وقتاً فوقتاً مجلس مذاکرہ وسیمینار کے انعقاد اور اہل علم کے محاضرات اور خطبات کا اہتمام کریں تا کہ نئی نسل اسلاف کے کارناموں سے روشناس ہو۔

☆ رابطہ ادب اسلامی جو ادب کی تاثیری طاقت، فکر اسلامی کی تقویت کا ایک اہم ذریعہ سمجھتا ہے، اس کے بنیادی مقاصد میں ایک اہم مقصد بھی ہے کہ علاقائی زبان میں طاقتور اسلوب میں اسلامی لٹریچر تیار کرنے میں خاص

طور پر بچوں اور نوجوانون کے لئے توحید و رسالت اور بنیادی عقائد کے علاوہ اسلامی تاریخی سیرت کے موضوع پر جدید اسلوب میں کتابیں تیار کرنے میں ان کو ذریعہ بنایا جائے، اور دل کش اور معیاری انداز میں ان کو شائع کرنے کا انتظام کیا جائے۔

☆ یہ مسرت کی بات ہے کہ گجرت کے نوجوان علماء اور طلبہ تفسیر و حدیث وفقہ کے علاوہ عربی ادب میں تخصص کررہے ہیں، یہ سیمینار اہل مدراس اور ملت کے بہی خواہوں کو آواز دیتا ہے کہ گجراتی زبان میں بھی ادب پر تخصص کا انتظام کیا جائے تاکہ گجراتی زبان میں ایسے لائق اور اہل افراد تیار کیا جاسکے جو برادران وطن اور تعلیم یافتہ طبقہ میں دعوت دین کے فرائض کو بحسن وخوبی انجام دے سکیں۔

☆ یہ اجلاس عالمی رابطہ ادب اسلامی کے صدر عالی وقار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے کہ اپنی صحت کی ناہمواری اور گوناگوں مصروفیات کے باوجود طویل سفر کرکے اپنی شرکت سے اسے عزت بخشی اور دست بدعا ہے کہ اللہ تعالی ان کے سایہ عاطفت کو تادیر قائم رکھے (آمین)

مشاہدات وروداد

گجرات سیمینار کی انفرادیت وخصوصیت

ہندوستان کے صوبوں میں گجرات کئی اعتبار سے انفرادیت رکھتا ہے، یہاں کے سلاطین، امراء، علماء، مشائخ اور اہل ادب وسخن بڑے ممتاز ہوئے، تفصیل کے لئے مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب ''یادایام'' یعنی مختصر تاریخ گجرات کافی ہے، کچھ اب نئی کتابیں بھی آگئی ہیں جن میں حضرت مولانا محمد یوسف متالا (مقیم برطانیہ) کی کتاب ''مشائخ احمد آباد'' خاص طور پر قابل ذکر ہے، جس سے احمد آباد کی علمی ودینی برتری ظاہر ہوئے بغیر نہیں رہتی، گویا احمد آباد کی سیر اس کتاب کے ذریعہ کر لی تھی، اس طرح گجرات کے سفر کا نظری آغاز تو احمد آباد سے ہوا، البتہ قدمی اختتام سورت پر ہوا، سورت کو یہ شرف بھی حاصل رہا ہے کہ حجاج کے قافلے یہاں سے روانہ ہوا کرتے تھے، اور اس کو باب مکہ کہا جاتا تھا، علم وفن اور تجارت وصنعت میں سورت بمبئی کے مقابل رہا ہے، یہاں کی علمی ودینی شخصیتیں بھی ممتاز رہی ہیں، یہاں کی شخصیتوں سے متعلق مشہور قدیمی ماخذ ''حقیقۃ السورت'' ہے، لیکن گجرات کے اس سفر کا آغاز اس کے ایک اہم ضلع پنچ محل کے علاقہ گودھرا سے ہوا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے جن کی طبیعت ناساز تھی، جمبوسر ضلع بھروچ میں منعقد رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار کی اہمیت کے پیش نظر سفر کی ہمت فرمائی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ، عبدالرزاق صاحب، جناب شاہد حسین برادرم سحبان بھٹکلی اور راقم بھوپال میں ایک دن گزارتے ہوئے رات کے آخری حصہ میں سنیچر ۲۳/جنوری ۲۰۱۰ء کو گودھرا پہونچے، اسٹیشن پر مولانا محمد ابراہیم آچھودی صاحب اور دارالعلوم گودھرا کے مہتمم مولانا عبدالستار صاحب اور اساتذہ وغیرہ موجود تھے، دارالعلوم گودھرا میں کچھ وقت گزار کر براہ بڑودہ بھروچ کے تعلقہ

جمبوسر جانا تھا جہاں جامعہ علوم القرآن میں جمع کوادبی سیمینار کا آغاز ہو چکا تھا،'' علامہ محمد بن طاہر پٹنی اور دیگر علماء گجرات کی علمی وادبی خدمات'' اس کا مرکزی عنوان تھا، معلوم ہوا کہ افتتاحی نشست بڑی کامیاب رہی، دہلی سے سعودی سفارت خانہ کے ملحق ثقافی بطشان صاحب بھی تشریف لائے، جلسہ بڑا ہی کامیاب رہا، مقالات کی نشستیں بھرپور رہیں، لوگوں نے جم کر مقالے پڑھے، اور بصد شوق وذوق مقالات کی سماعت بھی کی، دونوں اعتبار سے یہ سیمینار بڑا ہی کامیاب رہا۔

علماء ومشائخ گجرات بالخصوص حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری، حضرت مولانا عبداللہ کاپودری (کناڈا) مولانا محمد یعقوب منشی (برطانیہ)، مولانا عبداللہ مظاہری (ہانسوٹ) مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب شیخ الحدیث جامعہ ترکیسر وغیرہ نے شرکت فرمائی، اور مولانا مفتی احمد دیولوی مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر، اور مولانا عبدالرشید خانپوری ندوی نے بڑی فراخدلی اور کشادہ چشمی سے میزبانی فرمائی، جامعہ جمبوسر واقعی ایک زبردست ادارہ ہے اس کے ایک جانب رفاہی اسپتال ہے، دوسری طرف ایک کالج بھی ہے، اس طرح مفتی احمد صاحب دیولوی مدظلہ خاموش دینی ورفاہی اور علمی کام نہایت فعالیت کے ساتھ انجام دے رہے ہیں، ان کے صاحبزادگان اور دیگر افراد خاندان ان کے پیچھے معاون ہیں، وہ بڑے ہی ممنون رہے کہ اس عظیم سیمینار کے انعقاد کا موقع انہیں دیا گیا، اسی طرح اختتامی نشست میں حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، گجرات، حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد شیخ الحدیث جامعہ فلاح دارین ترکیسر نے ندوہ اور علماء ندوہ کی خدمات کا بھرپور اعتراف کیا اور کہا کہ یہ لوگ دنیا کے حالات پر پوری نظر رکھتے ہیں، خطرات کو سمجھتے اور پھر ان کا مقابلہ کرتے ہیں، اس طرح یہ حضرات دین کی حفاظت کا بڑا اہم کام انجام دے رہے ہیں، حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری نے گجرات کے تئیں علماء ندوہ کی خدمات کو ناقابل فراموش قرار دیا، اور فرمایا کہ آج جو کچھ گجرات کی علمی ودینی حیثیت کے بارے میں لکھا جارہا ہے اس کا ماخذ علماء

ندوہ کی کتب وتحقیقات ہیں، اختتامی نشست کی خاص بات مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی کی تقریر بھی تھی جس میں انہوں نے علماء کو ان کی ذمہ داریاں یاد دلاتے ہوئے کہا کہ آج علماء بھی اپنے انفرادی مقاصد کو لے کر بیٹھنے لگے ہیں دوسروں کو کیا کہیں آج مدارس کے فارغین کا اپنے دین وایمان پر سے اعتماد متزلزل ہو رہا ہے، انہوں نے قلم کو ایک امانت قرار دیا، کہ اس کے ذریعہ ہزاروں کا ایمان محفوظ بھی ہوتا ہے اور ہزاروں کا ایمان خطرہ میں پڑ جاتا ہے۔

صدر رابطہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی تقریر سے قبل حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کا بھی پُر مغز خطاب ہوا، صدر رابطہ نے اپنے جامع مگر مختصر خطاب میں پورے سیمینار کی روح پیش کردی، اور اہل گجرات کے تعاون کا شکریہ ادا کیا اور ان ہی کی دعا پر جلسہ اختتام کو پہونچا۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپوردری کی منزل پر

پیام انسانیت اور اصلاح معاشرہ کے جلسوں کا بھی جامعہ علوم القرآن کے ذمہ داروں نے نظم کیا تھا، یہ دونوں جلسے بھی بڑے کامیاب رہے، پیام انسانیت کے جلسہ کے تعلق سے اہل گجرات کی رائے تھی کہ یہ پہلا تجربہ تھا جو بڑا کامیاب رہا، اور اب بار بار ایسے پروگرام منعقد کئے جائیں گے تاکہ اہل وطن اسلام کے پیغام انسانیت کو سمجھیں، اور دین کے قریب آئیں۔

۲۵؍جنوری کو جامعہ علوم القرآن جمبوسر سے مختلف جگہوں، اداروں، دارالعلوموں سے گزر کر سورت رات گزارنا طے تھا جہاں سے دوسرے دن بمبئی واپسی تھی، حسن اتفاق کہ یہ پروگرام اس ترتیب سے گزرا جو مفکر اسلام وبانی رابطہ ادب اسلامی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کا اکتوبر ۱۹۹۵ء میں آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کے اجلاس احمد آباد کے موقع پر جمبوسر سے سورت کا بنا تھا اور جس کا ذکر حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے کاروان زندگی حصہ ششم (ص:۱۹۳-۱۹۴) میں کیا ہے ناشتہ سے فراغت کے

بعد جمبوسر سے بھروچ شہر ہوتے ہوئے دارالعلوم کنتھاریہ محمودنگر، پھر وہاں سے دارالعلوم ماٹلی والا، وہاں سے انکلیشور سے گزرتے ہوئے کاپودرا جو حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کا وطن ہے، اوران کا وہاں ایک اچھا ذاتی کتب خانہ بھی ہے، ظہر سے عصر تک رہنا ہوا، حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کو جو تعلق ہے اس کو حضرت مولانا علی میاںؒ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

''مولانا عبداللہ صاحب سے قدیمی علمی و دینی مناسبت ہے، اور وہ طالب علمی کے زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں، وہ عرصہ سے جامعہ فلاح دارین ترکیسر میں استاد پھر مہتمم اور بعد میں عرصہ تک اس کے صدر رہے، ان کو راقم کی تصنیفات اور تحریرات سے بھی خاصی مناسبت ہے، انہوں نے راقم کی کتاب 'شرق اوسط کی ڈائری'' سے کچھ اچھے انتخاب کئے ہیں، مولانا کے یہاں عصر تک قیام رہا۔''

مدارس کا تاج محل

مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی اور راقم کو ہانسوٹ کے جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ کے مشاہدہ کے لئے بھیج دیا، بڑا ہی اچھا نظم و نسق، شاندار عمارتیں، صاف ستھرا ماحول، اس کے ناظم مفتی عبداللہ صاحب نے بڑا ہی خیال کیا۔ صحیح معنی میں اسے مدارس کا تاج محل کہا جاسکتا ہے۔

فلاح دارین ترکیسر میں

فلاح دارین ترکیسر پہونچ کر طلبہ و اساتذہ کے درمیان حضرت ناظم ندوۃ العلماء کا خطاب ہوا، اس طرح ہم سب بھروچ سے اب سورت کے ضلع میں داخل ہوئے، بھروچ کو ہندوستان اسلام اور مسلمانوں اور عربوں سے ملانے کی سب س پہلے سعادت ملی بلکہ اس وقت سے برابر یہ دنیا کو علم و دین کے پھل دیتا چلا آرہا ہے، پہلا اسلامی قافلہ بقول علامہ سید سلیمان ندویؒ عہد سیدنا عثمان غنی ذوالنورینؓ یہاں نربدا ندی

کے ساحل پر اترا تھا، اسی لئے حضرت سید صاحب نے اس ندی کے پاس پہونچ کر بے ساختہ اس کی شان میں اشعار کہے تھے، اتفاق سے وہ اشعار راقم کے پاس حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے مقالہ کے ذریعہ موجود تھے، نربدا پل پر سے گزرتے ہوئے راقم نے یہ قصیدہ اپنے رفقاء سفر کو گاڑی پر ہی سنا ڈالا، بڑا ہی لطف آیا، پوری چودہ سو سالہ اسلامی تاریخ سامنے آگئی، حضرت مولانا مدظلہ اس موقع پر دوسری گاڑی میں حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی کے ساتھ تھے۔

دوسری مصروفیات

فلاح دارین کی خاص بات وہاں کے شیخ الحدیث مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب کا نہایت مؤثر اور حقیقت پسندانہ استقبالیہ تھا جسے حضرت ناظم ندوۃ العلماء نے بہت عمدہ محسوس کیا، یتیموں اور ان بچوں کے ادارے بھی نظر آئے جن کا کوئی کفیل نہیں، آمود میں ''بچوں کا گھر'' کے نام سے ایک بڑا معیاری ادارہ دیکھا، طلبہ کی تعداد کے اعتبار سے دارالعلوم کنتھاریہ سب پر فائق ہے بعض خوبیوں میں دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور وہ گجرات کا ندوہ کہا جاتا ہے، اس کا سنگ بنیاد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے رکھا تھا، اور ندوہ کے نصاب کی کئی کتابیں یہاں زیر درس ہیں۔ فلاح دارین سے یہ قافلہ سیدھا سورت کے لئے روانہ ہوا۔

منیار خاندان جس کو مشائخ دین سے والہانہ لگاؤ رہا ہے، ایک ایک فرد استقبال کے لئے بچھا جا رہا تھا، پورا خاندان موجود تھا، پہلے اس خاندان کے بزرگ شیخ محمود منیار مرحوم تھے اب بھائی عبدالحفیظ صاحب منیار، بھائی خالد صاحب منیار (اطال اللہ بقاء ھما) اور دوسرے ان کے برادران وفرزندان تھے، مولانا محمد علی منیار مظاہری بھی آئے ہوئے تھے، حضرت مولانا مدظلہ اور سبھی کا بڑا ہی دل لگا، حکیم شارق اجمیری صاحب نے اچھا وقت دیا، راندیر بھی جانا ہوا جو سورت کا ایک حصہ ہے، جامعہ حسینیہ میں پروگرام بھی ہوا اور جامعہ اشرفیہ کا دورسے دیدار اور مفتی گجرات حضرت مولانا عبدالرحیم لاجپوری کی قبر

پر فاتحہ پڑھنے کی سعادت ملی اور منیار برادران کے آبائی قبرستان جا کران کے والد حافظ عمر صاحب اور مرحوم بھائی شیخ محمود منیار کی قبر پر بھی فاتحہ خواں ہوئے۔

مولانا مفتی احمد یولوی مہتمم جامعہ علوم القرآن نے بڑا ساتھ دیا وہ سورت کے اسٹیشن تک ساتھ رہے، یہاں تک کہ حضرت مولانا مدظلہ مع رفقاء بمبئی کے لئے روانہ ہو گئے جہاں ۲۹ رجنوری کو حج ہاؤس میں رابطۂ عالم انسانی (ایک نئی تنظیم) کا دوسرا سالانہ اجلاس تھا، جس کے داعی مولانا شاہد حنفی ناصری ایڈیٹر حج میگزین تھے، قیام بمبئی میں قدیم میزبان غلام محمد بھائی پٹنی کے ہاں رہا، اور پھر اندور اور اجین کا سفر ہوا وہاں بھی پیام انسانیت کے پروگرام ہوئے اور ۲ رفروری کو لکھنؤ واپسی ہوئی۔

جامعہ فلاح دارین کی ایک یادگار نشست

گجرات میں رابطہ ادب اسلامی (عالمی) کے اجلاس کے موقع پر جو اس کا گجرات میں پہلا اجلاس تھا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ نے کئی مدارس، اداروں اور دینی مراکز کا دورہ کیا، انہیں میں ایک قدیم مدرسہ جامعہ فلاح دارین ترکیسر (سورت) بھی تھا اس مدرسہ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء سے خصوصی مناسبت ہے اور یہی نہیں بلکہ اس کو گجرات کا ندوہ کہا جاتا ہے اسی سورت کے قصبات میں ایک ڈابھیل بھی ہے جب دارالعلوم دیوبند کے بعض باکمال اور اساتذہ (حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ وغیرہم) وہاں سے الگ ہوئے تو اسی ڈابھیل کے دامن میں رونق افروز ہوئے تھے اور مدرسہ تعلیم الدین نے ان کا استقبال کیا تھا، اس لئے اسے گجرات کا دیوبند کہا جاتا ہے، دونوں مدرسے سورت ضلع میں واقع ہیں، جامعہ فلاح دارین کی پہلی اینٹ بھی سابق ناظم ندوۃ العلماء مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے رکھی تھی اور آج ماشاء اللہ ان کی کئی کتابیں یہاں پڑھائی جارہی ہیں یہاں کے اکثر اساتذہ ندوی الفکر ہیں اور بعض ندوی بھی ہیں، مولانا محمد اقبال صاحب (ندوی فلاحی مدنی)، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب ندوی وغیرہم نے ندوہ سے تعلیمی استفادہ اور تکمیل کیا ہے،

رئیس الجامعہ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب اور شیخ الحدیث مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب نے فکری طور پر ندوہ سے مکمل استفادہ کیا ہے۔

افسوس کہ جامعہ کے شیخ الحدیث مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب ابھی چند دنوں قبل ۴؍اپریل ۲۰۱۰ء کو سبھی شائقین علم وادب اور طالبین دین ومعرفت کو داغ مفارقت دے گئے، انا لله وانا اليه راجعون اور اپنے مالک حقیقی سے جا ملے یہ ایسا سانحۂ وفات تھا جس پر جتنا صدمہ ہوتا، کم تھا، انہوں نے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ، جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ اور ان کے رفقاء کا جیسا والہانہ ووارفتگانہ استقبال کیا، وہ کم دیکھنے میں آیا ہے، گویا دل نکال کر رکھ دیا، کیا معلوم تھا کہ وہ دو ماہ کے بعد نہ رہیں گے، وہ ضرور جدا ہو گئے لیکن ان کے نقوش جدا نہیں ہوئے، انہوں نے دلوں پر جو چھاپ چھوڑی وہ قائم ودائم ہے۔

مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب رحمہ اللہ بڑے ہی زاہدانہ اوصاف کے حامل، اخلاص وللّٰہیت کی خصوصیت سے متصف، حق پسند ومصنف، بڑے ہی صالح انسان اور اعلیٰ باطنی صلاحیت کے حامل بزرگ تھے، عمر ستر برس (۷۰) کے لگ بھگ ہی رہی ہوگی محبوب، مقبول، ہر دلعزیز تھے، یہ بھی معلوم ہوا کسی شیخ طریقت کے مجاز بھی تھے، مگر اس کو انہوں نے اخفاء میں رکھا، عارف باللہ مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ سے انہیں عاشقانہ وارادتمندانہ تعلق تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور ان کی جماعت کی دینی، علمی، فکری اور ملی وقومی خدمات کو عالمی سطح پر مثالی خدمات قرار دیتے تھے، ان کا تاثر یہ بھی تھا کہ ندوہ کے افراد عالمی فتنوں اور فکری ارتداد کی قسموں پر جیسی نظر رکھتے ہیں اور جس ہمت وحوصلہ سے اس کا مقابلہ کرتے ہیں یہ ندوہ کا ہی حصہ ہے، اور ندوہ کے افراد خطرناک عالمی حالات میں صحیح رخ متعین کرنے کا بڑا عظیم کام انجام دے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان کے درجات بلند سے بلند تر کرے۔

حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد رحمۃ اللہ علیہ شیخ الحدیث فلاح دارین ترکیسر

نے جامعہ میں جو استقبالیہ کلمات کہے تھے وہ اس طرح تھے:

''ہندوستان میں حسنی خاندان کے چشم و چراغ، نسبی حسبی ورع وتقویٰ اور علم و فضل تمام نسبتوں کی حامل شخصیات کا ہم استقبال کرتے ہیں۔

ہم لوگ آج اسی لئے جمع ہوئے ہیں اور ہم سب "اھلا و سھلا مرحبا" اوران کے قدوم میمون کو خوش آمدید کہتے ہیں۔

یہ جو شخصیتیں ہمارے آپ کے سامنے ہیں تقویٰ وعبادت، علم وفضل میں اتنی بلند شخصیتیں ہیں جو انگلیوں پر گنی جاتی ہیں، ان حضرات نے علم وفضل کا وقار اور وزن قائم اور باقی رکھا ہے۔

اللہ نے اس خاندان کو ایسی صلاحیتوں سے نوازا ہے کہ یہ اردو، عربی دونوں زبانوں پر مساوی نظر رکھتے ہیں عالمی سیاست پر، ملکی حالات پر، اوران حالات پر جن سے یہ امت گزر رہی ہے ان کی نظر اتنی گہری ہے جو ان کی تصنیفات اور رسائل و جرائد سے آپ جان سکتے ہیں، ان کی مثال ہی راڈار کی سی ہے جو جہازوں پر نظر رکھتا ہے اور اس کی سمتیں اور رخ متعین کیا کرتا ہے۔

ندوی برادری نے تاریخ وشخصیات، خاکہ نگاری، سیرت وسوانح، دعوت و فکر اسلامی کے موضوع پر جو کچھ لکھا ہے اس کی نظیر نہیں، اور نہ ہی اس کا مقابلہ ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ جو ''علی میاں'' کے نام سے مشہور ہیں ان کی کتابیں آپ پڑھتے ہیں، ''مختارات'' آپ کے نصاب میں ہے، اس طرح اور بھی کتابیں آپ ان کی پڑھتے ہیں اور تقریر وتحریر کا جو سلیقہ آپ کے اندر آیا ہے یہ انہی حضرات کا فیضان ہے، ندوی برادری آپ کے لئے اجنبی نہیں ہے، آپ کے اس تعلیمی ادارہ جامعہ فلاح دارین کی خشت اول یعنی پہلی اینٹ حضرت مولانا علی میاں ندویؒ نے رکھی تھی، اور کس اخلاص اور جذبہ سے رکھی تھی، بارش ہو رہی تھی اور چھتری لگا کر انہوں نے اپنے دست مبارک سے یہ

اینٹ رکھی تھی۔

اس طرح آج یہ علمی باغ تیار ہوا "قصص النبیین، القراءۃ الراشدۃ، مختارات" یہ سب کتابیں تو حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی ہیں، دوسری کتابیں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہٗ وغیرہ کی ہیں جن کو آپ سننے کے لئے بیٹھے ہیں۔ ان شخصیتوں کی زیارت ہی کافی تھی چہ جائیکہ آپ کو سننے کا موقع بھی مل رہا ہے "لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" کے موضوع پر مدرسہ کے ایک طالب علم نے تقریر پیش کی، یہ سب عربی اردو تقریر و تحریر حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کی کتابیں پڑھ کر، ان کے رسائل کا مطالعہ کر کے اور ندوۃ العلماء کے عربی اردو مجلات و جرائد "البعث الاسلامی" "الرائد" اور "تعمیر حیات" وغیرہ کے استفادہ سے طلبہ میں یہ صلاحیت پیدا ہوئی ہے، یہ جذبہ شکر و احسان مندی کی بات ہے کہ جن سے آپ کو سیکھنے کو مل رہا ہے اپنے ان مہمانوں کی آپ تکریم اور استقبال کر رہے ہیں۔"

تقریر کے بعد حضرت مولانا دامت برکاتہم نے دعا کرائی، اور نشست اختتام کو پہونچی۔

اس پروگرام کی ابتداء میں طلبہ جامعہ میں عربی اردو زبانوں میں تقریروں کے نمونے پیش کئے اور استقبالیہ کلمات حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد شیخ الحدیث جامعہ ہذا نے ادا کئے۔ اور خطاب صرف حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا ہوا۔ جامعہ کے مہتمم جناب خلیل راوت صاحب اور دیگر اساتذہ و علماء اور دوسرے حضرات موجود تھے، سورت کے بھائی خالد منیار صاحب اور ان کے بڑے بھائی عبدالحفیظ منیار صاحب (بارك الله في حياتهما) بھی تھے۔

دارالعلوم کے اساتذہ اور کارکنوں میں جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء، مولانا عبدالعزیز بھٹکلی ندوی نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ

العلماء، جناب شاہد حسین صاحب معاون ناظر عام ندوۃ العلماء، حاجی عبدالرزاق صاحب (رفیق سفر و حضر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ) وغیرہ اور برادرم سید سحبان ثاقب ندوی جو پچھلے چند ماہ سے حضرت دامت برکاتہم کے ساتھ ہیں، بھی تھے سبھی حضرات بڑا گہرا تاثر لے کر یہاں سے سورت کے لئے روانہ ہوئے، وہاں منیار برادران کے ہاں قیام کرنا تھا، یہاں پورا منیار خاندان کے بڑے چھوٹے ہر حیثیت کے لوگ اور حکیم اجمیری صاحب وغیرہ چشم براہ تھے۔ والحمد للہ اولا و آخرا.

دورۂ گجرات

شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ (جولائی ۲۰۱۱ء)

گجرات دارالخیرات

گجرات برصغیر کا وہ خطہ ہے جس کا بڑا حصہ ہندوستان میں اور ایک حصہ پاکستان میں واقع ہے، اس کے شہروں میں سورت اور بھروچ وہ شہر ہیں جن کی اسلام سے وابستگی قدیم بھی ہے اور گہری بھی، یہیں سے اسلام کو فروغ ملا، اس لئے اسلام کا علمی مرکز بھی گجرات رہا اور پھر گجرات سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے کسب فیض کر کے دہلی کو مرکزیت عطا کی اور علم حدیث کی انہوں نے وہ خدمت کی جس کی نظیر نہیں، گجرات کے شہروں میں احمد آباد، بڑودہ، پالن پور، راج کوٹ اور دوسرے وہ اضلاع بھی ہیں جہاں اہل علم وادب ستاروں کی مانند افق پر جگمگاتے رہے ہیں، شیخ عبدالعزیز میمنی نے عربی زبان وادب میں جو کمال ورسوخ پیدا کیا، اس میں ان کی حیثیت سکہ رائج الوقت کی ہوگئی تھی، گجرات کے مدارس قدیم اور جدید دونوں اپنے اپنے عہد میں ممتاز رہے ہیں، گجرات میں مسلمان کا عہد حکومت بھی زریں رہا ہے بالخصوص سلطان مظفر حلیم گجراتی نے وہ نمونہ پیش کیا جس سے قرن اول کی یاد تازہ ہوگئی، گجرات میں تصوف کے سلسلے بھی آئے، سلاسل اربعہ قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، سہروردیہ کے علاوہ دیگر سلاسل حق کو بھی فروغ ملا۔

علماء گجرات حضرت میں مولانا عبداللہ کاپودرری (حال مقیم کناڈا) کو بڑی قدر و منزلت حاصل ہے وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور ندوۃ العلماء سے بڑی محبت رکھتے ہیں، مرکز اسلامی انکلیشور کے سالانہ پروگرام میں وہ اسی نسبت سے شرکت کے لئے تشریف لائے کہ اس پروگرام میں ناظم ندوۃ العلماء حضرت

مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور معتمد تعلیم ندوۃ العلماء جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ تشریف لا رہے تھے، اس کا خود بھی اظہار کیا اور جب ۵ر جولائی ۲۰۱۱ء کو ایک دن ایک رات کا سفر طے کر کے اودھ ایکسپریس لکھنؤ سے انکلیشور رات کے ۱۰ ایا ۱۱ کے درمیان پہونچے تو استقبال کے لئے علماء و مشائخ گجرات اور ان کے متعلقین کا جم غفیر موجود تھا، ان میں مولانا عبداللہ کاپوردری صاحب، مولانا محمد موسی ماکروڈ صاحب (جوکہ داعی اور میزبان تھے)[1] ان کے صاحبزادے مولانا اسماعیل ماکروڈ دارالعلوم مظہر سعادت کے ناظم مولانا مفتی عبداللہ مظاہری صاحب ہانسوٹ اور دوسری شخصیات بھی تھیں۔

رویدرا کا پروگرام

سیدھے رویدرا جانا ہوا جہاں دینی واصلاحی پروگرام مخدومی حضرت مولانا شاہ قمر الزماں الہ آبادی زید مجدہم کے زیر صدارت جاری تھا اور مولانا محمد رفیق شیخ الحدیث دارالعلوم بڑودہ کا خطاب ہو رہا تھا، ان کے بعد حضرت مولانا شاہ قمر الزماں صاحب مدظلہم نے خطاب فرمایا اور پھر مخدوم گرامی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی زید مجدہم نے خطاب کیا اور دعا کرائی، حاضرین نے حضرت سے بارش کے لئے دعا کی التماس کی اس کے لئے بھی دعا فرمائی اور پھر کیا تھا بارش کا سلسلہ شروع ہوا، جہاں حضرت جاتے وہاں بارش ملتی، حضرت کا خطاب سننے والوں میں مختلف طبقات کے لوگ تھے، علماء کا منتخب مجمع تھا، با اثر ورسوخ لوگ اکٹھا تھے اور ہندوستانی کرکٹر یوسف پٹھان اور ان کے والد محترم، جو بڑودہ کی جامع مسجد میں مؤذن اور منتظم ہیں، بھی تھے وہ حضرت کے پاس دیر تک بیٹھے، حضرت نے ان کو "رہبر انسانیت" اور "نقوش سیرت" ہدیۃً دی۔

رویدرا میں قیام مولانا محمد بن سلیمان جہانجی مرحوم کے مکان پر رہا، جو حضرت جی مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق خاص تھے، اور سفر وحضر میں ان کے پورے عہد امارت دعوت وتبلیغ میں ساتھ رہے تھے وہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مدظلہ بھی سے محبت وتعلق کا معاملہ رکھتے تھے، اس تعلق کی ان کے صاحبزادہ گرامی مولانا عبداللہ جہانجی صاحب نے تجدید کی اور بڑے خلوص ومحبت سے دعوت دی، حضرت مولانا نے مستورات میں کچھ خطاب بھی فرمایا اور گھر میں دعا کرائی۔

مرکز اسلامی انکلیشور میں

اس کے بعد مختلف اداروں سے گزرتے اور دعا کراتے ہوئے مرکز اسلامی انکلیشور کے جلسہ میں جو اس کی عالیشان مسجد میں منعقد ہو رہا تھا، قدم رنجہ فرمایا، محترم جناب مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ نے جذباتی انداز میں تعارف کراتے ہوئے کہا کہ بلاد عربیہ میں جہاں ہم جاتے ہیں حضرت مولانا علی میاں ندویؒ اور ندوۃ العلماء کے اثرات اور اس کی پہچان دیکھتے ہیں، حضرت مولانا کاپودروی نے حضرت مولانا مدظلہ اور حضرت مولانا واضح رشید صاحب ندوی مدظلہ کی خدمت میں کچھ عربی اشعار پیش کرتے ہوئے تعلق ومحبت کا اظہار کیا۔

حضرت مولانا شاہ قمر الزماں صاحب الٰہ آبادی مدظلہ نے بھی ان مہمانوں کی آمد کو باعث شرف وسعادت قرار دیا اور اپنے خطاب میں حضرت شاہ علم اللہ حسنیؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے واقعات خصوصیت سے سنا کر ان کی اس ایمانی ودینی نسبت کی طرف بھی توجہ دلائی، پیرِ طریقت حضرت مولانا شاہ قمر الزماں الٰہ آبادی دامت برکاتہم نے کلمہ ”لا الہ الا اللہ“ کا مفہوم اور پیغام سمجھنے کی طرف توجہ دلائی اور ”راضية مرضية“ کی کیفیت پیدا کرنے کو کہا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی باتوں کو اس طور پر لیا کہ ان حضرات کی محبت ہے کہ انہوں نے ایسی باتیں کہیں، میں اس کو نصیحت سمجھتا ہوں کہ مجھے ایسا بننا چاہئے، مولانا مدظلہ نے مدارس کی اہمیت بتاتے ہوئے کہا یہ مدارس نہ ہوتے تو ارتداد پھیل جاتا اور فرمایا کہ آج مدارس کو ختم کرنے کی سازشیں ہو رہی

ہیں اور اس خوبصورتی کے ساتھ یہ سازشیں کی جاری ہیں کہ خدانخواستہ یہ کوششیں کامیاب ہوتی ہیں تو دین کو خطرہ لاحق ہوجائے گا۔ اور فرمایا کہ جہاں مدارس کے نظام پر توجہ نہیں کی گئی وہاں سے اسلام نکل گیا۔ عقائد میں رواداری کی گنجائش نہیں؛ لیکن دین کے فروعی معاملات اور اخلاقیات میں رواداری اور آپسی اتحاد سے کام لینا چاہئے۔ اہل اللہ کی صحبت کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا کہ ہم کو اپنے ایمان کو اتنا مضبوط کرلینا چاہئے کہ کوئی ختم نہ کرسکے، اس کے لئے بزرگوں کی صحبت کی ضرورت پڑتی ہے اور ان سے پوچھنا اور ان کی ماننا پڑتا ہے اور فرمایا کہ میں مولانا محمد موسیٰ صاحب ماکروڈ خلیفہ حضرت مولانا شاہ قمرالزماں الٰہ آبادی دامت برکاتہم اور مولانا عبداللہ صاحب جھانجی کا بہت شکرگزار ہوں کہ ان کی محبت اور خلوص کی وجہ سے ہمت ہوئی اور یہاں حاضری ہوسکی۔

مولانا محمد موسیٰ ماکروٹ صاحب مہتمم مرکز اسلامی انکلیشور نے جامعہ کی روداد سنائی اور معزز مہمانوں کی تشریف آوری پر اظہار امتنان میں آب دیدہ ہوگئے۔

کاپودرا میں

انکلیشور سے عصر کے وقت کاپودرا روانہ ہوئے جہاں محترمی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہ نے اپنے مکان پر خواص کو جمع کر رکھا تھا، جن میں محترمی جناب حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب مدظلہ، حضرت مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب اور بعض دوسری شخصیات خاص طور پر قابل ذکر ہیں عصرانہ اور مجلس کے بعد ولن کے لئے روانہ ہوئے، تقریباً پچاس کیلومیٹر کا یہ فاصلہ تکان کی وجہ سے بڑا طویل محسوس ہوا، ولن میں واقع ''بچوں کا گھر'' کے نام سے موسوم تعلیمی ادارے میں مغرب کی نماز ادا کی گئی اور عشاء تک قیام رہا، طلبہ اور اساتذہ کے سامنے حضرت مولانا نے خطاب بھی فرمایا پھر جامع مسجد ولن تشریف لائے، عزیز گرامی مولوی عبیداللہ نیپالی ندوی اور مولوی قطب اللہ ندوی اور مولوی اسماعیل ماکروٹ صاحب کی کوششوں سے یہاں اچھا مجمع جمع ہوگیا تھا، مولوی عبیداللہ ندوی کے تمہیدی

خطاب کے بعد حضرت مولانا مدظلہ نے خطاب فرمایا اور کہا کہ ہم کو ایسا نمونہ اختیار کرنا چاہئے کہ ہم سے دین صحیح طریقہ پر سیکھا جاسکے اور سنتوں پر خود عمل کریں اور دوسروں کو سنت کے طریقہ پر لائیں۔

دارالعلوم ماٹلی والا میں

رات ہی کو دارالعلوم الاسلامیہ العربیہ ماٹلی والا تشریف لائے جس کے مہتمم مولانا محمد اقبال ٹنکاروی دام ظلہ ہیں مولانا عبید اللہ ندوی یہاں حدیث وادب کے استاذ ہیں یہ ادارہ ۱۹۶۵ء میں قائم ہوا ہے اور اچھی شہرت کا حامل بڑا ادارہ ہے، حضرت مولانا قمرالزماں الہ آبادی صاحب مدظلہ کا اس ادارہ سے خاص تعلق ہے، انہوں نے بھی رات کا قیام یہی کیا، صبح دارالعلوم کے طلبہ کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے خطاب فرمایا اور کہا کہ حقیقت کو جاننے کی فکر کرنی چاہئے اور آخرت کی باتوں کو نبی کی ہدایت اور تعلیمات کی روشنی میں سمجھنا چاہئے اور اسی طرح یقین کرنا چاہئے جیسے مشاہدہ ورؤیت پر یقین ہوتا ہے، یہ یقین کی کمزوری کی بات ہے کہ قرآن مجید پڑھا جاتا ہے، ہم پر اثر نہیں پڑتا، انذار کی آیتیں سنائی جارہی ہیں یا ہم پڑھ رہے ہیں؛ لیکن کوئی اثر نہیں۔ دارالعلوم ماٹلی والا قدیم دینی ادارہ ہے۔

جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ میں

مولانا مفتی عبداللہ پٹیل مظاہری صاحب کا ادھر کئی برسوں سے شدید تقاضا اور اصرار تھا کہ ان کے قائم کردہ ادارے جامعہ مظہر سعادت میں بھی حضرت مولانا کی تشریف آوری ہو، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کو بھی دعا اور توجہ کے لئے خطوط لکھا کرتے تھے، انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے ان کے وطن تکیہ شاہ علم اللہ حسنیؒ (رائے بریلی) حاضر ہو کر ان کی کتاب ''القراءۃ الراشدۃ'' کا درس بھی لیا ہے، اور آج ۷/ جولائی کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی سے ان کی کتاب ''الادب العربی بین عرض و نقد'' کا بھی درس لیا اور اس درس میں جامعہ کے

سبھی طلبہ، اساتذہ اور رفقاء سفر نے شرکت کی بڑے حسن ترتیب سے ایک پروگرام منعقد کیا گیا، جس میں طلبہ نے کچھ نمونے نظم وتقریر کے پیش کئے اور ترانۂ استقبالیہ بھی پیش کیا گیا جس میں کہا گیا کہ

آپ آئے کہ شام مسکرانے لگی
زندگی زیر لب گنگنانے لگی

حضرت مولانا مدظلہ اور حضرت مولانا واضح رشید ندوی مدظلہ دونوں حضرات کو ناظم جامعہ کی طرف سے ٹرافی پیش کی گئی اور ان کے استقبال اور تودیع میں طلبہ قطار در قطار راستہ میں کھڑے ہو کر اظہار مسرت میں اشعار گنگنا رہے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے اپنے خطاب میں کہا کہ دین کا کام مختلف لوگوں سے اللہ تعالیٰ لیتا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ یہ کام لیتا ہے اس کے لیے سعادت وشرف کی بات ہے، اس کو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے، ہر چیز اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہے، اور یہ بات اس کی فطرت میں ڈال دی گئی ہے، انسان کو امتحان میں ڈالا گیا، اس کو کوشش اور طلب سے یہ چیز حاصل کرنی ہے۔

بڑودہ (وررودرا) میں

جامعہ کے معائنہ اور پروگرام میں دیر تک شرکت کی وجہ سے مولانا مدظلہ کو تکان ہو گیا تھا اس لیے اگلے پروگرام کے لئے بڑودہ تاخیر سے روانہ ہوئے۔

بارش کی وجہ سے میدان میں پروگرام نہ ہو سکا اور ایک مسجد میں منتقل کیا گیا، مولانا محمد رفیق صاحب شیخ الحدیث دار العلوم بڑودہ کا ایمان افروز بیان سے دیر سے جاری تھا کہ اسی درمیان مولانا مدظلہ مولانا عبد اللہ جہانجی اور مولوی سید سحبان ندوی کے ساتھ تشریف لائے، مولانا نے اپنا بیان روک دیا اور تعارف کی ضرورت بھی نہ پڑی کہ مولانا دوران بیان تعارف کرا چکے تھے۔ حضرت مولانا نے اپنے خطاب میں کہا کہ علم بغیر عمل کے ویسے ہی ہے جیسے تجوری میں مال رکھا ہوا ہے، دین کے معاملہ میں ہمارا یہ رویہ

ہونا چاہئے کہ کوئی بھی اچھی بات سامنے آئے تو اس پر عمل کریں۔

گودھرا میں

گودھرا لے جانے کے لئے برادر گرامی مولانا محمد اختر ندوی استاد دارالعلوم گودھرا بروودرہ آ گئے تھے، ان کی رہبری میں گودھرا کا سفر ہوا۔

گودھرا شہر میں جمعہ کی نماز سے قبل حضرت مولانا کا خطاب ہوا، فرمایا کہ ہر چیز دنیا میں جو نظر آ رہی ہے، اس کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن ہے، جو عمل انسان کرتا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ اس کا باطن کیا ہے؟ عمل کی قبولت کا دار و مدار باطن کے صحیح ہونے پر ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اعمال کا جائزہ لیتے رہیں کہ جذبہ صحیح ہے، نیت خراب تو نہیں ہے اور عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے کہ نہیں"۔

دارالعلوم گودھرا میں بعد نماز عصر بچوں کے تکمیل حفظ قرآن کی تقریب عمل میں آئی، حضرت مولانا مدظلہ نے نصیحت فرمائی کہ: "حفظ قرآن بڑا اعزاز ہے اور ڈرنے کا مقام بھی ہے، اس پر خوشی ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ شرف وسعادت عطا کی اور ڈریں اس بات سے کہ کہیں اس کا حق ادا کرنے میں کوتاہی نہ ہو جائے"۔

دارالعلوم گودھرا میں مہتمم مولانا عبدالستار صاحب دام مجدہ اور ناظم تعلیمات حضرت مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب آچھودی مدظلہ خلیفہ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندویؒ وہاں کے اساتذہ وطلبہ کو بھی مولانا مدظلہ سے والہانہ تعلق ہے اور یہ حضرات رائے بریلی اور ندوہ بھی تشریف لاتے رہتے ہیں اور ندوہ کی نسبت سے دوسرے پروگراموں میں شرکت کی بھی کوشش کرتے ہیں۔

موڈاسا میں

ہمت نگر سے محترمی جناب مولانا سیف الدین صاحب اسلام پوری اور حاجی حفظ الرحمٰن صاحب پان پوری جامعۃ العلوم ہمت نگر لے جانے کے لئے شام ہی کو آ گئے

تھے، اس طرح ان کے یہاں کا پروگرام طے پا گیا؛ لیکن مشکل یہ پیش آگئی کہ مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب نے جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے لئے ۱۰ر جولائی کے پروگرام میں حضرت مولانا کی شرکت کا اعلان کردیا تھا؛ لیکن پھر حضرت مولانا کی مشکل کو دیکھتے ہوئے اصرار نہیں کیا بالآخر ۹ر جولائی کو موڈاسا میں کچھ وقت گزارنے کے بعد ہمت نگر کا پروگرام طے پایا، موڈاسا میں مولانا ڈاکٹر علی احمد ندوی صاحب دام ظلہ (حال مقیم جدہ سعودی عرب، جو کہ ندوۃ العلماء کے قابل فخر فرزندوں میں اور فقہ اسلامی میں بین الاقوامی شاہ فیصل ایوارڈ یافتہ اور ممتاز فقیہ و عالم ہیں) کے مکان پر ظہر کا وقت گزارا۔

پان پور اور گڈھا اسلام پور کا سفر

پان پور گڈھا (ہمت نگر) سے پہونچنے سے قبل کی منزل تھی۔ حاجی حفظ الرحمٰن صاحب کے مکان پر پانپور میں یہ وقت گذرا اور پھر عصر بعد ہمت نگر کے دار العلوم جامعۃ العلوم میں حضرت کی تشریف آوری ہوئی گویا طلبہ و اساتذہ جامعہ کے لئے عید کا سماں تھا۔

دار العلوم ندوۃ العلماء کا نصاب اور بانیان ندوۃ العلماء نے جو تخیل پیش کیا تھا، اس کے مطابق نظام تعلیم و تربیت، صفائی ستھرائی، محادثہ عربیہ، اخلاقی پاکیزگی کا پورا خیال، نمازوں کی اس درجہ فکر کہ تکبیر اولیٰ نہ فوت ہونے پائے، جن طلبہ کا دل گھبرانے لگتا ہے ان کو اس ماحول میں رکھ کر مانوس کیا جاتا ہے جو مدرسہ کے حدود سے باہر ہے اور اس طرح چھوٹے بچے اپنائیت محسوس کر لیتے ہیں۔

مولانا سیف الدین صاحب نے جو کہ اس ممتاز اور مثالی ادارہ کے بانی و ناظم ہیں، ایک استقبالیہ پروگرام بعد نماز مغرب رکھا، مخدوم گرامی مولانا سید محمد واضح رشید ندوی صاحب مدظلہ نے مدرسہ کے نظام پر اپنا تاثر ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ جامعۃ العلوم کا نظام دیکھ کر اندازہ ہوا کہ یہ ادارہ اپنے مقصد میں کامیاب ہے، اس لئے کہ یہاں اس کی فکر بچپن سے تربیتی اور تعلیمی دونوں لحاظ سے ہے، بچے عربی میں گفتگو کرتے ہیں، دینی امور کے عادی ہیں، اس ادارے کا نام صرف 'جامعۃ العلوم' نہیں بلکہ 'جامعۃ العلوم والتربیۃ

الاسلامیہ ہونا چاہئے، یہ میری رائے ہے۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے طلبہ کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا کہ:

”آپ کی تعلیم گاہ بڑی معیاری تعلیم گاہ ہے اور اس کا مقصد آپ کو معیاری انسان اور معیاری مسلمان بنانا ہے، اس پر آپ کو یقین ہو اور آپ اس کا خیال رکھتے ہوئے یہاں وقت گزاریں، آپ دیکھ لیں گے کہ اللہ تعالیٰ آپ سے کتنا کام لے گا اور کامیاب وکامران کرے گا اور آپ اس تعلیم گاہ کے مقصد کو پیش نظر رکھیں، اگر آپ یہاں کے مقصد کو اپنا مقصد نہیں بناتے تو سب بیکار، مدرسہ کی خیرخواہی اسی میں ہے کہ مدرسہ کے پڑھے ہوئے مدرسہ کے مقصد کے مطابق کامیاب ہوں۔“

رات کا قیام بانی جامعہ مولانا سیف الدین صاحب اسلام پوری کے مکان پر رہا اور وہیں سے جامعہ ہوتے ہوئے احمد آباد کے راستے بڑودہ واپسی ہوئی۔

احمد آباد میں

احمد آباد میں جناب ظفر سریش والا کے مکان پر چند گھنٹے گزارے، وہ اوران کے بھائی حاجی اویس سریش والا اوران کے والد محترم نے بڑی خوشی کا اظہار کیا۔

مدرسہ کنزالعلوم میں جس کے ناظم مولانا احمد حسین پٹنی مظاہری صاحب ہیں اور کئی ندوی فضلاء اس میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، حضرت مولانا مدظلہ تشریف لائے اور دعا کرائی۔ بڑودہ پہونچنے پر مشہور کرکٹر یوسف پٹھان اور عرفان پٹھان نے دعا کی درخواست کی اور نصیحت چاہی حضرت مولانا نے فرمایا کہ جہاں رہئے گا دیندار لوگوں سے رابطہ رکھئے گا، دارالعلوم بڑودہ بھی تشریف لے گئے اور وہاں بھی دعا کرائی اور اس کے شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق کے مکان پر بھی کچھ وقت گزارا، وہ ہوٹل تک ساتھ آئے اور اظہار تعلق ومحبت کیا۔ بڑودہ کے نوجوانوں کی ٹیم جو مولانا عتیق صاحب فاضل مرکز اسلامی انکلیشور کی قیادت میں کام کررہی ہے، فعال جماعت ہے،

بڑے تعلق سے لگے رہے اور صبح ۱۱؍جولائی ۲۰۱۱ء - ۱۰؍شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ کو لکھنؤ کے لئے الوداع کہا، فجزاهم الله تعالىٰ خير الجزاء و تقبل مساعيهم۔

اس سفر کی ایک خاص بات یہ رہی کہ جب رویدرا پہونچے جو اس سفر کی پہلی منزل تھی تو گرمی کی شدت تھی اور بارش کے سبھی لوگ بڑے متمنی تھے حضرت مولانا دامت برکاتہم سے بارش کی دعا کے لئے کہا اور حضرت نے دعا کرائی اور پھر جہاں گئے بارش ساتھ ساتھ گئی۔

رفقائے سفر میں جناب شاہد حسین صاحب، الحاج عبدالرزاق صاحب، مولوی سید سحبان بھٹکلی ندوی، اور راقم الحروف تھا، اور سب لوگ اپنے مستقر پر ایک مفید سفر سے واپس ہوئے۔

فالحمد لله اولا واخرا والصلوة والسلام
على نبيه المصطفى دائماً ابداً۔

دورۂ گجرات

رجب المرجب ۱۴۳۵ھ (مئی ۲۰۱۴ء)

پٹن اور پالن پور کا سفر

نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا عبد القادر ندوی نے پٹن میں دار العلوم ندوۃ العلماء کی شاخ 'جامعۃ النور' کی عمارت کی سنگ بنیاد کی تقریب میں شرکت کے لیے ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو دعوت دی جو انہوں نے قبول فرمائی، اور مئی ۲۰۱۴ء کا دوسرا ہفتہ اس کے لیے طے پایا، ۷؍مئی کو لکھنؤ سے سلطان پور احمد آباد اکسپریس سے پالن پور کے لیے روانہ ہوئے تاکہ شروع کے پروگرام پالن پور میں فیروز پور، کاکوسی، چھاپی وغیرہ کے پورے کر کے ۱۰؍مئی کو جامعۃ النور پٹن کے پروگرام میں شرکت کی جائے، جے پور، اجمیر کے راستے سے ٹرین پالن پور پہنچی، جے پور میں اہل تعلق خاصی تعداد میں حضرت مولانا سے ملنے کے لیے آئے، اور حضرت سے نصیحت چاہی، پلیٹ فارم پر نزول فرما کر حضرت کچھ دیر نصیحت فرمائی اور دعا کرائی، اجمیر میں مولوی فیضان ندوی اور ان کے ساتھی آئے اور ٹرین پر ملے، اجمیر نے شاہ اجمیر فاتح ہندوستان حضرت شیخ خواجہ معین الدین چشتی کی یاد دلائی، ہندوستان میں دعوت اسلام کا سب سے حیرت انگیز کام انہی کے ذریعہ انجام پایا، انہوں نے محبت کے راستہ سے لوگوں کے دلوں کو جیتا، دعوت اسلام کے کام کا جذبہ رکھنے والوں کو خاص طور پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نصیحت فرماتے تھے کہ یٰس شریف پڑھ کر انہیں ایصال ثواب کریں۔

راجستھان کے علاقہ سے ٹرین کا گذر دیر تک رہا، ٹونک کیسے یاد نہ آتا جہاں

حضرت سید احمد شہیدؒ کے قافلہ کا بڑا استقبال ہوا تھا، اور وہاں ایک محلّہ کا نام ہی قافلہ پڑ گیا تھا، مگر وہاں ریلوے لائن نہ ہونے کی وجہ سے ٹرینوں کا گذر نہیں ہوتا، قریب کے اسٹیشن جے پور، اور سوائی مادھو پور وغیرہ سے ٹونک کو سلام کر لیا جاتا ہے۔

پالن پور رات ۹ بجے جب قافلہ پہنچا تو وہاں کی اہم دینی و علمی شخصیتوں کو حضرت مولانا کے استقبال کے لیے موجود پاکر سبھی بڑے شاداں و فرحان تھے، اور پلکیں بچھا رہے تھے، اسٹیشن سے سیدھے اسماعیل بھائی، یاسین بھائی بھولا ندوی کے مکان 'بیت الحمد' فیروز پور بھی قافلہ پہنچا، عید کا سماں ان کے یہاں تھا۔

مولانا غلام رسول خاموش مرحوم (سابق کارگزار مہتمم دارالعلوم دیوبند) کے فرزند مولانا نظام الدین مہتمم دارالعلوم چھاپی اور مولانا مفتی محمد ابراہیم قاسمی آچھودی، مولانا محمد اختر ندوی پٹنی گودھرا سے اور دیگر علاقہ کی اہم شخصیات بھی پہنچیں، بعض مل کر چلی گئیں اور بعض نے 'بیت الحمد' میں قیام کیا۔

اجتماعی نکاح کا ایک سادہ اور مؤثر پروگرام

جمعہ کا دن ۹؍مئی کا تھا، جمعہ کی تیاری میں اور پھر پروگراموں میں شرکت میں گذرا، جمعہ دارالعلوم چھاپی کی جامع مسجد میں ادا کیا گیا، پہلے مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کا خطاب ہوا پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے خطاب فرمایا، اور جمعہ کے بعد نکاح پڑھایا اور اس کے تعلق سے اہم باتیں ارشاد فرمائیں۔

عصر بعد میں مولانا عبداللہ علاء الدین ندوی کے گاؤں مہتہ میں پروگرام تھا جہاں ۲۲ نکاح پڑھانے تھے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے خطبہ نکاح

پڑھایا اور مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی نے ایجاب وقبول کرائے۔ بڑی ہی سادگی سے خوشحال گھرانوں کے نوجوانوں کے نکاح عمل میں آئے، جو کم خرچ بالانشیں کا مصداق بنے۔

عصرانہ حضرت مولانا اوران کے رفقاء کا مولانا عبداللہ علاء الدین ندوی نے اپنے مکان پر رکھا، مولانا نظام الدین غلام رسول خاموش مدظلہ نے بھی شرکت کی، مغرب کو اسماعیل بھائی یاسین بھائی بھولا ندوی کے مکان پر پہنچ گئے، قبل ازیں ایک دو مقامات پر دعا کے لیے گاڑی کو روکنا پڑا، ان میں ایک مدرسہ خلیلیہ تھا جو مولانا کفایت اللہ پالن پوری خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ کا قائم کردہ ہے اور اب ان کے صاحبزادہ مولانا عبدالرشید اس کے ذمہ دار ہیں، راستہ میں حاجی علاء الدین مرحوم (ممبئ سابق رکن انتظامی ندوۃ العلماء، دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم، سہارنپور) اور مولانا کفایت اللہ مرحوم خلیفہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی قدس سرہٗ کی قبریں بھی ملیں، ان کو سلام کیا گیا اوران کے لئے دعا کی گئی۔

دارالعلوم نذیریہ کاکوسی کا پروگرام

عشاء بعد کا پروگرام دارالعلوم نذیریہ کاکوسی کا تھا، مولانا یاسین اس کے مہتمم ہیں اور بڑے مستعد و کارگزار عالم دین ہیں۔ اور بہت سادہ انداز میں زندگی بسر کرتے ہیں، اس کے ساتھ حالات پر اچھی نگاہ بھی رکھتے ہیں، انہوں نے بتایا کہ حاجی علاء الدین مرحوم (ممبئ) رشتہ میں ہمارے نانا تھے، یہاں پہلا خطاب مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی کا ہوا جو زندگی کے مختلف پہلوؤں کا احاطہ کیے ہوا تھا، اور جو امراض پنپ رہے ہیں ان کے ازالہ کی فکر کرنے کی توجہ دلانے پر تھا، چونکہ علماء بڑی تعداد میں تھے، اس لیے ان کی ذمہ داری کو خاص طور پر بتایا گیا، اور جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی تشریف لائے تو انہوں نے اسی خطاب کو آگے بڑھاتے ہوئے، حالات حاضرہ میں علماء کی ذمہ داری اوران کے منصب و مقام کو واضح کیا۔

دارالعلوم چھاپی میں جلسۂ تقسیم انعامات

دوسری صبح کو پٹن کے لیے روانہ ہونا تھا، ۱۲ بجے کے قریب دن کو حضرت مولانا روانہ ہوئے، اور ہم لوگ دارالعلوم چھاپی میں طلبہ کے تقسیم انعامات کے پروگرام میں شریک ہوکر روانہ ہوئے جہاں حضرت مولانا مدظلہ کی نمائندگی کرتے ہوئے مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی نے تقسیم انعامات کی ذمہ داری انجام دی، اور حضرت مولانا کی غیوبت میں خطبۂ استقبالیہ بلکہ سپاس نامہ اہل جامعہ کی طرف سے وہاں کے ایک مؤقر استاد نے پیش کیا۔

مولانا اسماعیل بھولا ندوی کی فیکٹری میں

پٹن میں ہم لوگ پہلے پہنچ گئے تھے، حالانکہ فیروز پور سے حضرت مولانا کی گاڑی پہلے روانہ ہوئی تھی، راستہ میں یاسین بھائی بھولا کی فیکٹری میں حضرت مولانا مدظلہ نے دعا کرائی۔ یہاں سے جو صنعت تیار ہوتی ہے وہ یورپ اور دوسرے ممالک میں بھی جاتی ہے۔ بڑا کارخانہ ہے اور اس میں انجینئرنگ ان کے بھائی احمد بھائی کی نمایاں ہے، درمیانی بھائی عثمان بھائی میں اور یہ تینوں بھائی صاحب اولاد اور آپس میں یہ سب اور بہنوں کی اولادیں بھی مل جل کر کام کرتے اور ایک ساتھ رہن سہن رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اس کی وجہ سے بڑی برکت دی ہے۔

شفاء اسپتال میں تقریب ودعا

راستہ میں شفا ہاسپٹل میں حضرت مولانا مدظلہ، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی وغیرہ ٹھہرے، ان کی گاڑی میں جناب شاہد حسین صاحب، مولانا اسماعیل بھولا ندوی اور مولانا محمد اختر ندوی اور مولانا سید سحبان ثاقب ندوی بھی تھے، اسلامی اصولوں کے ساتھ اس ہاسپٹل کا نظام یہاں کے علماء کے ہاتھ میں ہے اور پردہ کا بڑا خیال رکھا جاتا ہے، اور ڈلیوری کے مواقع میں بھی اس کا پورا خیال رکھا جاتا ہے۔ مزید خرچ وغیرہ میں بھی اور دوا علاج، آپریشن تمام چیزوں میں انسانی ہمدردی، برادرانہ برتاؤ

اور خیر خواہانہ جذبہ کار فرما رہتا ہے، نمونے کے لیے ایسے مثالی اسپتال جگہ جگہ قائم کرنے کی ضرورت ہے تاکہ اس راستہ سے جو بے اعتدالی پیدا ہوگئی ہے اس کو دور کیا جائے، اور ڈاکٹر مریض کو اپنا گاہک نہ سمجھے اور مریض ڈاکٹر کو اپنا بدخواہ نہ جانے۔

پٹن کا پروگرام

پٹن میں پہنچ کر جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے مہتمم مولانا مفتی احمد دیولوی اور ان کے رفیق کار مولانا عبدالرشید خانپوری ندوی سے ملاقات ہوئی، وہ اگلے ماہ جامعہ کے پروگرام میں حضرت مولانا کے پروگرام کی تفصیل جاننا چاہتے تھے، اور پھر حضرت مولانا کے پہنچنے پر مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مکان پر حضرت سے الگ سے بات کی۔ مولانا عبدالقادر ندوی نے اپنے سادہ مکان کے باہر کمرہ میں ایک چھوٹا سا خلوت خانہ بھی بنایا ہے تاکہ جو ان سے الگ سے بات کرنا چاہیں تو وہ دوسرے کو ہٹائے بغیر خود ہی ہٹ کر اس کی بات سن سکیں، اسی خلوت خانہ میں حضرت مولانا مدظلہ کو ٹھہرایا اور کمرہ میں دسترخوان لگا کر جلدی سے کھانے سے فارغ کرا کے سبھی مہمانوں کے لیے الگ الگ مقامات پر قیلولہ کا نظم کرایا، کھانے میں عربی مزاج کا خصوصی خیال رکھا، جس سے کھانے کا لطف خوب بڑھ گیا۔

جامعۃ النور کا سنگ بنیاد

عصر بعد 'جامعۃ النور' کی تقریب سنگ بنیاد تھی جس میں گجرات کی چیدہ چیدہ شخصیات جمع ہوگئی تھیں، اس موقع پر سنگ بنیاد اور خطاب کا عمل ہوا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے خطاب سے قبل مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی نے جامعہ کے اغراض ومقاصد اور اس کے تعلیمی وتربیتی نظام ومنہج پر روشنی ڈالی، اس کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے خطاب فرمایا، انہوں نے اپنے خطاب میں کہا کہ:

"علم خوب آچکا ہے ایسا پہلے نہیں تھا، قانون ایسے بنائے گئے ہیں کہ علم

سیکھنا لازمی ہو گیا ہے، علم کے جو فوائد ہیں وہ طالب علم کو حاصل ہوتے ہیں دوسروں کو نہیں۔

اسلام وہ دین ہے جو پوری زندگی پر محیط ہے، اس میں زندگی کے تمام شعبے آتے ہیں، ان کے تقاضوں کو وہ پورا کرتا ہے، اور آخرت کی نجات وفلاح اسلام ہی دکھاتا ہے، ایک شخص دنیا کے تقاضوں کو تو پورا کرتا ہے، لیکن آخرت کے تقاضوں کی فکر نہیں کرتا ہے تو وہ آخرت کے فائدے سے محروم رہے گا۔

یہ ضروری ہے کہ ہم دین کا علم بھی سبھی لوگوں تک پہنچائیں، کام ہمارے مدارس دینیہ کر رہے ہیں، لیکن وہ لوگ جو دنیاوی علم کو کافی سمجھتے ہیں اور دین کے علم کی فکر نہیں کرتے، ان کی فکر کی ہمیں ضرورت ہے، اس طبقہ تک ہم دین کی باتیں پہونچائیں۔

ایسا نظام اور ماحول بنانے کی فکر کی جائے کہ وہ نظام اور ماحول مل جائے تو اس میں رہ کر آدمی دین دار بن جائے۔ اس کا ایک تعلیمی نظام اس طبقہ کے لیے بنایا گیا ہے جو دنیا کی تعلیم تو حاصل کرتا ہے مگر دین کی تعلیم سے بے بہرہ ہے، وہ اس تعلیمی نظام میں رہ کر عالم دین بن سکتا ہے، یہاں اس کی طرف توجہ کی جارہی ہے، اس کو فال نیک سمجھتے ہیں، پٹن ایک تاریخی شہر ہے، اور علوم دینیہ کے سلسلہ میں اس کی بڑی پرانی اور زریں تاریخ ہے، اس شہر نے ماضی میں تاریخ بنائی ہے اور مستقبل میں بھی تاریخ بنا سکتا ہے، یہاں کی شخصیتیں تاریخی شخصیتیں بن گئی ہیں، علامہ محمد بن طاہر پٹنی کا نام لینا کافی ہے۔

جو بات مشاہدہ سے، صحبت سے حاصل ہوتی ہے وہ دوسرے ذریعہ سے حاصل نہیں ہوتی، آج دنیا میں کتابوں اور آلات سے علم دیا جاتا ہے، ان سے معلومات تو آجاتی ہیں لیکن دین واخلاق اور اعلیٰ صفات و کردار نہیں آپاتا، عملی صلاحیت صحبت سے حاصل ہوتی ہے، تعلیم کے ساتھ تربیت بھی ضروری ہے،

تربیت کے لیے ماحول کی ضرورت ہوتی ہے، جیسا ماحول ہوگا ویسے ہی افراد بنیں گے“۔

یہ ایک چھوٹا مکتب و مدرسہ تھا، اس کو اعلیٰ پیمانہ پر لے جانے کی کوشش کی جارہی ہے، یہ اچھی فکر و کوشش ہے اور اس شہر کو علم سے جو مناسبت رہی ہے، اس سے اچھی امید و توقع ہے، اور امید کرتا ہوں کہ یہ مرکز جس کا سنگ بنیاد رکھا گیا، آگے بڑا تعلیمی و تربیتی مرکز بنے گا، اور اس سے خوب خیر پھیلے گا“۔

اس سے قبل مولانا عبدالقادر ندوی پٹنی بانی مدرسہ نے اس کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔

مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی ناظم مدرسہ نے کہا جو مقاصد بتائے گئے اور حضرت مولانا نے جو رہنما باتیں ارشاد فرمائیں وہ مشعل راہ ثابت ہوں گی، آخر میں حضرت مولانا دامت برکاتہم کی دعا پر مجلس ختم ہوئی اور فرمایا:

”اے اللہ! اس کو زیادہ سے زیادہ نافع اور مؤثر بنا اور جو لوگ اس موقع پر شریک ہوئے ان کی شرکت کو قبول فرما، اور اس خطہ کی جو علمی و دینی شخصیتیں ہوئی ہیں، ان کے لیے بھی مبارک فرما“۔

پٹن کے دوسرے اداروں اور پروگراموں میں

پروگرام تقریب سنگ بنیاد کے بعد عیدگاہ سے متصل مدرسہ تشریف لے گئے جو مولانا محمد اختر ندوی کے زیر اہتمام چل رہا ہے، پھر ایک اور تعلیمی ادارہ جامعہ کنز مرغوب تشریف لے گئے اور عشاء تک قیام فرمایا، وہاں کے مہتمم مولانا محمد عمران قاسمی کے اصرار پر خطاب کیا اور دعا فرمائی۔

عشاء بعد عمومی اجلاس تھا، اس میں خطاب کے بعد حضرت مولانا مدظلہ پٹن سے فیروز پور اپنی قیام گاہ واپس آگئے، اور صبح ناشتہ وغیرہ سے فراغت کے بعد اگلا سفر شروع کرنے سے پہلے جو چند مقامات پر رکتے رکاتے گودھرا کا تھا اور وہاں

سے اگلے دن علی الصباح لکھنؤ واپسی تھی، جناب یاسین بھائی بھولا کی خواہش پر ان کے سبھی افراد خاندان مع مستورات چھوٹے بڑے سبھی لوگوں کو بیعت کرنا تھا چنانچہ یہ مبارک تقریب بڑی پرانوار رہی اور نصیحت فرمائی: سب شکرادا کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی نعمتوں سے نوازاور کلمہ طیبہ لاالـہ الا الـلـہ اور اللہ اللہ، درود شریف واستغفار کی تسبیحات تلقین کی اور توبہ کے فضائل بتائے اور بتایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بیعت لی ہے، اور کہا کہ قرآن پڑھنے کی حالت میں نہ ہوں تو اللہ کا ذکر کرلیا کریں، کلمہ کا ورد رکھیں۔ اور نصیحت کی کہ بے حیائی سے بچا جائے، اور نماز نہ چھوٹے، اور فرمایا کہ ہم نے آپ کے گھر میں دینداری پائی، اور فرمایا کہ ہم نے حضرت مولانا کے سلسلہ میں آپ کو بیعت کیا۔

سبھی افراد خاندان اور مستورات تھیں اور سب پر رقت طاری تھی، اور عجیب کیفیت تھی۔

ہمت نگر، موڈاسا اور گودھرا میں گذرے لمحات

۸؍مئی ۲۰۱۴ء کی رات سے ۱۱؍مئی کو صبح کے بعد تک ضلع بناس کانٹھا کی تحصیل ورگہ کے قصبہ پالن پور اور اس کے متعلقات فیروز پور، چھاپی، کاکوسی میں وقت گذرا اور ۱۰؍مئی کو دن کا بڑا حصہ اور رات کا ایک حصہ پٹن میں گذرا، جہاں جامعۃ النور، اور عید گاہ سے متصل مدرسۃ الیتامیٰ جو الندیر فاؤنڈیشن کے تحت چل رہا ہے، اور کنز مرغوب جو پٹن کا قدیم ادارہ ہے اور حجاز مقدس میں مقیم نورولی خاندان کی اس کو سرپرستی حاصل رہی ہے، یہ لمحات گذرے، پھر ۱۱؍مئی کو ضلع سانبر کانٹھا میں بیجاپور میں سعید بھائی کے مکان پر اور گڈھا میں معروف تعلیمی، تربیتی ادارے جامعۃ العلوم والتربیۃ الاسلامیۃ میں دن کا وقت گذار کر شام کو موڈرسا کے راستہ سے رات کو گودھرا پہنچ کر ۱۲؍مئی کو علی الصباح اودھ اکسپریس سے لکھنؤ روانگی ہوئی۔

جامعۃ العلوم والتربیۃ الاسلامیہ گڈھا میں بعد نماز عصر حضرت مولانا سید محمد رابع

حسنی ندوی دامت برکاتہم کا خطاب ہوا، حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے یہ فضل فرمایا آپ پر کہ آپ یہاں علم دین حاصل کرنے کے لیے آئے، علم دو طرح کا ہے، ایک معلومات جس سے وہ اپنی زندگی کو مرتب کرتا ہے، جیسے کپڑے پہننا، کھانا پکانا، کھانا کھانا وغیرہ اور بات چیت کے سلیقہ وغیرہ، یہ سب دیکھ کر سن کر اور عقل کا استعمال کر کے کرتا ہے اور سیکھتا ہے، اور یہ بات سب انسانوں میں یکساں ہوتی ہے۔

ایک علم وہ ہے جن سے آخرت کی زندگی اچھی گذرے گی، انہی سب باتوں میں جن کا تعلق دنیوی زندگی سے تھا، اس خیال کے ساتھ کرنا کہ جائز ناجائز کیا ہے، اللہ کی خوشی کا باعث یا ناراضگی کا باعث کیا ہے، اس کا علم دین وشریعت کے علم سے ہوتا ہے، قرآن مجید کے ذریعہ سے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ذریعہ ہوتا ہے، ہم کو وہ معلومات حاصل ہونی چاہئیں جن سے ہم آخرت میں کامیاب ہوں اور وہاں مصیبت میں مبتلا نہ ہوں، یہ علم بہتر سے بہتر طریقہ سے حاصل ہو، اس کے لیے آپ ایک بہترین درسگاہ میں آئے، صحیح طور پر علم حاصل کریں، تیسری ذمہ داری یہ ہے کہ دوسروں کو بھی آگاہ کریں اور دین پر عمل کی طرف راغب کریں، اس طرح عالم بن کر دین پر عامل اور پھر اس کا داعی اور مبلغ و معلم بھی بنتا ہے اور مؤثر بنتا ہے، اگر اس مدرسی زندگی کی قدر نہ کی گئی، اور یہ اوقات ضائع کردیے گئے تو پھر شخصیت بھی مؤثر نہیں بن پائے گی"۔

مولانا سیف الدین اسلام پوری جو اس جامعہ کے بانی و ناظم ہیں، کے ایک عصری اسکول میں گئے جو ہمت نگر میں واقع ہے اور یہ دارارقم ٹرسٹ کی نگرانی میں قائم ہوا ہے جو برادر محترم مولانا خالد بیگ ندوی کی رہنمائی میں کام کر رہا ہے، اور دعا کرائی، پھر موڈاسا جو ۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر تھا مغرب کی نماز کے لیے رکے، قیام مولانا ڈاکٹر علی احمد ندوی [1] (مقیم جدہ) کے بھائی صاحب کے مکان پر رہا، موبائل کی ذریعہ جدہ رابطہ بھی ہوا

(۱) حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ممتاز شاگرد و خلیفہ واستاذ جامعہ الملک عبدالعزیز جدہ

اور مولانا نے اپنے اساتذہ کی آمد پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور خوش آمدید کہا، جو حضرات جمع ہو گئے تھے، ان سے مختصر خطاب میں حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا:

''مولوی علی احمد ندوی اور ان کے گھرانہ سے تعلق کی بنا پر یہاں آکر بڑی خوشی ہوئی، اور آپ حضرات سے مل کر خوشی ہوئی، یہ سب دین کی نسبت سے ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نسبت سے جو چیز ہوتی ہے اس کا دنیا اور آخرت دونوں جگہ بڑا فائدہ ظاہر ہوتا ہے، اور وہ باقی رہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہماری رہنمائی کے لیے قرآن مجید عطا کیا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت دی، اس سے انسان بہ آسانی تاریکی سے روشنی کی طرف نکل سکتا ہے۔ آج دنیا کے حالات بڑے خراب ہوتے جا رہے ہیں، اور مسلمانوں کے حالات بھی خراب ہو رہے ہیں، ان حالات میں استغفار اور توبہ کی بڑی ضرورت ہے اور کلمۂ لا الہ الا اللہ کی کثرت صبح و شام رکھنی چاہیے، اور خوب دعاؤں کا اہتمام رہے، دعا مومن کا ہتھیار اور عبادت و بندگی کا سفر ہے، اور مصائب دور ہوتے ہیں، ہم ہر چھوٹی بڑی چیز اللہ تعالیٰ سے ہی مانگیں، اور ہدایت مانگیں، اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ہماری آنے والی نسلوں میں ایمان اور عقیدۂ توحید و رسالت اور آخرت پر یقین باقی رکھے، آمین''۔

یہاں سے چل کر رات دس بجے گودھرا میں اپنی منزل پر پہنچ گئے۔

دار العلوم رحمانیہ گودھرا میں ایک اہم خطاب اور لکھنؤ واپسی

دار العلوم رحمانیہ گودھرا (گجرات) اتوار ۱۱ر مئی ۲۰۱۴ء رات دس بجے پہنچے، استقبال کے لیے مہتمم دار العلوم مولانا عبد الستار رحمانی، معتمد تعلیم مولانا مفتی محمد ابراہیم آچھودی قاسمی اور اساتذہ و طلبہ سراپا شوق بنے کھڑے تھے، حضرت مولانا تھوڑا آگے بڑھ کر قیام گاہ پر اترے پھر پاپیادہ ان دونوں ذمہ داران جامعہ سے ان کی تکریم میں ملنے کے لیے پیچھے گئے، جب کہ وہ آگے آگے بڑھ رہے تھے، پھر ان کی خاطر تھوڑی دیر باہر

بیٹھ کر اندر آ گئے اور طلبہ کی دل بستگی کے لیے مسجد تشریف لے گئے جہاں طلبہ جمع تھے، طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا دامت برکاتہم نے فرمایا:

”وَذَكِّرْ فَإِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنفَعُ الْمُؤْمِنِينَ.

”بھائیو عزیزو! اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو دینی مدرسہ میں تعلیم کے لیے بھیجا، اس کا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا، بہت معمولی بات معلوم دیتی ہے، اللہ تعالیٰ نے کائنات بنائی اور پورا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے، سارا نظام اللہ تعالیٰ کے نام پر قائم ہے، جب تک اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا رہے گا یہ نظام قائم رہے گا ورنہ توڑ دیا جائے گا، دنیا اللہ تعالیٰ نے تفریح کے لیے نہیں بنائی، انسان کو جانچنے کے لیے بنائی ہے اور اس کی جزا وسزا آخرت میں رکھی ہے، نامۂ اعمال آخرت میں کھلے گا، وہاں آدمی کچھ نہیں کر سکے گا، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل تم پر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن وحدیث کو سمجھنے کے لیے، دین وشریعت کا علم سیکھنے کے لیے، اللہ تعالیٰ کا نام لینے کے لیے بھیجا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی مرضی اور مشیت ظاہر کر دی اور اپنے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے ذریعہ ظاہر کر دی ہے، لیکن اس کو سمجھنے اور جاننے کے لیے قرآن وحدیث کا علم جاننے کی ضرورت ہوئی۔

گودھرا جہاں ہم اور آپ بیٹھے ہیں، اگر یہ نہ معلوم ہو کہاں ہے؟ تو آدمی کیسے پہنچے گا، گودھرا کا دارالعلوم کہاں ہے؟ اگر نہیں معلوم تو گودھرا پہنچ کر بھی دارالعلوم نہیں پہنچ سکے گا۔

اس لیے عمل سے پہلے علم کی ضرورت پڑتی ہے، عمل اس وقت تک صحیح طور پر نہیں کر سکتا جب علم صحیح حاصل نہ ہوگا، تنہا علم بھی کافی نہیں، علم صحیح طور پر حاصل ہو، اور یہ بات ربانی علماء کی صحبت سے حاصل ہوتی ہے، ورنہ تنہا کتاب کا مطالعہ کافی ہوتا، مدرسہ کے نظام میں کتابی علم اور صحبت دونوں کا فائدہ حاصل ہوتا ہے،

اللہ تعالیٰ نے زندگی میں یہ جو موقع دیا ہے اس کی جو جتنی قدر کرے گا وہ اسی درجہ آگے بڑھے گا۔

یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ ہم کو اس نے دین کو سمجھنے کے کام میں لگایا، اب ہماری ذمہ داری یہ بنتی ہے کہ ہم اچھے طریقہ سے دین کی تعلیم حاصل کریں اور پھر دوسروں کو آگاہ کریں"۔

اس مختصر اور پر مغز خطاب کے بعد حضرت مولانا دامت برکاتہم نے دعا فرمائی، رات کے قیام واستراحت کے بعد علی الصباح گودھرا سے لکھنؤ کے لیے روانگی ہوئی، اور اگلے روز ۱۳؍مئی ۲۰۱۴ء کو صبح لکھنؤ یہ قافلہ پہنچا جس کے ارکان میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی، جناب شاہد حسین، مولانا سید سحبان ثاقب ندوی اور راقم الحروف تھا، مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی کی بھی اسی روز واپسی ہوئی، مولانا عبداللہ علاء الدین ندوی، مولانا اسماعیل بھولا ندوی، بلال بھولا فیروز پوری اپنے اپنے مقامات پر روانہ ہو گئے، اور مولوی اختر ندوی دارالعلوم گودھرا میں ٹھہر گئے جو شمالی گجرات کے اس سفر میں مسلسل ساتھ رہے تھے۔

حضرت کے رفیق سفر حیات شاہد حسین صاحب (معاون ناظر ندوۃ العلماء) کو اس دوران دو صدموں سے گذرنا پڑا کہ ان کے ہم زلف اور بہنوئی محمد اوصاف صاحب اور محمد رفیق صاحب رحلت فرما گئے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں کی مغفرت فرمائے اور راضی ہو۔

سفر گجرات

(شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ / جون ۲۰۱۴ء)

سورت، ترکیسر، رویدرا، انکلیشور، کاوی، جمبوسر ڈابھیل، گودھرا وغیرہ میں قیام اور خطابات

سورت میں منیار برادران کی ضیافت میں

سورت میں کوئی پروگرام طے نہیں تھا لیکن ممبئی سے گجرات کے طے شدہ پروگراموں کو پورا کرنے کے لیے بذریعہ کار سفر ہوا تو جمعہ کی شب اور منیار خاندان کے قدیم تعلق کے پیش نظر ان کے یہاں گذارنا طے پایا، دیر رات کو جب ممبئی سے سورت پہنچے تو استقبال کے لیے یہ خاندان چشم براہ تھا، بھائی عبدالحفیظ منیار، بھائی خالد منیار، بھائی بلال منیار، بھائی ابراہیم منیار صاحبان سبھی اپنے افراد خاندان کے ساتھ جمع تھے، قیام شیخ محمود مرحوم کے صاحبزادگان نے اپنے یہاں رکھا، اور بڑی اپنائیت محسوس ہوئی، ۷ر شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ مطابق ۶ر جون ۲۰۱۴ء جمعہ محمد علی مسجد مغل سرائے سورت میں طے ہوا، اور مکہ معظمہ میں مسجد نور کے امام شیخ موسیٰ بلال منیار نے خطبہ دیا، جمعہ کی نماز پڑھائی، اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا۔

بھائی خالد منیار صاحب نے ملاں محمد علی مسجد مغل سرائے سورت سے متعلق اس مسجد کی ۱۱۳۵ھ میں تعمیر شروع ہوئی، ۱۱۳۶ھ میں مکمل ہوئی، "دامن اصحاب بکیر بکو جامع معمور محمد علی است ۱۱۳۵ھ۔

ملاں محمد علی لکڑی کی تجارت کرتے تھے، حلال کمائی کا بہت اہتمام تھا، ایک واقعہ واللہ اعلم سنا ہے کہ انہوں نے ایک لکڑی میں سوراخ کر کے محمد علی نام لکھ کر کسی پانی

کے بادبانی جہاز والے کودی اور کہا کہ جب تم دریا کے وسط میں ہوتو اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دینا، ان شاءاللہ میرا مال حلال مجھ تک اللہ تعالیٰ پہنچادے گا اور ہوا بھی ایسا کہ وہ لکڑی تیرتے تیرتے اس مسجد کے پاس آکر رکی اور انہوں نے اٹھالی، اس میں ان کا لکھا ہوا نام موجود تھا۔

منیار خاندان ۱۹۶۲ء میں یہاں رہنے کے لیے آیا اس وقت اس مسجد میں غلط لوگوں کا قبضہ تھا، شراب پی جاتی تھی، اور غلط عورتیں اس میں غلط کام کرتی تھیں، ان کو نکالنے کے لیے تدابیر اختیار کی گئیں، نمازیں شروع کی گئیں اور مسجد آباد ہونے کی فکر کی گئی۔

الحمدللہ فی الوقت تعمیر نو ہو چکی ہے، مدرسہ ومکتب چل رہا ہے، یہ بڑی تاریخی مسجد ہے جو تین سو سال پرانی ہے۔

حضرت مولانا کا خطاب جمعہ

عزیز بھائیو! اللہ تعالیٰ نے ہم کو جو دولت عطا فرمائی ہے، وہ اسلام کی دولت ہے جس پر صبح وشام جتنا بھی شکرادا کریں، کم ہے، دین کو مکمل کر دیا، قیامت تک آنے والوں کی ضرورتوں کا حل پیش کر دیا، اللہ تعالیٰ انسان کی ضرورت کو دیکھتا ہے، انسان کو جس طرح کی ضرورت اور وسائل چاہیے وہ اللہ تعالیٰ نے پورے فرمائے، جس چیز کی ضرورت جس دور میں کم تھی وہ بھی کم اسی قدر تھی جیسی ضرورت تھی، جب ضرورت جس چیز کی زیادہ ہوئی اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے زیادہ کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو وسائل سے جوڑ دیا ہے، لیکن کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہی ہے، دوا علاج وسائل ہیں مگر شفا دینے والا اللہ تعالیٰ ہے، ہمارے ماموں ڈاکٹر تھے، ان کے پاس ایک مریض آیا، اس کو دوا دی شفا ہوئی، پھر وہی مریض آیا، وہی دوا دی شفا نہیں ہوئی، ان سے صرف یہ غلطی ہوئی کہ دوا پر بھروسہ کر لیا تھا، وسائل اختیار کیے جائیں گے، لیکن بھروسہ وسائل پر نہیں کیا جائے گا۔

موت وزندگی اللہ تعالیٰ کے ہی ہاتھ میں ہے لیکن دنیا میں وہ اسباب رکھتا ہے،

اگر بچہ کو ماں کی شفقت نہ ملے تو بچہ کچھ دن بھی زندہ نہ رہ سکے گا، اعمال پر بھروسہ بھی اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں، انسان کو اپنی عبادات وطاعات پر بھروسہ ہوجائے تو یہ بھی اللہ تعالیٰ کو اچھا نہیں لگتا، ایک شخص کو اپنی عبادت پر ناز ہوگیا تھا، اس کو پیاس میں آزمایا گیا اور وہ ایک کٹورے پانی پر عبادت قربان کرنے کو تیار ہوگیا۔

اسلام کی نعمت کیا ہے؟ اللہ کی کبریائی ووحدانیت کو ماننا، اس نعمت کی قدر اور اس پر جتنا شکر ادا کیا جائے گا اللہ تعالیٰ ویسا ہی نوازے گا اور اسلام کے احکامات وتقاضوں پر عمل کی خوب توفیق دے گا، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، اس کے احکام ومطالبات کو زندگی میں لایا جائے، کوئی ایک گلاس پانی پلادے، آدمی کتنا مشکور ہوتا ہے۔

خیر وعافیت کیا ہے؟ کہ بھوک پیاس کے تقاضے پورے ہوجائیں، عافیت یہ ہے کہ وہ نکل ہی جائے، ذرا سا پیشاب اگر رک جائے یا پاخانہ صحیح نہ ہو تو آدمی کس قدر پریشان ہوتا ہے اور تکلیف ہوتی ہے، کھانا ہضم ہو رہا ہے، خون بن رہا ہے اور سب کچھ صحیح ہو رہا ہے اور پیشاب پاخانہ کا نظام بھی صحیح ہے، پھر بھی جو شکر ادا ہونا چاہیے وہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے کمی نہیں کی بلکہ اپنی نعمتوں سے بھر دیا۔

اللہ تعالیٰ خوش کرنے کے لیے بتائے گا کہ یہ تمہارے اعمال کی جزاء ہے، ورنہ عمل کے مقابلہ جزاء بہت اللہ تعالیٰ نے رکھی ہے، یہی کیا کم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے گھر میں پیدا کیا، جو مسلمان گھرانہ ہے، نیک گھرانہ ہے۔ اس کا تقاضہ ہے کہ ہم سب ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں اور اللہ تعالیٰ کے شکر گذار بندے بنیں۔

ترکیسر اور رویدرا

حضرت مولانا محمد انعام الحسن کاندھلوی قدس سرہ کے رفیق سفر وحضر وداعی دین مولانا محمد بن سلیمان جھانجھی مرحوم کے فرزند مولانا عبداللہ جھانجھی معتمد تعلیم المرکز الاسلامی انکلیشور نے بہت دنوں سے رویدرا آنے کی دعوت دے رکھی تھی، اس کے پیش نظر ان کی دعوت قبول کرنا ناگزیر تھا، انہوں نے کہا تھا کہ قرب وجوار کے علماء اور اہم شخصیات کو

حضرت مولانا سے استفادہ کے لیے جمع کریں گے، اور ایک مختصر پروگرام ترتیب دے لیں گے دو روز قبل ان کو جب ڈابھیل اور جمبوسر کے پروگراموں کی اطلاع دی گئی، تو انہوں نے ایک منتخب مجمع کو جمع کر کے جمعہ کا دن گزار کر رات کو عشاء بعد پروگرام کا انعقاد کیا، جس میں حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تقریر رکھی۔

حضرت مولانا نے صاف صاف لفظوں میں ہر کام کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے جذبہ کے ساتھ انجام دینے کی طرف توجہ دلائی، اور آخرت میں جو اجر و ثواب رکھا گیا ہے، اس پر یقین کرتے ہوئے اعمال انجام دینے کو کہا، اور نام و نمائش کا جو مزاج بن گیا ہے، اس سے ہٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے اور صحابہؓ کے طرز زندگی کے نمونوں کو سامنے رکھ کر سارے کام انجام دینے کو کہا۔ آخر میں حضرت مولانا کی دعا پر جلسہ اختتام کو پہنچا، اور رات گزار کر ناشتہ وغیرہ ضروریات سے فارغ ہو کر آگے کے سفر کے لیے روانہ ہوئے، اور چند گز کے فاصلہ پر ایک مدرسہ میں تشریف لے گئے اور دعا کرائی، پھر گاڑی بھروچ کے لیے روانہ ہوگئی۔

سورت سے براہ ترکیسر رویدرا اترنا ہوا تھا، ترکیسر پہلے پروگرام میں نہ تھا لیکن مولانا محمد اقبال ندوی استاد جامعہ فلاح دارین ترکیسر کے نوجوان صاحبزادے (عمر ۲۱ رسال) کی نہر میں ڈوب جانے سے موت واقع ہو جانے پر تعزیت کے لیے یہ پروگرام اس وقت بنا جب گجرات روانہ ہونے سے قبل ممبئی میں حضرت مولانا دامت برکاتہم کو اس کی اطلاع ملی۔

جمعہ کی نماز سورت میں پڑھی، کھانے اور قیلولہ سے فراغت کے بعد عصر کے قریب روانہ ہوئے اور عصر و مغرب کے درمیان مولانا محمد اقبال ندوی کے مکان پر پہنچ کر اہل خانہ سے تعزیت کی اور مختصر خطاب فرما کر دعا فرمائی، اور صبر و حق پر جمے رہنے کی تلقین فرمائی، فلاح دارین کے اساتذہ و طلبہ اس موقع پر مولانا کے مکان پر ہی ملاقات کے لیے جمع ہو گئے تھے۔

مولانا محمد اقبال دیولہ ندوی (فلاحی، مدنی) حضرت مولانا کے شاگرد اور مسترشد ہیں، اور ہر رمضان میں تکیہ کلاں رائے بریلی آنے کا معمول کی پابندی رکھتے ہیں، اس بار بھی رمضان المبارک میں گھر میں عظیم صدمہ گزرنے کے باوجود تشریف لائے، اور حضرت مولانا نے ان کی استعداد باطنی کو دیکھتے ہوئے اجازت وخلافت سے بھی سرفراز کیا، بارک اللہ فیہ وتقبلہ۔

جامعہ عربیہ نقیب الاسلام کاوی میں

کاوی (بھروج) میں ساحل سمندر پر واقع جامعہ عربیہ نقیب الاسلام میں جو ابھی ۷، ۸ سال قبل قائم ہوا، حضرت مولانا مدظلہ اور ان کے رفقاء کی آمد ہوئی، اس ادارے کے قیام اور تعمیر وترقی میں داعی الی اللہ مولانا احمد لاٹ صاحب ندوی زید مجدہ کا بڑا حصہ ہے جو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مجاز بیعت اور تبلیغی خطابات کے ذریعہ ایک مؤثر شخصیت کے طور پر عالم اسلام میں ایک پہچان رکھتے ہیں اگرچہ سفر پر تھے لیکن وہ برابر اپنے ہم وطن لوگوں اور اپنے مہمان اساتذہ سے رابطہ قائم کئے ہوئے تھے۔ ان کی خواہش پر یہاں کا پروگرام طے پایا، مفتی خلیل صاحب نے جو مدرسہ کو دیکھ رہے ہیں، بڑی مسرت کا اظہار کیا اور مولانا سے فون پر بھی بات کرائی، مولانا اس موقع پر آنا چاہتے تھے لیکن مرکز نظام الدین کی مشغولیت مانع ہوئی۔

مدرسوں کا تعلق دعوت سے بہت گہرا ہے

حضرت مولانا دامت برکاتہم نے بعد نماز مغرب خطاب کیا اور فرمایا کہ:

"اللہ تعالیٰ کسی سے اپنا کام لے، یہ اس کے لیے بڑی عزت وشرف کی بات ہے، مولانا احمد لاٹ صاحب ندوی نے کہا، یہ مدرسہ اپنا مدرسہ ہے، وہاں آپ ضرور جائیں، میں ان کا اپنا مدرسہ سمجھ کر آیا ہوں، میں مہتمم صاحب اور مفتی خلیل صاحب کا شکر گزار ہوں جنھوں نے غیر معمولی اہتمام کیا۔

ہماری معلومات میں ایک نئے مدرسہ کا اضافہ ہوا، یہ دین کی خدمت اور

دین کوقوت پہنچانے کے مراکز میں سے ایک مرکز ہے، ان مدرسوں کی حقیقت اسپتال کی سی ہے اور پاور ہاؤس کی بھی ہے، دینی لحاظ سے مریض یہاں آ کر شفا پاتے ہیں، اور نور نبوت یہاں سے عام ہوتا ہے، اس طرح علاج بھی یہاں سے ہوتا ہے اور بجلی کی سپلائی بھی یہاں سے ہوتی ہے، جس طرح ہر علاقہ میں مدرسہ کی ضرورت ہوتی ہے، دین کی باتیں مدرسوں کے ذریعہ پھیلتی ہیں، دعوت کا کام اگر مدرسہ سے نہیں ہوتا تو مدرسہ اپنی روح سے خالی ہے، مدرسہ کا مقصد ہونا چاہیے کہ اس سے دعوت کا کام ہو، اس کے بانی مولانا احمد لاٹ ندوی اپنے کو دعوت کے لیے وقف کیے ہوئے ہیں، وہ مرکز نظام الدین کے تقاضوں پر وہاں رہ کر اور پھر ملک کے اندر اور ملک کے باہر بھی وقت لگاتے اور رہنمائی کرتے ہیں، ان کا اس مدرسہ کا سرپرست ہونا بہت مبارک ہے۔

مدرسہ کا مسجد سے گہرا تعلق ہے، مدرسے مسجد سے شروع ہوتے ہیں، یہ مدرسہ بھی مسجد سے شروع ہوا۔ مولانا احمد لاٹ ندوی کا اس مدرسہ سے تعلق ہے، اس سے بڑی مسرت ہوئی اور مفتی خلیل احمد صاحب نے جو تعلق کا معاملہ کیا، اس سے بھی تعلق بڑھا، اللہ تعالیٰ اس مدرسہ کو خوب ترقی دے اور اس کے فیض کو عام کرے۔'' آمین

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ اس مدرسہ نے بہت کم مدت میں ترقی کی، کاوی وہ جگہ ہے جہاں کے تبلیغی اجتماع کو دنیا میں شہرت ملی، اور اس کی برکات آج بھی ظاہر ہیں۔

جامعہ عربیہ نقیب الاسلام کاوی ایک تعارف

مبلغ دین حضرت مولانا احمد لاٹ ندوی مدظلہ کی خواہش پر جامعہ عربیہ نقیب الاسلام کاوی تعلقہ جمبوسر ضلع بھروچ میں ۸؍شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ/ ۷؍جون ۲۰۱۴ء کو حضرت مولانا دامت برکاتہم اپنے رفقاء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء وغیرہ کے ساتھ تشریف لے گئے، یہ مدرسہ پہلے کاوی گاؤں کی جامع

مسجد تھا بعد میں ساحل سمندر پر منتقل ہوا، گذشتہ چار سال سے دورۂ حدیث اور امسال تخصص فی الفقہ بھی ہوگیا ہے، مہتمم مولانا عبدالصمد کاوی، سرپرست مولانا احمد لاٹ ندوی مدظلہ اور شیخ الحدیث مولانا مفتی خلیل احمد صاحب ہیں، مفتی خلیل احمد صاحب نے افتاء کی مشق اور سلوک حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی علیہ الرحمہ کی خدمت میں رہ کر طے کیا اور دو سال سفر و حضر میں اپنے استاد و مرشد علیہ الرحمہ کے ساتھ رہے۔

۲۰۰۳ء میں اس کی ابتداء گاؤں میں ہوئی، ۲۰۰۶ء میں ساحل سمندر پر اس کا سنگ بنیاد رکھا گیا، جس میں حضرت مولانا قمر الزماں الٰہ آبادی مدظلہ، مولانا احمد لاٹ ندوی مدظلہ اور مولانا اسماعیل منوبری مدظلہ نے شرکت فرمائی تھی۔ کاوی کی شخصیات میں ایک اہم شخصیت حضرت مولانا محمد یعقوب منشی صاحب کی بھی ہے، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ کے عہد امارت میں جب عالمی تبلیغی اجتماع ہوا تو مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ بھی اس میں شریک تھے، اس لیے ان کو اس جگہ سے پہلے سے اُنس تھا، اس بار وہ اور ان کے ساتھ ہم لوگ ساحل سمندر پر بھی گئے، وہاں پر مغرب کی نماز کا وقت ہوگیا تھا، نماز ادا کرکے واپس مدرسہ آئے، اور حضرت مولانا دامت برکاتہم کے خطاب اور دعا میں شرکت کی۔ ملاقات کے لئے دارالعلوم گودھرا سے مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب آچھودی زید مجدہم حافظ عبد الستار صاحب رحمانی، مولانا محمد اختر ندوی وغیرہ تشریف لے آئے تھے، مولانا مفتی خلیل احمد صاحب کے یہاں عشائیہ تناول کرکے جمبوسر کے لیے روانہ ہوئے جہاں جامعہ علوم القرآن کا سالانہ جلسہ دستار بندی تھا، اور صرف حضرت مولانا دامت برکاتہم کا ہی خطاب رکھا گیا تھا۔

جلسۂ دستار فضیلت جامعہ علوم القرآن جمبوسر، بھروچ

بتاریخ: ۸/شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ کاوی جو جمبوسر سے ۲۵ کیلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، مفتی خلیل صاحب کے ہاں کھانے سے فارغ ہوکر رات کو جامعہ جمبوسر حضرت مولانا

اوران کے رفقاء پہونچ گئے۔

صبح ناشتہ مولانا مفتی احمد صاحب دیولوی مدظلہ بانی و مہتمم جامعہ علوم القرآن جمبوسر نے اپنے مکان پر کرایا، دوپہر کا کھانا ان کے بھائی مولانا محمد دیولوی کے ہاں ہوا، اور عصر کو ڈابھیل کے لیے روانگی ہوئی جامعہ علوم القرآن کے سالانہ اجلاس میں حضرت مولانا دامت برکاتہم صدر اجلاس اور مہمان خصوصی تھے اوران کی نسبت سے اطراف کے لوگ علماء وعمائدین بھی بڑی تعداد میں تشریف لائے اور حضرت مولانا دامت برکاتہم کا خطاب بڑی اہمیت کا حامل اور ایمان ویقین اور دینی حقائق کی طرف توجہ دہانی کا حامل خطاب تھا جسے بہت پسند کیا گیا اور بعد میں اسے مولانا مفتی احمد دیولوی صاحب نے کتابی شکل میں شائع کرا کر عام کیا جو پیش نظر کتاب تحفہ گجرات میں شامل ہے حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری صاحب شیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل بھی تشریف لے آئے تھے کہ اگلا پروگرام جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سالانہ اجلاس میں شرکت وصدارتی خطاب کا تھا۔

۹ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ کو عصر کے وقت جمبوسر سے ڈابھیل کے لئے حضرت مولانا دامت برکاتہم اوران کے رفقاء کی روانگی ہوئی ۔رات مہمان خانہ میں گزاری گئی اوردن کو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے سالانہ ر پروگرام میں حضرت مولانا دامت برکاتہم نے صدارتی خطاب فرمایا۔

خطبۂ صدارت اجلاس ڈابھیل

مؤرخہ ۹ شعبان المعظم ۱۴۳۵ھ جمبوسر سے عصر کے وقت روانہ ہوکر مغرب وعشاء کے درمیان ڈابھیل پہونچے۔اس وقت طلبہ میں مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ کا پروگرام تھا، وہ جمبوسر سے ساتھ آنا چاہتے تھے مگراس پروگرام کی وجہ سے انہیں پہلے روانہ ہونا پڑا، قیام مہتمم جامعہ مولانا محمد سعید بزرگ صاحب نے مہمان خانہ ہی میں رکھا، دوسرے دن اپنے معمولات سے فارغ ہوکر اپنے پروگرام کے وقت حضرت مولانا مفتی احمد خان پوری مدظلہ کے ساتھ جامعہ کی عالیشان مسجد پہونچے اور خطاب فرمایا۔

علم وفن میں اختصاص اور کمال چاہئے

بعد حمد وصلاۃ کے حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا:

''بھائیو اور عزیزو! مجھ کو ذمہ داروں نے بلند جگہ بٹھا دیا ہے، ورنہ میں آپ ہی میں سے ایک ہوں، اور طالب علم ہوں درجہ میں فرق کے ساتھ، اور اس کے بعد فارغ ہونے کے بعد بھی درجات ہوتے ہیں، جیسے صلاحیت و استعداد بڑھتی ہے، اسی طرح درجات بھی بڑھتے ہیں، فارغ ہونے والوں کو ایک مسئلہ یہ در پیش آتا ہے کہ وہ جہاں پڑھ رہے ہوتے ہیں وہاں سے رخصت بھی ہوتے ہیں، علم حقیقت میں حاصل نہیں ہو جاتا، علم حاصل کرنے کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، فارغ ہونے والوں کو سمجھنا چاہیے کہ اب وہ ایک نئے مرحلہ میں داخل ہو رہے ہیں، قاعدہ یہ ہوتا ہے کہ آدمی اپنی ضرورت کے مطابق علم حاصل کرتا ہے، اور اس کے مطابق ذمہ داری انجام دے، کوئی کسی فن میں اختصاص وکمال پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے، مفتی کو فقہ پر عبور حاصل کرنا ہوتا ہے، اور اصول فقہ میں مہارت پیدا کرنا ہوتی ہے کہ جو نئے مسائل سامنے آتے ہیں، قرآن و حدیث کی روشنی میں ان کا حل بتا سکے، مصادر کی طرف رجوع کرنا پڑے گا، کوئی کسی علم وفن میں اختصاص پیدا کرتا ہے، تو اس میں کمال پیدا کرنے کے لیے اس کو وقت اور محنت درکار ہوتی ہے، اور جب صلاحیت کمال کی پیدا ہو جاتی ہے، تو وہ مفتی ہو جاتا ہے، محدث ہو جاتا ہے، مفسر، ادیب و مصنف ہا جاتا ہے، جو بھی پڑھنے پڑھانے سے تعلق رکھتا ہے، وہ طالب علم ہی ہے، طالب کو استاد پہلے پڑھاتا نہیں تھا جب تک یہ معلوم نہ کر لے کہ وہ مطالعہ کر کے آیا ہے، اس لیے محنت کی بڑی ضرورت پڑتی ہے۔''

''الکتاب'' کا مطلب وتفسیر

دوسری بات یہ ہے کہ کوئی چیز اتفاقی نہیں ہے، یہ خیر اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی

طے کردی ہے جسے "الکتاب" سے تعبیر کیا ہے، ساری تفصیل اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی مقرر کر دی، اسی تفصیل و تقدیر کے اعتبار سے دنیا چلتی ہے، میں یہ اس لیے کہہ رہا ہوں کہ آپ یہاں علم دین پڑھنے یوں ہی نہیں آ گئے، اللہ تعالیٰ نے یہاں بھیجا آپ اللہ تعالیٰ کا شکریہ ادا کریں، اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت کے خلاف نہیں ملے گا، آپ یہاں پڑھنے آئے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایسا بنانا چاہتا ہے کہ آپ یوں ہی اس دور میں نہیں آ گئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس دور میں رکھا، شکر کا تقاضا یہ ہے کہ آپ اس دور کے تقاضوں کو سمجھ کر انسانیت کی رہنمائی کریں۔

ذرائع اسباب اللہ کے بنائے ہوئے ہیں

اللہ تعالیٰ نے نظام یہ بنایا کہ ذریعوں سے کام لے، وہ چاہتا تو بغیر ذریعہ کے کام لے لیتا لیکن اللہ تعالیٰ نے ذرائع بنائے البتہ ذرائع و اسباب اصل نہیں ہیں، مسبب الاسباب پر نظر ہونی چاہیے، کتنی خوشی اور شرف کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلم گھرانہ میں پیدا کیا۔

خلافت فی الارض کا مطلب و منشا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو دنیا میں اپنا خلیفہ بنایا، خلیفہ اپنی من مانی نہیں کرتا، جس نے خلیفہ بنایا اس کی مرضی کے مطابق کام کرے گا، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں خلیفہ کا لفظ استعمال کیا ہے تو جو شخص جتنی اللہ کی اطاعت و فرمابرداری اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری میں جتنا مضبوط ہوتا جاتا ہے وہ اس تعبیر کا اتنا زیادہ مستحق ہوتا جاتا ہے اور اس کی برکات اس کو حاصل ہوتیں ہیں اس لئے ہر معاملہ میں ہمیں اللہ کے حکم اور مرضی و منشاء کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوہ حسنہ کو دیکھنا اور اس کو اختیار کرنا چاہئے، اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے جو صورتحال پیدا فرمادی، اس کے مطابق اس صورت حال میں جو کام لینا ہے اسی کے مطابق سوچئے، آپ کہاں ہیں؟ آپ ایسے ملک میں ہیں جہاں مختلف مذاہب اور مختلف طبقات کے لوگ رہتے ہیں، ان

میں کام کرنا ہے، ان کے درمیان رہ کر اپنی ذمہ داریاں انجام دینی ہے، کام اللہ تعالیٰ لیتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں حالات کی خرابیوں کو دور کرنے کے لیے لوگ پیدا کیے، انہوں نے اس زمانہ کے خطرات کا دانشمندی سے مقابلہ کیا، انہی کو ہم آپ مجدد اور مصلح کہتے ہیں، علم دین کے ذریعہ سے آپ کو دین کے تقاضہ کو پورا کرنا ہے، اور اللہ تعالیٰ آج کے فتنوں کے زمانہ میں ہمیں آپ کو پیدا کیا، اب ان نعمتوں کو سمجھ کر ان کا مقابلہ کرنا ہماری اپنی ذمہ داری ہے۔

دنیا میں کسی کا وجود بلا مقصد نہیں ہے

انسان کو دنیا میں یوں ہی نہیں بھیجا گیا ہے تفریح کے لیے کہ بس سیر کرتا پھرے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نے اپنے نفس کو خواہش پر چلنے سے روکا، اصل یہ ہے کہ اللہ کی پسند کو ترجیح دینا، "اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنَا كُمْ عَبَثاً وَّاَنَّكُمْ اِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ" (المؤمنون:۱۱۵) ۔ پوچھا جائے گا کہ تم کو جس کام کے لیے پیدا کیا، اس کی صلاحیت سے وہ کام کیا کہ نہیں کیا؟

یہ آیت بڑی نصیحت آموز اور تنبیہ والی ہے یوں تو پورا قرآن کریم ہی نصیحت والا ہے اور کتاب ہدایت ہے یہ آیت بہت ہی جھنجھوڑنے والی اور ہلا دینے والی ہے، ایک بڑے بزرگ حضرت ابراہیم ابن ادہم کے بارے میں آتا ہے کہ ان پر اس آیت کا ایسا اثر پڑا کہ نہ صرف وہ تارک سلطنت ہو گئے بلکہ زاہدوں کے سردار بن گئے جن کے زہد کی مثال دی جاتی ہے۔

بات یہ ہے کہ سمجھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے کام کے لیے پیدا کیا ہے، ہماری صلاحیت کے اعتبار سے ہم پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے، آپ ایسے ملک میں ہیں جہاں آپ اکثریت میں نہیں ہیں، مسلمانوں کے معاملات ہمیں خود طے کرنا ہے، اور خود انجام دینا ہے کہ مسلمان اپنا ایمان بنائیں، صحیح زندگی گزاریں، اگر ہماری حکومت ہوتی تو ذمہ داری ساری حکومت کے ذمہ ہوتی۔ دیکھئے مسلمان کتنے منحرف ہو گئے، کھلا ہوا

شرک عام ہو چکا ہے، اور کتنی بدعات وخرافات، رسوم وغیرہ عام ہوگئی ہیں۔

”اینقص الدین وانا حی“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے سانحہ عظیم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جب دین کے بعض حکموں پر عمل اور بعض سے اعراض کی کیفیت سامنے آئی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے صاف طور پر فرمایا کہ: ”أینقص الدین وأنا حیّ“ کہ میرے ہوتے ہوئے دین میں کمی وزیادتی کی بات کی جائے، یہ نہیں ہوسکتا۔

اپنی محنت اور کمال پر نظر نہ رہے

مفتی بنئے، قاضی بنئے، معلم بنئے، مصنف بنئے، داعی بننا، اور جو بات اور تقاضا سامنے آئے، وہ کرے، یہ ذمہ داری مدرسہ سے فراغت کے بعد عائد ہو جاتی ہے، خود یہ دیکھنا ہے کہ ہم کس میدان عمل میں زیادہ کارآمد ہو سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے علم اور عقل کی ایسی صلاحیت دی ہے، جو دوسری مخلوق کو نہیں ملی، اللہ تعالیٰ کے فضل پر نگاہ رہے، وہ بلا استحقاق دیتا ہے، کوئی یہ نہ سمجھے کہ ہم نے اپنی محنت اور کمال سے یہ چیز حاصل کی ہے، یہ بات اللہ تعالیٰ کو بہت بری لگتی ہے، قارون نے یہ کہا تھا کہ ہم نے یہ دولت مال کی دولت اپنی محنت سے حاصل کی ہے، سب دَھرا رہ گیا۔

میں آپ سب سے یہ بات اسی لیے کہہ رہا ہوں کہ میں مدرسہ کا ہی آدمی ہوں، اور میں پڑھاتا ہوں انتظامی کام اور ذمہ داری کے ساتھ۔

یہاں آکر طبیعت بڑی ہشاش بشاش ہوئی، اتنے لوگوں نے علم حاصل کیا، اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے کام پر چلنے کی تیاری کی، میں یہاں پہلے بھی آچکا ہوں، اس درسگاہ کی میرے دل میں بہت قدر ہے، آپ ایسی عظیم درسگاہ میں پڑھنے آئے، اللہ تعالیٰ آپ کو نوازے اور قبول فرمائے۔ آمین

دستار بندی کی تقریب

حضرت مولانا دامت برکاتہم کے خطاب کے بعد فضلاء جامعہ وحفاظ کرام کی دستار بندی عمل میں آئی، سب کے سروں پر حضرت مولانا اور دوسرے مہمانوں نے اور ذامہ داران مدرسہ نے دستار رکھی اور دعا دی، پھر مہمان خصوصی کے طور پر استاذ محترم مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی ندوی (سابق استاذ تفسیر واصول تفسیر دارالعلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ) کا خطاب ہوا، انہوں نے حضرت مولانا کی تقریر کے اہم نکات کو لے کر سورۂ یوسف کی روشنی میں ایمان افروز خطاب کیا، اور حالات حاضرہ میں علماء کی کیا ذمہ داری بنتی ہے، اس کو واضح کیا۔

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل ایک معروف دینی و تعلیمی ادارہ ہے، اس کو اس وقت سے زیادہ شہرت ملی جب دارالعلوم دیوبند سے یگانۂ روزگار محدث وفقیہ علامہ انور شاہ کشمیریؒ علیحدہ ہو کر ڈابھیل کی اس تعلیم گاہ تشریف لائے، اور ان کے چشمۂ علم وعرفاں سے فیضیاب ہونے کے لیے دور دور سے لوگ ٹوٹ پڑے، ڈابھیل سے متصل گاؤں سملک ہے ڈابھیل کی تعلیم گاہ کے ذمہ داروں کا تعلق اسی سملک گاؤں سے ہے اور جامعہ کے موجودہ مہتمم مولانا محمد سعید بزرگ بھی اسی گاؤں سملک سے تعلق رکھتے ہیں، انہوں نے اجلاس کے تمام مہمانوں کو اجلاس کے اختتام پر اپنے گھر کھانے پر مدعو کیا۔

خانقاہ محمودیہ میں

سملک سے قیلولہ کا وقت گزارنے کے لیے حضرت مولانا دامت برکاتہم اور ان کے رفقاء جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے شیخ الحدیث مولانا مفتی احمد خانپوری مدظلہ کے محلہ محمود نگر تشریف لائے اور ان کے مہمان خانہ (خانقاہ محمودیہ) میں قیام کیا، یہ دونوں انتساب حضرت مولانا مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ہے جو حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ کے استاد مربی اور شیخ ومرشد تھے، مفتی صاحب، مہتمم صاحب سبھی حضرات بڑے اکرام ومحبت سے پیش آئے، مفتی صاحب کے یہاں سے رخصت ہو کر ممبئی کی راہ لی۔

عالی پور میں چند لمحات اور ممبئی واپسی

البتہ راستہ میں عالی پور کے مدرسہ میں کچھ رک کر دعا کرائی، اس مدرسہ میں ایک ندوی فاضل مولانا نسیم اطہر ندوی استاد ہیں، مولانا مفتی احمد دیولوی کا تقاضہ تھا کہ یہاں ضرور حاضر ہوا جائے۔ غالبًا ان کے ایک صاحبزادے مولوی ارشد صاحب استاد بھی ہیں۔ اس پورے سفر میں بھائی اسماعیل بھولا ندوی بڑے معاون اور اچھے رفیق ثابت ہوئے، ان کی دو گاڑیاں ساتھ رہیں، جو بڑی آرام دہ تھیں، راستہ میں رکتے رکاتے یہ سفر بخیر وخوبی انجام پایا۔

سورت، ترکیسر، رویدار، کاوی، جمبوسر اور پھر ڈابھیل کے پروگراموں کو انجام دیتے ہوئے ممبئی واپسی ہوئی، اسماعیل بھولا ندوی کے یہاں ایک شب گزار کر پھر 'سہاگ پیلس' ممبئی آئے اور وہاں سے بھٹکل اور پھر بھٹکل میں ایک دو روز قیام کر کے کیرالا کا سفر طے پایا۔

اسی دوران فائن ٹچ دینیات کے ذمہ دار رفیق بھائی دودھ والا حضرت مولانا دامت برکاتہم سے ملنے 'سہاگ پیلس' آ گئے، اور اپنے تعلیمی، دعوتی کاموں کا تعارف اور اپنے دارالاشاعت کی کتابوں کا ایک سیٹ پیش کر کے مشورہ چاہا، ان کی گفتگو اور ان کے ادارہ دینیات کے رفقاء کی گفتگو سے جو بات راقم نے سمجھی، وہ نذر قارئین کی جا رہی ہے۔

ادارہ دینیات (ممبئی سنٹرل)

۱۔ فائن ٹچ دینیات اسکول

۲۔ شعبۂ تحقیق ودعوت واحیاء مکاتب

اصل پیش نظر کام منظم مکاتب کے ذریعہ کل مسلمانوں میں مکمل اسلام کے احیاء کی کوشش ہے، ۲۰۰۵ء میں فائن ٹچ میں مکتب کا قیام ہوا، اور اس کے دس سالانہ جلسے ہو چکے ہیں، سالانہ جوڑ ہوتا ہے جس میں ملک وبیرون ملک میں ادارہ سے منسلک مکاتب سنٹر کے ذمہ داروں کو جوڑا جاتا ہے، اور تین روزہ ورک شاپ میں مکاتب کے چلانے کے

متعلق گفتگو ہوتی ہے، کشمیر سے کنیا کماری تک مکاتب ہیں، ملک بھر میں ہزار ہا مکاتب ملحق ہیں، ساؤتھ افریقہ، تنزانیہ، سنٹرل امریکہ، تھائی لینڈ، انڈونیشیا بنگلہ دیش جیسے ممالک میں بھی قائم ہیں، مکتب میں اجتماعی تعلیم کا نظم ہے، ایک استاد کے پاس ۱۲اور ۱۵ طالب علم کی گنجائش رکھی گئی، اور صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ کا اسکول ہے کہ اسکول کی تعلیم جاری کرتے ہوئے بچہ مکتب میں ایک گھنٹہ دے کر دینیات کا واقف ضرور ہو جائے۔

نصاب کی ترتیب کے لیے شعبۂ تحقیق و تصنیف قائم کیا گیا، اور مکاتب کے نصاب کی کتابوں کو جمع کیا گیا اور مدرسی نصاب و تبلیغی نصاب کی طبع جدید اور تحقیق کا کام بھی جاری ہے، جس میں صحیح البخاری کے صحیح نسخہ کی عبارت اور فضائل اعمال و منتخب احادیث کی بھی اعلیٰ طباعت ہے، مکاتب کی نگرانی ادارہ کے افراد اور مقامی طور پر وہاں کے اشخاص کرتے ہیں۔

لڑکیوں کی تعلیم کے لیے مستورات کے نظم کی طرف ادارہ توجہ دلاتا ہے، تعلیم بالغان کے لیے الگ نصاب اور نظم ہے، اور نابینا افراد کو قرآن مجید اور دین کی بنیادی باتیں سکھانے کا نظم بریل زبان میں ہے، لوئی بریل اس کا موجد ہے، اور یہاں ساؤتھ افریقہ کے مولانا حسن عبدالقادر مرچی (خلیفہ مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) کی نگرانی میں یہ کام شروع ہوا، ان کے تربیت یافتہ مولانا مزمل ندوی تربیت دیتے ہیں، ادارہ کے بانی رفیق دودھ والا صاحب نے مولانا حسن عبدالقادر مرچی کا تعاون لے کر کام شروع کیا۔

مولانا حسن عبدالقادر مرچی کا اصل تعلق گجرات سے ہے، مگر وہ ساؤتھ افریقہ میں رہتے ہیں، کئی رمضان حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ساتھ تکیہ کلاں رائے بریلی میں گذار چکے ہیں، پھر یہ تعلق ان کے جانشین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے قائم کیا، اور ان کے مجاز بیعت و ارشاد بھی ہیں۔ بھائی رفیق دودھ والا کا تعلق بھی اصلاً گجرات ہی سے ہے، مگر وہ ممبئی میں مقیم رہ کر اپنے منصوبوں کو عمل میں لا رہے

ہیں، دعوت وتبلیغ میں وقت لگاتے ہیں، اور حضرت مولانا احمد لاٹ ندوی صاحب مدظلہ کی ان پر خاص نظرعنایت ہے، ابھی چند سال قبل ایک بڑا سنیما گھر خرید کر اس کو دینی و اسلامی سینٹر بنانے کا کام کیا، جو ہر مہینہ تربیتی ورک شاپ ادارہ منعقد کرتا ہے، جس میں مکتب، نظام، نصاب جو مختلف زبانوں میں ترجمہ کرا کر اور قرآن مجید کی اعلیٰ ترین اور معیاری ترین طباعت بھی نظم ہے، 'اہم چیریٹیبل ٹرسٹ' کے تحت یہ سارا کام انجام پارہا ہے، مولانا ارشد ندوی، مفتی وسیم احمد فلاحی، مولانا نسیم اختر قاسمی حضرت مولانا کی خدمت میں 'سہاگ پیلس' آئے کہ حضرت ادارہ کا وہ حصہ جو ایک ٹاکیز کی عمارت کو خرید کر دعوتی اور تعلیمی و تحقیقی مرکز کے طور پر حاصل کیا گیا ہے، تشریف لائیں اور رہنمائی فرمائیں۔ حضرت نے ان حضرات کو دعا دی اور فرمایا اگلے سفر میں ان شاء اللہ حاضری ہوگی اور پھر راقم الحروف نے حاضر ہو کر معائنہ کیا اور یہاں کا کام دیکھ کر بڑی مسرت و حیرت ہوئی۔

☆☆☆

دورہ گجرات

صفر المظفر ۱۴۳۷ھ-نومبر ۲۰۱۵ء

مہاراشٹر، گجرات اور مدھیہ پردیش کے سفر

نندوربار شہر میں

لکھنؤ سے اکل کوا کے لیے بھساول اسٹیشن پر چار گھنٹے رک کر آگے جانا تھا، چنانچہ بھساول میں وہاں کے مسلم وغیر مسلم حضرات اور نندوربار کے بعض عمائدین نے استقبال کیا اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے ملک اور سماج کی ضروریات وترجیحات کے متعلق کچھ گفتگو فرمائی، اسٹیشن کا عملہ بھی خدمت میں لگا رہا، نندوبار پہونچنے پر ایک جم غفیر استقبال کے لیے تھا، جمعرات ۵رنومبر کو پونے ۸ربجے رات کو نندوربار اسٹیشن پر ہم سب پہونچے اور گاڑیاں اکل کوا جانے کو تیار تھیں، مولانا حذیفہ وستانوی حضرت مولانا کو اپنی گاڑی پر اکل کوا لے گئے، جو نندوربار سے پچاس کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے، اس مسافت میں انہیں یہاں کے سماج، تہذیب، تعلیم، موجودہ ترقی اور جامعہ اشاعت العلوم کے بارے میں تفصیل سے گفتگو کرنے کا اچھا موقع ملا، اکل کوا میں سیدھے وہ اپنے گھر لے گئے جہاں ان کے والد اور جامعہ کے بانی مولانا غلام محمد وستانوی صاحب چشم براہ تھے، کچھ انہوں نے تفصیلات بتائیں، ان کی باتوں سے معلوم ہوا یہاں کی آبادی آدی واسیوں کی تھی جن کا کلچر تہذیب وتمدن سے عاری اور لباس سے خالی تھا، ۱۴۰۰ھ مطابق ۱۹۸۰ء میں مولانا غلام محمد وستانوی دار العلوم کنتھاریہ میں زیر تعلیم اکل کوا کے دو طالبعلم کی دعوت پر اکل کوا آئے تھے، گاؤں کی مسجد میں وعظ، پھر

مکتب کے قیام اور پھر جامعہ کی تاسیس سے انہوں نے اس علاقہ کو تعلیمی وثقافتی ترقی دی اور پھر یہیں طرح اقامت ڈال دی، اسی گاؤں کے قبرستان میں ان کے والد مدفون ہیں، بھائیوں نے ان کا ساتھ دیا جن میں حافظ محمد اسحاق صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں جو نائب رئیس الجامعہ ہیں، ناظم تعلیمات مولانا حذیفہ وستانوی ہیں، شروع میں ایسی دشواری تھی کہ نندور بار سے اکل کوا جانے میں تلودہ سے گذرنا پڑتا تھا اور ۵۲ نالے پڑتے تھے، اس طرح نندور بار سے چار سو کلو میٹر ممبئی جانا تو آسان تھا لیکن اکل کوا جو پچاس کلو میٹر پر ہے، جانا مشکل تھا، کئی کئی گھنٹے سواری کا انتظار کرنا پڑتا تھا، نندور بار کی پانچ تحصیلیں ہیں، اکل کوا، اکرانی، شہادہ، نواپور، تلودہ، نواپور میں ایک ادارہ دارالاحسان ہے، جہاں مفتی محمود پانڈولی کے بھتیجے مفتی جنید صاحب خدمت انجام دے رہے ہیں، نندور بار شہر کے پہلے عالم مولانا زین العابدین جامعہ حسینیہ راندیر سے تعلیم حاصل کر کے دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ گئے تھے اور وہاں بھی پڑھا تھا، یہ سب حضرات نندور بار میں حضرت سے ملے، عبدالصمد شیخ امجد صاحب کے مکان پر قیام رہا، قاری عبدالحمید پانڈولی مرحوم ان کے داماد تھے جن کا پانڈولی میں بنات کا اچھا مدرسہ ہے، حاجی شفیق منیار، حاجی عبدالباری منیار کے بھی مکان پر جانا ہوا، معلوم ہوا یہاں ملک وملت کی مایۂ ناز شخصیات قدم رنجا فرما چکی ہیں، حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، مولانا ابوالوفاء شاہجہاں پوریؒ، مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ، مولانا قاری سید صدیق احمد باندویؒ کی اکل کوا کی وجہ سے بار بار تشریف آوری ہوئی ہے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ ۱۹۷۱ء میں گجرات کے کسی دعوتی سفر میں نندور بار جو نذر آباد کہا جاتا تھا، ہوتے ہوئے تشریف لے گئے تھے، ان سب کی یادیں آج بھی قائم ودائم ہیں۔

جلسۂ عام

اصلاح معاشرہ وپیام انسانیت کا عوامی جلسہ اہل نندور بار کی پیاس بجھانے کے لیے رکھا گیا تھا اور یہ پروگرام تھا کہ علی الصباح یہاں سے بذریعہ ٹرین بھساول

اور پھر پشپک ایکسپریس سے لکھنؤ اسی روز روانہ ہوجائیں گے مگر اللہ کی طرف سے دوسرا نظام طے تھا، چنانچہ اگلے روز ۹ رنومبر کو صبح انکلیشور اکل کوا سے گذرتے ہوئے روانگی ہوئی، مولانا غلام وستانوی صاحب کی طبیعت چونکہ سیمینار کے بعد شوگر کم ہوجانے کے باعث بگڑ گئی تھی، اللہ تعالیٰ نے شفادی مگر نندور بار وہ تشریف نہ لاسکے، اکل کوا میں راستہ میں وہ ملنے آئے اور بڑے تعلق کا اظہار کیا۔

جلسہ کو مولانا سراج ملی نے شروع میں چلایا، پھر مولانا قاری عبدالرحیم فلاحی نے، پھر مولانا حذیفہ وستانوی (فرزند گرامی حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب) نے یہاں بھی مہمانوں کو استقبالیہ پیش کیا اور اس کے ذریعہ اہل نندور بار سے متعارف کرایا جس میں تعلق کا غیر معمولی اظہار تھا، جلسہ میں مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی، پروفیسر انیس چشتی پونا نے بھی خطاب کیا، آخری خطاب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کا ہوا اور انہی کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

گجرات اور مدھیہ پردیش کا غیر متوقع سفر، رویدرا (انکلیشور) میں

نندور بار سے بھساول اور وہاں سے لکھنؤ کا ٹکٹ کنفرم نہ ہوئے، سفر کا نظام تبدیل ہوا، مولانا عبداللہ جھانجی ابن مرحوم مولانا محمد بن سلیمان جھانجی کو اسکا ملال تھا کہ وہ اکل کوا ملنے نہ آسکے، اور ان کی خواہش تھی کہ واپسی کا نظام انکلیشور کے راستہ سے ہو، شمالی ہندوالوں کے لیے اکل کوا پہونچنے کے یہ دو راستے ہیں، بھساول سے نندور بار ہوتے ہوئے یا انکلیشور سے بائی روڈ، اس طرح آئے ہم لوگ بھساول کے راستہ سے اور واپس ہوئے انکلیشور کے راستہ سے گودھرا، جھابوا، اندور، بھوپال میں ٹھہرتے ہوئے، جہاں حضرت مولانا مدظلہ نے اپنے ملفوظات ومواعظ کے ذریعہ اہم امور کی طرف متوجہ کیا۔

ناشتہ اور ضروریات سے فارغ ہوکر نندور بار شہر سے جہاں رات کا پروگرام اور قیام تھا، جامعہ اشاعت العلوم اکل کوا کی گاڑی سے اور بھائی اسماعیل بھولا ندوی کی سواری سے رویدرا کے لیے روانہ ہوئے، جہاں ظہر کو پہونچ کر نماز پڑھی، کھانا کھایا، آرام کیا اور

پھر اطراف کے علماء ملنے آنے شروع ہوگئے، گاؤں سے نکل کر مولانا عبداللہ جھانجی نے عصر اور مغرب کے وقت اپنے فارم ہاؤس میں ایک مجلس رکھی، یہ مجلس دعا تھی جو مدرسہ کے قیام کی مناسبت سے رکھی گئی، وہاں سبھی حاضرین نے مغرب کی نماز پڑھی اور پھر حضرت مولانا نے مختصر خطاب کیا اور دعا فرمائی۔

مدرسہ محمدیہ کا قیام وتاسیس

مولانا عبداللہ جھانجی نے اپنے والد مولانا محمد بن سلیمان جھانجی کی یادگار میں مدرسہ کے قیام کا ارادہ کیا ہے، جو آج ۹ رنومبر ۲۰۱۵ء کو حضرت مولانا مدظلہ کی دعا اور سرپرستی میں عمل میں آیا اور ان کے نام کی مناسبت سے مدرسہ محمدیہ تجویز ہوا، حفظ وقرأت اور ابتدائی دینیات کے ساتھ یہ آگے بڑھے گا ان شاء اللہ۔

اس موقع پر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی، جناب شاہد حسین صاحب، مولانا اسماعیل بھولا ندوی، مولانا موسیٰ ماکروڈ، ان کے فرزند مولانا محمد اسماعیل ماکروڈ، مولانا محمد رفیق شیخ الحدیث المرکزالا اسلامی انکلیشور، مولانا محمد ایوب ناظم جامعہ قاسمیہ کھروڈ اور دوسرے حضرات موجود تھے، رات کا قیام مولانا عبداللہ جھانجی کے مکان پر ہی تھا، انہوں نے حضرت مولانا کو اپنی زیر تالیف کتاب "سوانح مولانا محمد بن سلیمان جھانجی" کے بعض حصے سنائے جو بڑے مؤثر تھے اور دونوں بزرگوں سے مقدمہ لکھنے کی فرمائش کی جو منظور ہوئی۔

مستورات میں خطاب

مولانا عبداللہ جھانجی کے مکان پر ۹ رنومبر کو دن ہی میں پہونچ گئے تھے، اگلے روز صبح واپسی ہوئی اور اس سے قبل مستورات میں حضرت مولانا نے مختصر خطاب فرمایا اور کہا کہ:

"مولانا عبداللہ صاحب جو خیال کرتے اور محبت کرتے ہیں، ان کا تقاضا ہوا کہ یہاں ہو کر جائیں، اللہ تعالیٰ کو یہی منظور تھا کہ ان کی خواہش پوری

ہو اور محبت ظاہر ہوئی، یہاں پروگرام بھی ہوئے، ان کے گھر والوں نے جو خیال رکھا اس کے ہم شکر گزار ہیں، اللہ تعالیٰ جزائے خیر عطا فرمائے، سہولت ہو گئی، یوں بھی برکت پہلے سے چلی آرہی ہے، ان کے والد صاحب جو محنت کر رہے تھے اور نیک صفات کی زندگی تھی، اس کی بھی برکتیں ہوتی ہیں، تعجب کی بات نہیں کہ اس گھر میں برکتیں ہوں گی، اور جو یہاں رہیں گے اور پیدا ہوں گے، اس کا فائدہ ان کو بھی پہونچے، قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ باپ نیک ہوں گے تو اولاد کو فائدہ پہونچے گا، ہمیں خوشی ہے کہ ہم یہاں آئے، آپ لوگوں نے خیال رکھا، ہم بڑی اچھی یادوں کے ساتھ یہاں سے جارہے ہیں"۔

رویدرا سے جہاں گذشتہ روز آس پاس کے مدارس کے ذمہ داران، علماء اور اہل دین ملاقات کے لیے اور رات کے پروگرام میں شرکت کے لیے آگئے تھے، جس میں جامعہ مظہر سعادت کے ناظم مولانا مفتی عبداللہ پٹیل ہانسوٹ، ان کے بھائی مولانا عبدالرحمٰن اور فرزند مولوی عبیداللہ وغیرہ تھے، بڑے ہی تعلق کا اظہار کیا، ان حضرات کا وطن یہی رویدرا ہے، اور ضیافت کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ اپنی گاڑی ساتھ کی کہ گودھرا کا سفر اس گاڑی سے کریں، بعد میں جب انہیں معلوم ہوا کہ کئی مدارس کو اپنی تشریف آوری سے مشرف فرما کر گودھرا گئے تو یہ شوق ظاہر کیے بغیر مفتی صاحب نہ رہے کہ ہم ہی کیوں محروم رہ گئے، اگر ایسا تھا تو ضرور ہم بھی دعوت دیتے، مفتی صاحب ادھر خاصے بیمار ہو گئے تھے، الحمدللہ اب صحت یاب ہیں اور پڑھا بھی رہے ہیں، لیکن کمزور بہت نظر آئے، مفتی صاحب کی بہن مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کو منسوب ہیں، اس طرح مولانا وستانوی کا رویدرا سے بھی گہرا رشتہ ہے، اور ان کے کاموں میں مولانا عبداللہ جھانجی بھی بڑے معاون ہوتے ہیں، اگرچہ جامعہ قاسمیہ کھروڈ میں رات کو راقم ہوا آیا تھا اور خطاب بھی کیا تھا مگر مدرسہ کے ناظم تعلیمات مولانا محمد ایوب فلاحی صاحب (خلیفہ حضرت مولانا محمد یونس جون پوری) کی دیرینہ خواہش تھی کہ یہاں حضرت کبھی تشریف

نہیں لائے اس بار ضرور تشریف لے آئیں چنانچہ وہاں ہوتے ہوئے المرکز الاسلامی انکلیشور پہونچے، مدنی دارالتعلیم والتربیۃ کرمالی اور جامعہ حمیدیہ للبنات، انجمن حمایت الملت بھی جانا ہوا۔

المرکز الاسلامی انکلیشور میں حضرت مولانا کا خطاب

حضرت مولانا مدظلہ نے المرکز الاسلامی کی وسیع وعریض مسجد میں اساتذہ وطلبہ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

''یہ ہمارے مدارس صفہ کی نقل ہیں، صفہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے اور حضور کا عمل سنت ہوجاتا ہے، اہل صفہ مسجد نبویؐ سے متصل چبوترے پر رہتے اور سیکھنے سکھانے کا عمل کرتے اور مسائل جانتے اور دین سیکھنے کے لیے پڑے رہتے تھے، جو مل جاتا کھالیتے، بھوک برداشت کرتے، حدیثیں سینہ میں محفوظ کرتے، بڑی مسجد کو جامع اور بڑے مدرسہ کو جو جامع علوم ہوتا ہے، جامعہ کہتے ہیں، مدرسہ چھوٹی تعلیم گاہ اور بڑی تعلیم گاہ دونوں کو کہتے ہیں، یہ اصطلاح بعد میں بنی۔

جو عالم اور درس والا ہوتا مسجد میں ایک جگہ بیٹھ جاتا، اس کو لوگ گھیر لیتے اور اس سے سیکھنے سکھانے لگتے، ہم نے جامع قزوین، فاس، مراکش میں دیکھا وہاں بڑا کتب خانہ ہے، کتابیں وہاں دیکھیں، ہرن کی کھال دیکھی، کاندھہ پر کی جھلی کو نکال لیتے تھے، اس پر لکھتے تھے اور ایک دو ورق نکال پاتے تھے، جو کتاب چاہی جاتی تو وہ قلمی لکھوالی جاتی، کتابیں اسی طرح پھیلیں، آج علم کا حصول جتنا آسان ہوگیا ہے پہلے آسان نہ تھا۔

علم بہت باغیرت چیز ہے، بے اعتنائی کے ساتھ نہیں آتا، جو اس پر محنت کرتا ہے اس کی طرف لپکتا ہے، اسے علم آتا ہے، آج کے دور میں علم پر محنت کا رواج بہت کم ہوگیا ہے، اچھی صلاحیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم اپنی

صلاحیت اس پر وقف کردیں، رواروی اور سرسری طریقہ سے علم حاصل نہیں ہوسکتا، یہ نظام جو علم حاصل کرنے کا ہے، اس کا قرآن مجید میں ذکر ہے:

”وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَآفَّةً ۚ فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوْا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْا اِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ“. (التوبة:۱۲۱-۱۲۲)

یہاں نفر کا لفظ استعمال ہوا ہے، ذھب کا استعمال نہیں ہوا ہے، نفر کا لفظ جنگ و جہاد کے لیے استعمال ہوتا ہے، جنگ میں جو جاتا ہے سمجھ کر جاتا ہے کہ ہوسکتا ہے شہید ہوجائیں واپسی نہ ہو، پوری صلاحیت کے ساتھ جاتا ہے، نفر کے لفظ میں بہت سے معانی پوشیدہ ہیں، تمام کاموں سے یکسو ہوکر اسی میں لگ جائے اور پھر تفقہ کا لفظ باب تفعل میں استعمال ہوا ہے، محنت و مشقت اور یکسوئی سے علم حاصل کیا جائے، اس آیت میں طریقۂ حصول علم کو بالکل واضح کردیا گیا ہے، مدارس کے نظام میں حاضری، امتحان وغیرہ کا جو نظام ہے، وہ سب اسی لیے کہ طالبعلم کو یکسوئی حاصل ہو اور چاہے نہ چاہے اس میں محنت کرے۔

ذمہ داران اس کا خیال کرتے ہیں کہ اس مقصد سے جو آیا ہے اس کا خیال کیا جائے لیکن طالبعلم کے لیے یہ ہے کہ وہ اس آرام کو مقصود نہ بنائے، پہلے یہ نظام نہ تھا، امتحان نہ حاضری، لیکن لوگ اس کے خود سے پابند ہوتے تھے، حضرت مولانا عبدالباری ندویؒ بڑے عالم اور بزرگ گزرے ہیں وہ کہتے تھے کہ امتحان اور حاضری وغیرہ کو ختم کردینا چاہیے جس کے اندر سچی طلب ہو اس کو پڑھایا جائے تب اچھے نتائج نکلیں گے، ان کو اس میں اتنی شدت تھی کہتے تھے کہ جن مدارس میں نگرانی کی ضرورت ہو امتحان وغیرہ میں، ان مدارس کو بند کردینا چاہیے، محی السنۃ حضرت مولانا ابرارالحق حقی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے تھے کہ طالبعلم کی امانت کا امتحان لیا جائے، ان کو امتحان میں آزاد چھوڑ دیا جائے پھر دیکھا جائے، جس کو اللہ تعالیٰ کا خیال نہ ہو وہ قرآن وحدیث کے علم میں کیسے ترقی

کرے گا۔ لعلھم یحذرون جو فرمایا گیا، تو یہ بات پہلے اپنے کو بتائے، پھر دوسرے کو، پہلے خود اپنے کو جو سیکھا اور جانا اس پر عمل کا عادی بنائے اور پھر دوسروں کو، جو خود عمل سے کورہ ہو گا تو دوسرے اس کا کیا اثر قبول کریں گے؟

علم انسان کی اصل خصوصیت ہے، حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے اسی کا اشارہ دیا گیا ہے، تو آخرت کے ڈرانے کا عمل علم کے ذریعہ بھی ہوتا ہے، لعلھم یحذرون میں اسی طرف اشارہ ہے۔

المرکز الاسلامی میں ناشتہ کا بھی نظم تھا، مدرسہ کے شیخ الحدیث مولانا محمد رفیق ممتاز عالم وفاضل ہیں، پہلے دار العلوم بڑودہ میں تھے، اب یہ مدرسہ ان کی خدمات لے رہا ہے، تمہیدی خطاب اور مہمانوں کا تعارف انہوں نے ہی کرایا، مدرسہ کے مہتمم مولانا محمد موسیٰ ماکروڈ، ان کے فرزند مولانا محمد اسماعیل ماکروڈ، مدرسہ کے استاذ مولوی قطب اللہ ندوی اور ناظم تعلیمات مولانا عبداللہ جھانجی نے بڑا خیال کیا اور پھر ہم لوگ سیدھے گودھرا کے لیے روانہ ہوئے۔

گودھرا میں

اکل کوا میں حضرت مولانا مفتی ابراہیم آچھودی اور مولانا عبدالستار صاحب (عم مکرم مولانا محمد اسماعیل گودھرا) نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا کہ حضرت مولانا دامت برکاتہم کی واپسی گودھرا ہو کر ہو، چوں کہ روٹ دوسرا بن رہا تھا، اس لیے اس کا وعدہ نہیں کیا جاسکا مگر کس دل سے یہ تمنا ظاہر ہوئی تھی کہ یہ نظام بن گیا، اس مناسبت سے ایک پروگرام مولانا محمد اختر ندوی اور ان کے رفقاء نے شہر گودھرا کی مسجد دار السلام میں عصر بعد رکھ لیا اور علماء وخواص کو دعوت دی، احمد آباد، پٹن، پالن پور تک سے علماء آگئے، حضرت مولانا دامت برکاتہم سے پہلے مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی نے مختصر خطاب کیا پھر حضرت مولانا کی تشریف آوری ہوئی اور انہوں نے فرمایا کہ:

"انسان کی طبیعت اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ وہ نیکی کو نیکی اور بدی

کو بدی سمجھتا ہے، اگر چہ اچھائی کو اچھا برائی کو برا نہ کہے پھر بھی اس کا ضمیر اچھائی کو اچھا اور برائی کو برا کہتا ہے اور جو ذہول ونسیان ہو جاتا ہے یہ غفلت تذکیر ووعظ سے دور ہوتی ہے، تذکیر وموعظت سلیقہ سے ہو تو اس میں اثر ہوتا ہے، بدسلیقگی سے نقصان پہونچتا ہے، نام لے کر کسی کو کہنا یہ سنت کے خلاف ہے، بات کہدی جائے دوسرے نہ سمجھیں کہ کسے کہی جارہی ہے، سب اپنا محاسبہ کریں اور جن کے متعلق ہوگی وہ خود سمجھ لے گا، محاسبہ بہت کم ہو گیا ہے، اپنے نفس کا محاسبہ بڑے خیر کا باعث اور روحانی ترقی کا ذریعہ ہے کہ ہم سے گناہ تو نہیں ہوا، فوراً توبہ کرے، گناہ اپنا اثر رکھتا ہے، نیکی اپنا اثر رکھتی ہے، غذا اپنا اثر رکھتی ہے اور اپنی جگہ رکھتی ہے، جیسے دوا کا الگ الگ فائدہ ہے، گناہ کا اثر دل پر بھی ہوتا ہے، بدن پر بھی ہوتا ہے، آدمی سمجھتا ہے کیا کیا بیماری ہے، کوئی بات ہو دل پہلے محسوس کرتا ہے، پہلے حکیم نبض دیکھ کر بتادیتے تھے کہ کیا مرض ہے، کیا غذا کھائی وغیرہ۔

نیکی اور بدی کو سمجھیں اور نیکی بدی کا اثر ہوتا ہے، اس کو بھی سمجھیں، بارش کا نہ ہونا، غلہ مہنگا ہونا، آفات ومصائب کا آنا، ظالم حکومت کا مسلط ہونا، یہ سب باتیں غور کرنے کی ہیں، ان پر غور کرنے اور اپنا محاسبہ کرنے سے نیکی کو اختیار کرنا آسان ہے"۔

دارالعلوم گودھرا میں خطاب

جامعہ رحمانی دارالعلوم گودھرا میں بعد نماز مغرب اپنے مختصر خطاب میں حضرت مولانا مدظلہ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر کچھ نہیں ہوتا، چھوٹی چیز ہو یا بڑی سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، اس نے نظام ایسا بنایا ہے جیسا ہم دیکھ رہے ہیں اور سمجھ رہے ہیں، دوا کھائی فائدہ ہو گیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ جب چاہے دوا کی تاثیر سلب کرلے، ایمان سب سے بڑی دولت ہے، ایمان بالغیب اصل ہے، ذرائع پر ایمان، اسباب

پر ایمان، اس سے شرک فی الایمان ہو جاتا ہے، آگ کی تاثیر جلانا ہے، اللہ تعالیٰ نے یہ تاثیر سلب کر لی، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جلا نہیں سکی، آگ خود سے کچھ نہیں کر سکتی، اللہ تعالیٰ کے حکم کو دیکھتی ہے، پانی اللہ تعالیٰ کے حکم کو دیکھتا ہے، یہ انسانی مخلوق جناتی مخلوق اس میں آزاد ہے اور حقیقت میں وہ بھی آزاد نہیں ہے، انسان امتحان میں ڈالا گیا ہے اور انسان کا حال یہ ہے کہ اس کو جو ماحول ملتا ہے، ویسا بنتا ہے، بہت کم لوگ ماحول کے خلاف کر پاتے ہیں، اس لیے اچھے ماحول، اچھی تربیت، اچھی تعلیم، یہ اچھا انسان بننے کے لیے ضروری ہیں اور دینی مدرسہ میں یہ تینوں باتیں حاصل ہوتی ہیں، کل آپ پڑھ لکھ کر سب سے الگ اور ممتاز ہوں گے، یہ راستہ جنت کا راستہ ہے، کوئی بھی عمل ہو جب تک یہ یہ علم نہیں ہوگا کہ اس کا صحیح طریقہ کیا ہے سنت کا طریقہ کیا ہے، تو وہ صحیح طور پر نہیں انجام پائے گا، علم سستی چیز نہیں ہے، جیسی محنت ہوگی ویسا علم ملے گا، دینی علم کا حصول اور اس میں کھپانا بہت افضل کام ہے، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا کام ہے، اسی سے خشیت پیدا ہوتی ہے، اللہ نے فرمایا:

"اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ". (فاطر:۲۸)

خطاب کے بعد گودھرا کی اہم شخصیات اور اہل تعلق اور وہ حضرات جو دوسرے مقامات سے آئے ہوئے تھے، ملنے کے لیے آئے، یہ کچھ دیر حضرت مولانا مدظلہ کے پاس بیٹھے اور پھر روانہ ہوئے۔

رات کا قیام اور اندور کا سفر

رات کا قیام گودھرا کے دارالعلوم میں ہوا البتہ صبح کی ٹرین سے لکھنؤ روانہ ہونا تھا، ٹکٹ کنفرم نہ ہونے کی وجہ سے اندور کا سفر طے ہوا کہ اندور کے اہل تعلق برابر تقاضہ رکھتے رہتے ہیں، ندوۃ العلماء کے سابق نائب ناظم مولانا معین اللہ ندویؒ کے صاحبزادے مولانا قاضی عبداللہ ندوی چند دن قبل لکھنؤ آئے بھی تھے، ۱۱ر بجے دن کو یہاں سے ۱۱ر نومبر کو روانگی ہوئی، دو گاڑیاں تھیں، ایک دارالعلوم سے کر دی گئی اور

دارالعلوم کے مہتمم مولانا عبدالستار بھی ساتھ روانہ ہوئے، تاکہ اپنے شیخ کو اندور تک چھوڑیں اور ساتھ رہیں، مولانا اسماعیل بھولا ندوی کی گاڑی بھی ساتھ تھی، مولوی محمد ڈابھیلی اور بھائی بلال بھولا بھی ساتھ تھے، اس طرح ایک دومقامات پر رکتے رکاتے اندور پہونچے تو رات کے ۹/بج رہے تھے۔

جھابوا اور میگھ نگر میں کچھ وقت

گجرات ختم ہوا، مدھیہ پردیش کے گجرات سے متصل علاقہ جھابوا اور میگھ نگر میں کچھ وقت رک کر آگے بڑھنا طے ہوا، مولانا بشیر احمد مظاہری ۳۰، ۳۵/سال سے یہاں سرگرم عمل ہیں، انہوں نے بتایا کہ ان کا مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے تعلق رہا ہے اور ان کے نام حضرت مولاناؒ کے سات خطوط بھی ہیں، حضرت مولاناؒ ہی کی رہنمائی میں انہوں نے مدھیہ پردیش کے دینی پسماندگی کے شکار اس علاقہ میں کام شروع کیا تھا، یہاں ۵۶ کلومیٹر کے فاصہ پر اجھیرہ وہ مقام ہے جہاں کے مولانا معین اللہ ندوی مرحوم تھے جن کی ندوہ کے لیے خدمات ناقابل فراموش ہیں، جامعہ سعادت العلوم ٹرسٹ کے تحت قیام مدارس ومکاتب اور اسکول کے ساتھ تعمیر مساجد کا کام انجام پارہا ہے اور اب اس کا میدان صرف رہائشی حدود میں نہیں بلکہ ملک میں پھیل گیا ہے، جامعہ سعادت العلوم کے تحت مکاتب ۴۵، مساجد ۳۵۰، اسکول ۱۶/اور بورنگ سات سو ہوئیں، جمعیۃ عبداللہ النوری کویت سے اچھا رابطہ ہے، ان کے فرزندان مولوی رضوان ڈابھیلی، مولوی سلیمان قاسمی خوش مزاج، بااخلاق اور فکرمند نوجوان عالم دین ہیں اور ندوی فاضل مولوی قسیم ندوی ان کے اچھے معاون ہیں جو جمعیۃ عبداللہ نوری کے شعبہ مشاریع میں ذمہ دار ہیں۔

جامعہ سعادت العلوم میگھ نگر میں

اوجھا میں مولانا بشیر احمد مظاہری کے مکان پر دوپہر کا کھانا تناول کیا تھا، وہاں سے میگھ نگر میں ان کے مدرسہ سعادت العلوم جو میگھ نگر ریلوے اسٹیشن پر واقع ہے،

دعا کرا کر اندور کے لیے روانہ ہوئے، سعادت العلوم میں مولانا کے صاحبزادگان مولوی سلمان قاسمی، مولوی رضوان ڈابھیلی ساتھ رہے، مدرسہ کی عالیشان مسجد اندر جا کر حضرت مولانا نے دیکھی اور سعادت العلوم سوسائٹی کے تحت جو قیام مدارس و مکاتب اور تعمیر مساجد کا مدھیہ پردیش، راجستھان کے علاقہ میں خاص طور پر ان کے ذریعہ کام ہو رہا ہے، اس کی تفصیلات معلوم کیں، ساڑھے تین سو مساجد، ۱۰۰؍ مکاتب اور ان کا مدرسہ سعادت العلوم۔

اوجھا اور میگھ نگر مدھیہ پردیش میں ہے اور گجرات و راجستھان کی سرحدیں اس سے متصل ہیں، ٹھیک اسی طرح گودھرا گجرات سے کہ اس سے مدھیہ پردیش راجستھان ملے ہوئے ہیں اور اکل کوا جو مہاراشٹر میں ہے، گجرات اور مدھیہ پردیش کی سرحدیں اس سے ملی ہوئی ہیں، گودھرا میں جامعہ رحمانی دار العلوم گودھرا یہ خدمت انجام دے رہا ہے اور اکل کوا میں جامعہ اشاعت العلوم اپنے بانی و ناظم مولانا غلام محمد وستانوی کی سربراہی میں یہ خدمت انجام دے رہا ہے، میگھ نگر میں مولانا بشیر احمد مظاہری کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے قدیم تعلق رہا ہے اور ان کی خدمت میں وہ حاضری بھی دیتے رہے ہیں اور مراسلت بھی رکھی ہے، بڑا لائق قدر ان کا کام ہے۔

مدرسۃ الفلاح آزاد نگر اندور میں

مدرسۃ الفلاح آزاد نگر میں عشاء کے وقت پہونچے تو طلبہ واساتذہ کی قطار استقبال کے لیے کھڑی تھی، دوسرے دن جمعرات ۱۲؍نومبر ۲۰۱۵ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے خطاب فرمایا، پہلے اساتذہ سے الگ گفتگو کی، پھر طلبہ سے مسجد میں خطاب کیا، جس میں توجہ دلائی کہ:

"سارا نظام معلومات پر چل رہا ہے، اس لیے حصول علم میں ہمیں برابر سرگرداں رہنا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے دو زندگی رکھی ہے، ایک دنیا کی پھر موت کے بعد آخرت کی زندگی، آخرت کی زندگی اچھی اور بری جو ہوگی وہ یہاں کی دنیوی

زندگی کے مطابق ہوگی، یہاں کی اچھائیوں کا اثر آخرت کی زندگی پر پڑے گا، جہاں کی ضرورتیں کیسے پوری ہوں گی؟ اس کو جاننا علم دنیا ہے، دین کا علم دونوں کو جامع ہے، دنیا کا علم شریعت کے احکام کو سامنے رکھ کر عائلی مسائل، سماج، سیاست، لین دین، کاروبار سب میں کیا جائے، یہ دنیا کا علم بھی علم آخرت سے بن جاتا ہے کہ اس کے ذریعہ بھی آخرت کی زندگی کو سنوارا جا سکے گا، چہ جائیکہ خالص عبادات وغیرہ کا علم اور مدارس میں پڑھائی جانے والی کتابیں، ان سب کی جامع ہوتی ہیں، قرآن مجید کے علم کو حدیث شریف میں کھول کھول کر بیان کیا گیا اور پھر اس کے ذریعہ فقہ کا علم وجود میں آیا، حدیث کی کتابوں اور فقہ کی کتابوں میں دنیا کو دین کے مطابق گزارنے اور خالص دین کے اعمال کو سنت کے مطابق گزارنے کا پورا علم مدوّن کر دیا گیا ہے، لیکن یہ علم سرسری طور پر حاصل نہیں ہوگا، اس کے لیے محنت کرنی ہوگی، سرسری علم فائدہ نہیں پہونچاتا، بس اس سے تفریح طبع کا کام ہوتا ہے، محنت اور توجہ سے علم حاصل کیے جانے کی صورت میں دوسروں کے افادہ کا سامان بھی ہوتا ہے، کسی کی بھی ضرورت پوری کرنا کتنا اچھا کام ہے اور آخرت کی ضرورت کوئی پوری کر دے تو یہ کتنا بڑا کام ہے، یہ علم جو مدارس میں دیا جا رہا ہے، یہ دنیا میں بھی فائدے دے گا اور آخرت میں بھی فائدہ دے گا اور جو علم کالج اور عصری اسکول میں دیا جا رہا ہے، اس کا فائدہ وقتی اور ناقص ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس علم کے بتانے جاننے والے عام ہیں اور اس علم کے جاننے اور بتانے والے جو آپ مدرسہ میں حاصل کر رہے ہیں، کم اور خال خال ہیں، اس لیے آپ کو اس کی قدر کرنی چاہیے اور یکسو ہو کر اس میں کمال ومہارت پیدا کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ توفیق دے اور راضی ہو اور اس مدرسہ کے قائم کرنے والے مولانا معین اللہ ندویؒ اور چلانے والے ان کے متعلقین اور اخلاف کو خوب جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے معاونین کے تعاون کو قبول فرمائے۔'' آمین۔

بھوپال میں

اندور سے بھوپال بھی گاڑی سے سفر ہوا، مولانا اسماعیل بھولا ندوی اپنے رفقاء کے ساتھ ممبئی اور مولانا عبدالستار گودھرا روانہ ہوئے، مولانا رات کو عشاء کے وقت قدیم میزبان مولانا کلیم الرحمٰن خان ندوی (فرزند حضرت مولانا محمد سلمان خاں ندوی بھوپالی مرحوم) کے مکان پر پہونچ کر قیام کیا گیا، تاج المساجد کے ذمہ داران مولانا احسن علی خاں ندوی، جاوید صاحب وغیرہ اور دوسرے اہل تعلق قاضی سید مشتاق علی ندوی، مولانا سید بابر حسین ندوی وغیرہ حضرت مولانا سے ملنے آئے، اسٹیشن پر ڈاکٹر حسان خاں، حکیم حسین صاحب چھوڑنے آئے، راقم الحروف نے مولوی قاسم خاں ندوی اور مولوی معاذ خاں ندوی کے ساتھ ان کا نوخیز ادارہ دارالعلوم علی میاں (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ) دیکھا جہاں لگ بھگ چار سو طلبہ زیر تعلیم ہیں اور اقامتی ادارہ ہے، پھر اس مقام پر بھی گئے جہاں اس کا ایک حصہ منتقل ہوگا، وہاں بڑی کشادہ مسجد اور زمین ہے، دونوں جگہ جمعہ سے قبل کا خطاب مجھ سے کرا گیا اور جمعہ اور کھانے سے فراغت کے بعد ۱۴ رکلومیٹر دور تبلیغی اجتماع گاہ دیکھنے گئے، زبردست انتظامات کے ساتھ یہ عالمی اجتماع ۲۸، ۲۹، ۳۰ رنومبر کو منعقد ہوا، وہاں سے واپسی عین مغرب کے وقت قیام گاہ پر ہوئی اور مغرب بعد علی الفور لکھنؤ کے لیے عازم سفر ہوئے، اس طرح یہ طویل سفر جو نندوربار سے شروع ہوا تھا، بھوپال پر ختم ہوا، جو ایک ہزار کلومیٹر کی مسافت کا تھا اور جمعہ کی شام کو بھوپال سے چل کر ۱۴ رنومبر ۲۰۱۵ء کو علی الصبح لکھنؤ پہنچے، والحمد للہ اولاً وآخراً۔

☆☆☆☆☆

سفر گجرات

(ربیع الاول ۱۴۳۷ھ/ جنوری ۲۰۱۶ء)

شمع اسکول گجرات، سردھانک ویلفیئر ٹرسٹ احمد آباد کا تعلیمی پروگرام

جناب افضل بھائی میمن نے گذشتہ رمضان المبارک ۱۴۳۶ھ میں وعدہ لیا تھا کہ شمع اسکول کا پروگرام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے زیر صدارت کرنا ہے، چنانچہ ان کو ۲۳، ۲۴/ جنوری ۲۰۱۶ء کی تاریخ حضرت مولانا کے مشورہ کے بعد جناب شاہد حسین نے دی، اور منصور مہتہ صاحب ممبئی اور اویس سریش والا صاحب احمد آباد وغیرہ کی سفارش پر یہ پروگرام طے ہوا، ۲۲/ جنوری کی رات کو چل کر صبح سویرے احمد آباد پہونچے، جہاں افضل بھائی میمن، اویس سریش والا اور ظفر سریش والا کے بیٹے اور بعض دوسرے لوگ استقبال کے لیے موجود تھے، حضرت مولانا مدظلہ کی طبیعت ناساز ہوگئی تھی، اس لیے وہ دوسرے دن کے پروگرام میں شرکت نہ فرما سکے، اشفاق بھائی اور ان کے بیٹے اسجد سلمہ نے اچھی خدمت کی اور دعائیں لیں۔

پہلے دن کے پروگرام میں جسٹس احمدی صاحب، مولانا غلام محمد وستانوی، جناب ڈی اے ستیہ (I.A.S) نے خطاب کیا، اور حضرت مولانا مدظلہ نے صدارتی خطاب فرمایا، اویس سریش والا صاحب نے اسکول کی تفصیلات سے آگاہ کیا۔

زبان کے ساتھ کیفیات اثر ڈالتی ہیں

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کا خطاب

''بھائیو اور دوستو، حاضرین جلسہ! ابھی آپ محترم جسٹس احمدی صاحب کی

باتیں سن رہے تھے، انہوں نے مجمع کا خیال کرتے ہوئے اپنی زبان میں بات کی اور ہم چندلوگ اگر چہ استفادہ نہ کر سکے لیکن اندازہ ہوا کہ تعلیم کے تعلق سے بڑی مفید باتیں فرمائیں۔

زبان کا مسئلہ اہم مسئلہ ہے، مخاطب کی زبان میں بات کہی جائے تو زیادہ مفید ہوتا ہے، صرف الفاظ نہیں ہیں، زبان کے ساتھ کیفیات اثر ڈالتی ہیں، سبھی چاہتے ہیں کہ بات ان کی زبان میں کی جائے، اس کا جسٹس صاحب نے خیال رکھا۔

حضرات! تعلیم کی ہمیشہ اہمیت رہی ہے، اب سبھی کو اس کا احساس ہونے لگا ہے، پہلے معلومات محدود تھیں اور محدود درجہ تک تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی تو آپ نے پوری انسانی برادری کا خیال فرمایا، اور علم کی طرف توجہ دلائی، چنانچہ عربوں نے علم میں ایسی ترقی کی کہ دوسری قوموں میں جا کر علم کو فروغ دیا، عرب تاجر دور دراز گئے، یہاں گجرات آئے، مالابار گئے، سندھ آئے، ملیشیا، انڈونیشیا وغیرہ کہاں کہاں گئے، مراکش گئے، اسپین گئے، اور وہاں کے کلچر پر اثر انداز ہوئے، اور آج تو دنیا ایک دوسرے سے بالکل جڑ گئی ہے، اس لیے بھی علم کی طرف توجہ دینے کی بہت ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو دوسری مخلوقات پر امتیاز علم اور عقل سے دیا ہے، اگر اس کی طرف توجہ نہیں دی گئی، تو دوسروں کے لیے فائدہ مند نہیں ہوسکتا، ہم فائدہ اٹھاتے بھی ہیں، اور فائدہ پہونچاتے ہیں، آج علم بہت وسیع ہوگیا ہے، کوئی پورا علم حاصل نہیں کرسکتا لیکن جتنا اس کے بس میں ہے، وہ تو علم حاصل کرے اور اتنا حصول علم ضروری ہے، جس سے ہمارا سابقہ ہے، ایک سابقہ دینی ضرورت کا ہے اور ایک دنیا کی ضرورت کا علم ہے، مسلمان کے لیے دینی علم کی بہت ضرورت ہے، اور اس کے لیے اس وجہ سے دوہری ذمہ داری ہوجاتی ہے، اخروی علم اوپر سے آتا ہے، انبیاء

کے ذریعہ آتا ہے، ہم کو وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ملا لیکن آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ نے دنیا کو نظر انداز نہیں کیا، دنیا پر چل کر ایسا دکھایا کہ جس سے ایک انسان مفید انسان بن سکے، اور دنیا کو صحیح طریقہ سے اللہ تعالیٰ کی چاہت اور پسند کے مطابق چل کر ایک رہبر انسان کی طرح دوسروں کی رہنمائی کر سکے، اس سلسلہ کا یہ بھی پروگرام ہے، اور یہ اسکول کام کر رہا ہے، ہمارے مولانا غلام محمد وستانوی اس میں رہنما کام انجام دے رہے ہیں، اکل کوا میں دو مہینے پہلے جا کر ان کا ادارہ دیکھا، اور ابھی ۴ دن پہلے اورنگ آباد مہاراشٹر میں ان کا قائم کردہ میڈیکل کالج دیکھا، اسپتال دیکھا، اس طرح ان کے تعلیمی، رفاہی سبھی خدمات کی بڑی قدر آئی، اور یہاں آکر یہ تعلیمی تجربات دیکھے، اور اس کے پروگرام میں شرکت کی سعادت ملی، اس وقت یہ کرنے کے ضروری کام ہیں، اگر ان سے غفلت برتی گئی تو اس کا خمیازہ ہماری نئی نسل کو بھگتنا پڑے گا، عصری تعلیم اسلامی روح اور مزاج کے ساتھ دینے کا کام بہت ہی ضروری کام ہے، ہم مبارک باد دیتے ہیں اور دعا بھی کرتے ہیں"۔

اس جلسہ کو مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہ نے بھی خطاب کیا۔

دارالقرآن سرخیز احمد آباد میں تقریب ختم قرآن

شہر احمد آباد میں ایک دو دن گذار کر اس سے ۱۲ ارکلومیٹر کے فاصلہ پر سرخیز علاقہ آباد ہے جو مسلم اکثریتی علاقہ ہے، وہیں ارشد پارک ہے، جو ایک بڑی کالونی ہے، اس میں داخل ہوتے ہی چند مکانات کے بعد اس کالونی کے معمار عادل بھائی، ماجد بھائی وغیرہ کا سبزہ زار اور اس کے سامنے ممبئی میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے میزبان محمد بھائی مرحوم (ممبئی اندھرا ٹرانسپورٹ ممبئی) کے پوتوں بھائی عبدالعزیز پٹنی، بھائی عبدالحفیظ پٹنی کے مکانات ہیں، دونوں کے والد عبدالرشید پٹنی صاحب سفر پاکستان پر تھے، اس لیے حیدرآباد سے چچا ابوالحسن بھائی تشریف لے آئے تھے، ان کے تقاضہ پر

یہاں قیام اختیار کیا گیا اور قریب ہی دارالقرآن والے خواہشمند ہوئے کہ کسی بہانے حضرت مولانا کی تشریف آوری وہاں ہوجائے، مولوی منذر ندوی اور مفتی امتیاز مرحوم کے فرزندوں کے تکمیل حفظ قرآن کی تقریب بعد نماز عصر ۲۷ جنوری ۲۰۱۶ء کو رکھی گئی جبکہ مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی فلائٹ سے ظہر کو لکھنؤ آگئے تھے، کم وقت میں مولوی منذر ندوی نے اچھے لوگوں کو جمع کرلیا تھا، اس موقع پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے جو خطاب فرمایا، وہ درج ذیل ہے:

حضرات! ابھی آپ کلام الٰہی کی آیات سماعت کررہے تھے، اللہ تعالیٰ کے کلام کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جو شان اور عظمت ہے، وہ اس میں پائی جاتی ہے، انسان اس کو برداشت نہیں کرسکتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے آسان فرمادیا تاکہ وہ غور کریں، اللہ تعالیٰ کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں، وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندہ اپنے خالق کے کہے پر چلتا ہے کہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہر چیز سے واقف ہے، چیونٹی کے چلنے سے، ذرہ سے، سب سے واقف ہے، اور انسان جو نافرمانی کررہا ہے، اس پر پکڑ فرمائے تو ایک لمحہ بھی نہیں لگے گا، دنیا ختم ہوجائے گی، لیکن قرآن کریم اتار کر تاریکی سے نور کی طرف اور شر سے خیر کی طرف لانا چاہا، اللہ تعالیٰ نے چاند، سورج، ستاروں اور زمین کی اشیاء کی کوئی نمائش نہیں لگائی، بلکہ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون غور کرتا ہے، اور فائدہ اٹھاتا ہے، ایک وقت وہ آئے گا کہ اللہ کا نام لینے والا کوئی نہیں ہوگا، تو قیامت آجائے گی، اللہ نے غفلت والوں کی مثالیں قرآن حکیم میں دی ہیں، جیسے قارون کی مثال جس پر لوگ رشک کرتے تھے، اسے غرور ہوگیا کہ جو میرے پاس ہے، وہ اللہ کا فضل نہیں میری محنت کا اثر ہے اور میرے ہنر کا نتیجہ ہے، بس کیا تھا سب کچھ دھنسا دیا گیا، وہی لوگ جو رشک کرتے تھے، اب کہنے لگے کہ بہت اچھا ہوا کہ ہم کو یہ دولت نہیں ملی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ایسی عظیم نعمت اور دولت کے طور پر اپنے بندوں کے لیے عام کردیا ہے کہ جو چاہے لے، ایسا بھی ہوسکتا تھا کہ یہ خاص کردی جاتی اور لوگ ایسے

شخص کو جا کر دیکھتے جس کے پاس دولت قرآن ہوتی لیکن یہ عام کردی، لیکن ناقدری بڑھ گئی، یہ ناقدری بڑی خطرناک چیز ہے، قرآن پاک بڑی عظیم چیز ہے، اس بات کو محسوس کرنا چاہیے، جو اس کو یاد کرلے، اور اپنے سینہ میں محفوظ کرلے وہ قابل رشک ہے، لیکن قرآن مجید صرف یاد کرنے کے لیے نہیں ہے، اس پر غور وفکر کیا جائے اور عمل میں لایا جائے، اور اسی کی روشنی میں دوسروں کو ہدایت کی طرف لایا جائے، صرف سن لینا کافی نہیں، حالانکہ یہ بھی بڑے ثواب کی چیز ہے، اس میں جو رہنمائی کا سامان ہے، اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ نہ کریں جو انسانوں کے کلام کے ساتھ کیا جاتا ہے، حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو اپنے بچوں کو حافظ بناتا ہے، اس کو جنت میں تاج پہنایا جائے گا، ہم ان بچوں کے لیے اور ان کے والدین کے بھی دعا کرتے ہیں۔

جامعہ ابن عباسؓ سر خیز روضہ میں خطاب

سرخیز روضہ کے قریب گجرات کی دینی وملی شخصیت مولانا عبدالاحد تاراپوری مرحوم نے جامعہ ابن عباس کے نام سے تعلیمی ادارہ کی داغ بیل ڈالی تھی، اسے ان کے صاحبزادے مفتی رضوان القاسمی دیکھ رہے ہیں، انہوں نے حضرت مولانا کو دعوت دی، حضرت والا نے منظور کی، مغرب سے قبل حضرت مولانا نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ:

حضرات! اپنے دین کی حفاظت اور شریعت کی حفاظت کے لیے اپنے بچوں کو علم قرآن وحدیث حاصل کرنے کے لیے مدرسوں میں بھیجتے ہیں، یہ مدرسے روشنی کے مینار ہیں، جیسے مینار سے روشنی دور دور تک پہونچتی ہے، علم قرآن اور علم حدیث کی شعاعیں دور دور تک پہونچتی ہیں، ان مدرسوں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ دین کی روشنی پہونچا رہا ہے، اس میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے پہونچایا، حقیقت میں آپ نہیں آئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بھیجا، نعمت کی قدر کرنا چاہیے، پہلی چیز تو یہ ہے کہ آپ صحیح نیت، صحیح طریقہ سے علم حاصل کریں، پھر اس قابل بنیں کہ دوسروں تک علم کی روشنی پہونچائیں تاکہ نئی

نسل کا ایمان وعقیدہ محفوظ رہے۔

تقریر کے بعد مختصر دعا فرمائی اور سبھی اساتذہ وطلبہ نے مصافحہ کیا، پھر حضرت مولانا اپنی قیام گاہ تشریف لائے، البتہ راقم نے سرخیز کے ایک دوسرے اہم مدرسہ، مدرسہ اسلامیہ عربیہ افضل مسجد مرکز جوہاپورہ جا کر دیکھا، یہ ایک معیاری درسگاہ اور تبلیغی مرکز ہے، وہی جامع مسجد بھی ہے، یہاں کے اساتذہ میں مولانا مہتاب عالم، مفتی محمد یحییٰ وغیرہ کا احمد آباد کے اہم علماء میں شمار ہوتا ہے۔

مولانا محمد اختر ندوی (استاد دارالعلوم رحمانیہ، گودھرا) ہمراہ تھے، وہ اگرچہ پٹن کے ہیں، لیکن ان کے بھائیوں اور عزیزوں کا کاروبار احمد آباد میں ہے، مولانا مفتی ابراہیم آچھودی گودھرا سے ملنے تشریف لائے تھے، ان کے ساتھ میں بھی گیا۔

کچھ نوجوانوں کی ملاقات اور حضرت مولانا کی نصیحت

پٹنی ہاؤس ارشد پارک سرخیز آباد میں بھائی عبدالعزیز، بھائی عبدالحفیظ نے اپنے احباب کو جمع کیا، جن کو خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

"ہماری، آپ کی اور ساری مخلوقات کی ضرورت کی سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں، ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا ہے، دوسری طرف تکلیفیں رکھی گئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے کہ بندہ کتنا صبر کرتا ہے، اس صبر وشکر پر حقیقی نفع اللہ تعالیٰ نے آخرت میں رکھا ہے، دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ اس چیز پر نوازتا ہے، لیکن دنیا میں کیے جانے والے اعمال کا دائمی اور حقیقی نفع آخرت میں ملے گا۔

مومن کے لیے اللہ تعالیٰ نے بہت مواقع رکھے ہیں، اور یہ زندگی امتحان کی زندگی ہے، اور یہ زندگی صبر وشکر کے درمیان چلتی ہے، آخرت میں دنیا میں کیے جانے والے اعمال کا بدلہ ملے گا، مومن کے لیے پہلے توبہ ہے اور یہ کہ اللہ پر یقین ہو، پھر یہ کہ اس کی نعمتوں پر شکر کرے، تکلیفوں پر افسوس تو کر سکتا ہے، واویلا نہ

مچائے، اللہ تعالیٰ سے لو لگائے، اور یہ جائزہ لیتا رہے کہ ہم سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی تو نہیں ہو رہی ہے۔

توبہ واستغفار کا ایک طریقہ بیعت کا بھی ہے، صحابۂ کرامؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی آیا ہے یہ اصل میں توبہ اور ایک عہد ومعاہدہ ہے، اب تک جو گناہ ہوئے ہیں، ان کو اللہ تعالیٰ سے معاف کرانا ہے، اور یہ عہد کرنا ہے کہ آئندہ گناہ نہیں کریں گے، یہ عہد وپیمان اور بیعت اللہ تعالیٰ کے نام پر عہد وفا ہوتا ہے، یہ ایک اچھی زندگی گزارنے کا عہد ہے، اپنے گناہوں پر افسوس اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم۔

اس کا لحاظ بھی ضرور کرے کہ آئندہ گناہ نہ ہوں اور اپنا جائزہ لیتے رہیں، اللہ تعالیٰ اس بات سے بھی خوش ہوتا ہے کہ بندہ اسے اپنا رب سمجھ رہا ہے، دل سے دعا کی جائے تو ضرور قبول ہوگی، البتہ بعض وقت ایسی چیز مانگتا ہے جس میں اس کے لیے بہتری نہیں ہوتی، تو اللہ تعالیٰ ویسی چیز نہیں دیتا، مگر دوسری چیز دے دیتا ہے، یا آخرت کے لیے روک لیتا ہے کہ بچہ ماں سے چاقو یا چھری مانگے، ماں اسے نہیں دے گی اور کوئی چیز دے کر بہلا دے گی، اس لیے دعا کا اور اللہ تعالیٰ ہی سے سوال کا طریقہ اختیار کیا جائے، بڑی ضرورت ہو یا معمولی ضرورت، سب اللہ تعالیٰ ہی کے سامنے رکھنی چاہیے۔"

تقریب سنگ بنیاد کے دو پروگرام

گودھرا اور گڈھا میں تقریب سنگ بنیاد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے جڑا ہوا تھا، پہلے احمد آباد اور ہمت نگر سے آگے گڈھا میں واقع جامعۃ العلوم میں ۲۵؍جنوری کو بعد نماز عشاء پہونچے جہاں بعد نماز عشاء ایک پروگرام میں مختصر خطاب کرتے ہوئے حضرت مولانا نے فرمایا کہ:

"بھائیو، عزیزو، اور حاضرین مجلس! انسان مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، مٹی

نہایت حقیر چیز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے دکھایا کہ ہم حقیر ترین چیز سے معزز ترین چیز بنا سکتے ہیں، اس مٹی سے اشرف المخلوقات کو پیدا کیا، یہ اپنی اصلیت کے اعتبار سے بڑا پست ہے، لیکن علم اور عقل ایسی چیز عطا کر دی کہ بلند سے بلند ترین مقام تک وہ پہونچ سکتا ہے، انسان کو اور مخلوقات سے بلند ہونے کا حکم ہے، اس کی طرف بتا دیا گیا کہ وہ معلومات سے فائدہ اٹھائے، اور یہ عقل سے طے کرے گا، معلومات دو قسم کی ہے، ایک وہ جو ہم اپنی صلاحیت اور دوسروں کے علم سے حاصل کرتے ہیں، اور پھر انسان جو پیش کرتا ہے یہ اس کی تخلیق نہیں ہے، تخلیق کی تعبیر غلط ہے، خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، سب کچھ اسی کا پیدا کیا ہوا ہے، انسان جستجو اور محنت سے، علم سے، عقل سے، جس کی اس کو تلاش ہوتی ہے، نکال لاتا ہے، اور دوسرا ذریعہ علم آسمانی ہے، جو نبی ورسول سے حاصل ہوتا ہے، قرآن مجید اور حدیث شریف اس کا ذریعہ ہے، جس کا نظام مدارس کی شکل میں ظاہر ہے، دینی مدارس میں رہ کر ہم اس کی فکر نہیں کرتے، اور اپنی زندگی کو صحیح طریقہ پر نہیں ڈالتے، تو یہ افسوس کا مقام ہے، دینی مدارس قرآن وحدیث کے علم کے مراکز ہیں، یہاں ان علوم میں رسوخ پیدا کرنا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ ہم امت شاہد، نگراں ورہبر امت ہیں، دوسری امتوں کے نگراں امت ہیں، اس کے تقاضے کیا ہیں، اس کی ذمہ داری کیسے ادا ہوگی، کیسے دوسروں کو معروف پر لانا ہے، اور کیسے منکر سے نکالنا اور بچانا ہے؟ یہ سب قرآن وحدیث سے، علماء اور مدرسوں سے معلوم اور حاصل ہوگا، اور علوم عالیہ شریعہ کے علاوہ جو علوم ادب، نحو، بلاغت صرف وغیرہ کے پڑھائے جاتے ہیں، وہ سب اس لیے ہیں کہ قرآن وحدیث کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔"

عشاء کے بعد حضرت مولانا مدظلہ کا یہ خطاب طلبہ واساتذۂ جامعہ سے مسجد میں ہوا، اس سے قبل مولانا سید بلال حسنی ندوی نے مختصر خطاب کیا تھا۔

رات کے قیام کے بعد جامعۃ العلوم کے معہد القرآن کی عمارت کا سنگ بنیاد ۱۱ر بجے دن ۱۶ر جنوری ۲۰۱۶ء کو حضرت مولانا مدظلہ اوران کے رفقاء نے رکھا، دوسری طرف ۲۶ر جنوری کا پروگرام طلبہ منعقد کررہے تھے، جس میں اس ملک کو ترقی دینے میں مسلمانوں کی خدمات اور آزادیٔ وطن میں مسلمانوں کی قربانیوں کو یاد دلایا جاتا ہے۔

جناب ابوالحسن بھائی پٹنی، ان کے دونوں بھتیجے عبدالعزیز بھائی، عبدالحفیظ بھائی رات احمد آباد جا کر پھر صبح آئے اور تقریب سنگ بنیاد میں شریک ہو کر ۱۱ر بجے گودھرا کے لیے حضرت مولانا اوران کے رفقاء کو لے کر روانہ ہوئے، گڈھا کے ذمہ دار مولانا سیف الدین صاحب اسلام پوری بہت ممنون تھے، اسٹاف کوارٹر کی عمارت میں ان کے مکان پر قیام رہا۔

دارالحدیث دارالعلوم رحمانیہ گودھرا کا سنگ بنیاد

آغاز سفر ممبئی وجنوب ہند میں جب ٹرین لکھنؤ سے ممبئی جاتے ہوئے گودھرا سے گذر رہی تھی، اسی وقت دارالعلوم گودھرا کے مہتمم مولانا عبدالستار نے دارالحدیث کے سنگ بنیاد کی بات رکھی تھی، واپس میں سفر کا نظام گجرات کا بن جانے پر اس کو شامل کرلیا گیا، معلوم ہوا کہ جناب انیس چشتی پونا سے تشریف لائے ہوئے ہیں، وہ ۲۶ر جنوری کی مناسبت سے شہر کے ایک پروگرام کو خطاب کے لیے مدعو تھے۔

دوپہر کو گڈھا سے گودھرا پہونچ گئے، اور آج ۲۶ر جنوری کو بعد نماز عصر دارالحدیث کے سنگ بنیاد کی تقریب ہوئی، اور حضرت مولانا نے خطاب بھی فرمایا، اس موقع پر شہر گودھرا کی ممتاز داعی شخصیت مولانا محمد اسماعیل صاحب (برادر زادہ حافظ عبدالستار صاحب مہتمم دارالعلوم رحمانیہ گودھرا) بھی موجود تھے، ان کی خواہش پر مرکز دعوت وتبلیغ کی جدید وسیع مسجد وعمارت کی تعمیر کے لیے حضرت مولانا دعا کرنے بھی تشریف لے گئے، جس کا چند دن پہلے مولانا احمد لاٹ ندوی ترجمان جماعت دعوت وتبلیغ سنگ بنیاد رکھ چکے تھے۔

حضرت مولانا مدظلہ نے دارالحدیث کی مناسبت سے جو گفتگو فرمائی، وہ حسب ذیل ہے:

دارالحدیث کی بنیاد رکھی گئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال کا جو تذکرہ ملتا ہے، ان کی تفصیل وتشریح یہاں بیان کی جائے گی، حدیث شریف کی اعلیٰ کتابوں کی ہمارے دینی مدارس میں تعلیم ہوتی ہے، اور حدیث شریف کے ذریعہ دین مسلسل محفوظ چلا آرہا ہے، اور اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے: "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ" اللہ تعالیٰ نے اس میں دین کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، اسی میں رجال دین کی حفاظت اور حدیث شریف کی حفاظت کا وعدہ فرمایا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ایسے ذرائع پیدا فرمائے کہ جن کے ذریعہ حدیث شریف کی حفاظت کا پورا سامان ہوگیا، اور ایک جماعت ایسی پیدا کی جس نے جانچنے و پرکھنے کا کام کیا، اس طرح ہم تک بالکل صحیح طریقہ سے حدیثیں پہونچیں۔

حدیث شریف قرآن مجید ہی کے تابع ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل اللہ تعالیٰ کی نظر میں رہتا تھا، اور آپ کے لیے اللہ کا حکم تھا کہ اس طرح کریں، اس طرح نہ کریں، اس طرح آپ کی سب باتیں دین ہوگئیں۔

دین اسلام صرف اور صرف عبادات پر ہی نہیں، معاملات، حقوق، اخلاق اور دنیا برتنے کے امور سب کو محیط ہے، اور پوری رہنمائی کرتا ہے، حدیث شریف سے پوری رہنمائی ملتی ہے، امت میں ایسے افراد خاصی تعداد میں ملیں گے، جو دین کو پہونچا رہے ہیں، ہمارے مدارس اس کے مراکز ہیں، ان مرکزوں میں بیٹھ کر یہ کام انجام پاتا ہے، یہ مدرسہ بھی اس کا مرکز ہے، اور دارالحدیث کی عمارت جس کی بنیاد رکھی گئی، یہ بھی حدیث شریف کا ان شاء اللہ مرکز بنے گا، اور مولانا عبدالستار، مولانا مفتی ابراہیم کی سرپرستی جامعہ کے لیے بڑی نعمت ہے، ان کی سرپرستی میں جو دین کی خدمت ہو رہی ہے، اس سے امت کو خوب نفع پہونچے، حدیث شریف کے مقام کا خیال کرتے ہوئے ان حضرات نے یہ جو قدم اٹھایا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ انھیں بہتر سے بہتر جزائے خیر عطا فرمائے اور اس کے نفع کو خوب عام کرے، آمین۔

براہ ممبئی لکھنؤ واپسی

حضرت مولانا دامت برکاتہم نے ہمت فرمائی اور شام کو ہی احمد آباد کے لیے روانہ ہوگئے، رات کا قیام کر کے دوپہر کو ایک رفیق سفر مولانا سید بلال حسنی ندوی جہاز سے لکھنؤ روانہ ہوگئے، جہاں ان کا ضروری پروگرام تھا، اوراس بات کا شدید تقاضا ہمارے بزرگوں کو شروع ہوا کہ ندوہ سے نکلے ہوئے ایک ماہ مکمل ہو چکا ہے، اب بلاکسی تاخیر کے لکھنؤ پہونچا جائے، ۲۸/ کی صبح پالن پور کا سفر ہوا جہاں فیروز پور میں بھائی اسماعیل بھولا ندوی نے ٹھہرانے کا اچھا نظم کرلیا تھا، اوران کے والد محترم الحاج جناب یاسین داؤد بھولا صاحب بہت مسرور تھے، عشاء کی نماز کے بعد بیان کرایا، ایک مسجد میں راقم کا بیان رکھایا، اور جمعہ میں چھاپی کی مسجد جمعہ میں ہی بھی بیان کرایا، اور حضرت والا سے جمعہ کی نماز کے بعد دعا کرائی، اور پھر عصر کے وقت سلیپر بس سے ممبئی روانگی ہوئی، جو دس افراد کے لئے ۳۵ سلیپر سیٹوں کی پوری بس کرلی تھی تا کہ کوئی غیر مانوس شخص اس میں سوار نہ ہو یہ مولانا اسماعیل بھولا صاحب کے فدائیانہ تعلق کی بات تھی، صبح ممبئی پہونچ کر بھائی مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے ہاں چند گھنٹے قیام رہا، اور دن کی گاڑی سے لکھنؤ روانگی ہوئی۔

گجرات کا دینی و دعوتی سفر

(شعبان المعظم ۱۴۳۹ھ/ اپریل رمئی ۲۰۱۸ء)

ممبئ کا قیام اور حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی عبقری شخصیت کتاب کا اجراء

گجرات کے پروگرام کے لیے ممبئ کا راستہ اختیار کیا گیا، جہاں لکھنؤ سے ۲۲راپریل کو چل کر ۲۳رکو دیر رات ایک بجے پہنچے، اور دو دن قیام سہاگ پیلس مدن پورہ میں رہا، جہاں ۲۵رکو شام کے وقت مولانا بلال حسنی صاحب بھی پہنچ گئے تھے، ۲۴رکو مغرب بعد حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ پر نئی کتاب "مولانا ابوالحسن علی ندوی عبقری شخصیت" کا اجراء عمل میں آیا، اس مناسبت سے راقم السطور کو تمہیدی گفتگو کے لیے کہا گیا، چناں چہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی شخصیت اور کارناموں پر جو کتابیں مختلف زبانوں میں سامنے آئی ہیں ان کا اجمالی تذکرہ کیا، اور اس نئی کتاب کی اس خصوصیت کو اجاگر کیا کہ یہ ایک خاتون محقق کی تصنیف ہے جسے انھوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے نظر سے بھی گزارا اور حضرت نے یہ معنی خیز جملہ فرمایا تھا کہ اس میں ایک خلا ہے وہ وفات کا خلا ہے۔

بہر حال مصنفہ رفعت سلطان صاحبہ نے بڑی محنت اور تحقیق سے یہ کتاب تیار کی ہے، جو حضرت کی وفات کے ۱۸رسال بعد شائع کرنے کی نوبت آئی، اس کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں ان ایوارڈ اور اعزاز وغیرہ کی ایسی شفاف تصاویر دی گئی ہیں جو اصل سے زیادہ واضح انداز میں ظاہر ہو رہی ہیں، کسی بھی جاندار تصویر سے مکمل احتراز کیا گیا ہے کہ شریعت میں اس کی اجازت نہیں ملتی۔

۵۰۰/صفحات سے زائد یہ کتاب ہے، مصنفہ ڈاکٹر رفعت سلطان صاحبہ کا تعلق بھوپال سے ہے، ان کی بہن رضیہ حامد صاحبہ نے نواب سید صدیق حسن قنوجی پر تحقیق پیش کی تھی، جس پر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا مقدمہ بھی ہے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ (معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنؤ و سکریٹری رابطہ ادب اسلامی عالمی) نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی دعوت وفکر سے متعلق بڑے اہم گوشوں کو واضح کیا اور ملت کے لیے ان کے درد کو پیش کیا، کہ جس سے ان کو نیند نہیں آتی تھی، اور یہ فرمایا کرتے کہ کوئی اچھی خبر سناؤ چاہے بعد میں تردید کردینا، ان کو پورے عالم اسلام کی یکساں فکر تھی، اور جن خطرات اور اندیشوں کو وہ دیکھ رہے تھے ان پر عموماً ہمارے علماء کی نظر کم ہوتی ہے، یہ ان کی خصوصیت تھی اور وہ اس کے علاج کو بھی سوچتے تھے، مولانا کی اس فکر کو ان کی کتاب ''انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر'' اور دوسری کتاب ''مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش'' سے اچھی طرح سمجھا جاسکتا ہے، ان کا یہ درد ان کی تقریروں اور خطابات کے مجموعوں میں بھی ہے جو امریکہ، یورپ، پاکستان، برما، بنگلہ دیش، یمن، اردن، مراکش وغیرہ میں کیں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتی صفات وخصوصیات اور امتیازات وکمالات کو اپنے مشاہدات وتجربات کی روشنی میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے بیان کرتے ہوئے ان کی دلسوزی، دردمندی، خون جگر، آہ وفغاں، اخلاص وللّٰہیت کو بہت مؤثر انداز میں پیش کیا، سبھی سامعین پر جس کا بہت اثر پڑا، یہ پروگرام رابطۂ ادب اسلامی ممبئی شاخ نے سہاگ پیلس مدن پورہ میں منعقد کیا، جس کی نظامت مولانا عبدالرزاق ندوی سکریٹری رابطۂ ادب اسلامی ممبئی نے کی۔

ممبئی کے قیام کا اہم پروگرام یہی رہا، جس کی اخبارات میں اچھے انداز سے خبر بھی شائع ہوئی۔ ۲۵/اپریل کو رات کی ٹرین سے بڑودہ کے لیے مولانا سید بلال حسنی

ندوی، مولانا عبدالرزاق ندوی اور راقم روانہ ہوکر صبح بڑودہ پہنچے اور منصور مہتہ صاحب (ممبئی) کے ہوٹل میں ناشتہ کر کے جمبوسر کے لیے روانہ ہوئے۔ مدرسہ فاروقیہ گوونڈی ممبئی میں اگر چہ حضرت مولانا دامت برکاتہم تشریف نہ لے جاسکے البتہ راقم السطور کو دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ملحق ممبئی کے اس تعلیمی ادارہ کو جا کر دیکھ کر مسرت ہوئی، جس کا قیام ۱۹۸۹ء میں عمل میں آیا، اور ۲۰۰۱ء میں شعبۂ حفظ قائم ہوا، ۲۰۰۴ء میں شعبہ عربی کا قیام عمل میں آیا، ۲۰۰۹ء میں اس کا باضابطہ الحاق دارالعلوم ندوۃ العلماء سے ہوا، مولانا شکیل احمد ندوی بستوی اس کے ناظم ہیں، اور عالیہ اولیٰ تک اچھے انداز سے تعلیمی مراحل جاری ہیں، دارالاقامہ بھی ہے اور کل طلبہ چار سو کی تعداد میں ہیں، سبھی نوجوان اساتذہ ہیں، اور دلجمعی سے کام کررہے ہیں۔

جامعہ علوم القرآن جمبوسر کا پروگرام

جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے اختتامی سال کے پروگرام اور سالانہ اجلاس میں شرکت کی دعوت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کو بانی وناظم جامعہ حضرت مفتی احمد دیولوی مدظلہ نے دی تھی، ممبئی کے راستہ یہ سفر ۲۲/اپریل کو طے ہوا، ممبئی میں سہاگ پیلس میں محمد بھائی مرحوم کے صاحبزادے عبدالرحمٰن شاکر صاحب کے یہاں قیام رہا اور ایک دن مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے یہاں جوگیشوری جانا ہوا، اور ۲۶/اپریل کو علی الصباح ممبئی سے بھائی اسماعیل بھولا ندوی اور بھائی شاہنواز صاحب کے ساتھ حضرت اور ان کے رفقاء جمبوسر کے لیے روانہ ہوئے، اور ظہر کے وقت جامعہ علوم القرآن پہنچے، اس سے قبل مولانا بلال حسنی ندوی کا تقسیم انعامات کے پروگرام میں خطاب ہو چکا تھا، بعد ظہر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے مسجد میں طلبہ واہل علم کو خطاب فرمایا، جب کہ ان سے پہلے مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے خطاب کیا۔

علم تنافس چاہتا ہے:

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی معتمد تعلیم ندوۃ العلماء نے فرمایا:

"علم کے سلسلہ میں اور خیر کے سلسلہ میں تنافس کا لفظ قرآن مجید میں بھی آیا ہے، اور سبقت کا ذکر آیا ہے، تنافس اور سبقت دونوں چیزوں میں اضافہ کا سبب بنتی ہیں، اسلام دین علم ہے، دین خیر ہے، اس میں زندگی کے ہر شعبہ میں خیر کا پہلو غالب ہے، پہلی بات تو یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو توفیق دی کہ آپ ایک دینی مدرسہ میں علم حاصل کرنے آئے، اس کی قدر ہونی چاہیے اور جذبہ ہونا چاہیے کہ ایک دوسرے سے سبقت لے جائیں، یہ چیز علم کے اضافہ کا باعث ہوتی ہے، سارے ادیان میں علم میں کتمان کی بات ہوتی ہے، یہودیوں کے بارے میں آتا ہے، وہ اس کا احتکار کرتے تھے پھر اس میں خیانت بھی کرتے ہیں، عیسائیوں نے بھی خاص طبقہ کو علم حاصل کرنے کی اجازت دی باقی کو محروم رکھتے تھے، ہندوؤں میں بھی ممانعت تھی، یہاں تک کہ نیچی قومیں علم حاصل کریں تو انھیں سزا دی جاتی، اسلام نے علم کو سب کے لیے عام کیا، اور اس کی ترغیب دی کہ دوسروں تک علم پہنچایا جائے، علم میں مسلمانوں نے اتنی ترقی کی کہ وہ برابر علم میں اضافہ کرتے رہے، علم ہمیشہ بڑھتا رہا ہے، اس میں جمود نہیں ہے، اس کی مثالیں ملتی ہیں، بعد والوں نے تصحیح کی اور سہو اور وہم کو پکڑا جیسے یہ کہا کہ جوہری کو مغالطہ ہوا، متنبّی، ابوتمام کے تعلق سے بھی یہ بات کہی گئی۔ علامہ عبدالعزیز میمن راج کوٹی نے یہ ثابت کیا کہ ان کے دواوین میں ان کے بعض اشعار رہ گئے جو تراجم کی کتابوں میں پائے گئے۔

آپ کی جامعہ جامعہ علوم القرآن ہے، قرآن مجید میں اتنے علوم ہیں کہ ان کا احصاء نہیں کیا جاسکتا، بہت سی سائنسی تحقیقات ہیں، جن کو بڑا انکشاف سمجھا گیا، لیکن بعد میں معلوم ہوا کہ یہ کوئی انکشاف نہیں، قرآن اس کا انکشاف کر چکا ہے، یہ جامعہ کے نام سے اس تحقیق واجتہاد کا بھی پیغام ہے کہ علم کا سفر برابر جاری رہے، پھر چیزیں کھلیں گی اور اسلام میں ہے کہ

"ألا فليبلغ الشاهد الغائب"

(کہ جو موجود ہے وہ غیر موجود کو بات پہنچادے)

دوسرے مذاہب میں ہے کہ علم اپنے تک محدود رکھو، اور اسلام میں ہے کہ مسلسل مطالعہ ہو، پھر اس کی تعلیم و تبلیغ ہو یہ دونوں ایک طالب علم کی ذمہ داریاں ہیں۔ علم کو دین سے جوڑنے کا تصور، اجتماعیت کا تصور، یہ سب اسلام کا عطیہ ہے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مدظلہ نے طلبا جامعہ علوم القرآن جمبوسر سے یہ خطاب فرمایا اس کے بعد جو ۲۶/ اپریل ۲۰۱۸ء جمعرات کو بعد ظہر اس کی وسیع و عریض مسجد میں ہوا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے خطاب فرمایا۔

انسان کی بڑی خصوصیت علم ہے:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے فرمایا: علم کو اللہ تعالیٰ نے انسانی کی بڑی خصوصیت بتایا ہے، یہاں تک فرمایا: ''اِنَّمَا يَخْشَى اللّٰهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ'' بھی اللہ سے صحیح طور پر وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں، یہ بات بہت سے لوگوں کو سمجھ میں نہیں آتی، اس لیے کہ وہ علم کی حقیقت سے واقف نہیں، جو علم اور اس کا نتیجہ سامنے ہے اس کو لوگ سمجھتے ہیں لیکن وہ علم جس کا اصل فائدہ آخرت کی زندگی میں حاصل ہوگا، اس کی حقیقت نہیں سمجھتے، اور اس کو علم نہیں مانتے، اس علم کی فکر ہی نہیں کرتے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، ہمارے مدارس میں اس کی طرف توجہ دلائی جاتی ہے اور اس علم کے ساتھ دنیا بہتر گزارنے کا علم بھی دیا جاتا ہے جو معاملات و معاشرت کے مسائل کا علم ہے، اور ان سب کو دین اور آخرت سے جوڑ دیا گیا ہے۔

علم میں اللہ تعالیٰ نے ایسی طاقت رکھی ہے اور اس کی وہ اہمیت رکھی ہے کہ علم والا غیر علم والے پر بھاری پڑتا ہے، غیر علم والا جتنی دولت حاصل کر لے جتنا مقام پیدا کر لے وہ کم ہی رہے گا، علم والا اس پر غالب آجاتا ہے، علم سے ایک طاقت ملتی ہے۔

جو لوگ اللہ کے حکموں کو جانتے ہیں اور اس پر چلنا نہیں چاہتے اور وہ لوگ جو اللہ کے حکموں کو جانتے نہیں اور جاننا نہیں چاہتے ان میں غرور پیدا ہو جاتا ہے، یہ غرور اللہ کی مرضیات کو نظر انداز کرنے سے پیدا ہوتا ہے، یہ سوچ کہ ہم جتنا علم حاصل کر لیں

اللہ کی مخلوق ہیں، اللہ کے بندے ہیں، مولانا واضح صاحب نے ضروری اہم بات فرمائی کے کم علم میں احتکار بڑے خطرہ کی چیز ہے کہ ہمیں جو معلوم ہو وہ دوسرے کو معلوم ہونے نہ پائے، اسی سے ظلم پنپتا ہے، علم کا معاملہ سے رکتا نہیں، بڑھے گا یا گھٹے گا، جب مسلمانوں نے علم بڑھانا چھوڑ دیا ان سے علم جانے لگا، اور وہ عالمی قیادت سے باہر ہوئے دوسری قومیں جن کے یہاں یہ بات نہیں تھی، مسلمانوں سے یہ سوچ لی کہ، اور وہ علم کو بڑھانے میں لگ گئے وہ آگے نکل گئے، لیکن علم کا استعمال صحیح نہیں کیا اور اپنے مقاصد کے حصول میں اس کے ذریعہ انھیں قیادت تو مل گئی مگر یہ عدل نہیں کر سکے، جس سے پوری انسانیت کو نقصان پہنچ رہا ہے، اس طرح علم ان کے ہاتھ میں چلا گیا جو اپنی اغراض ومقاصد کے لیے اس کا استعمال کر رہے ہیں، انسانیت کے نام پر کام کرتے ہیں مگر انسانیت کا خون کرتے ہیں، علم کا مقابلہ علم سے ہے، تمناؤں اور خواہشات سے نہیں ہے، ضرورت ہے کہ مسلمان اس مقام کو پھر حاصل کریں جو پہلے حاصل کیا تھا، جو علم ہم سے دوسری فقروں نے لیا اس کو ان سے واپس لے کر ان کے صحیح استعمال کی ضرورت ہے، اور یہ مسلمان ہی کر سکتے ہیں، اس طرح اس وقت پوری دنیا مسلم قیادت کی طرف ہی محتاج ہے، پورا انسانی سماج قرآن وحدیث کی حکمرانی کا محتاج ہے، ہمارے مدارس کا یہی کام اور پیغام ہے اور وہ اسی لیے قائم ہیں۔ دینی مدارس کا قیام صرف اس لیے نہیں ہے کہ یہاں سے پڑھ کر نکلنے والے ڈگری لے کر چلے جائیں اور عالم کہلائیں ان کا کام صرف اپنی شخصیت کی تعمیر نہیں ہے بلکہ انسانیت کی تعمیر ہے، انسانیت کی فکر ہے، اسلام دین انسانیت اس کی تعلیمات سارے انسانوں کے لیے ہیں۔ اسلام کا پیام انسانیت عام کرنے اور جگہ جگہ پہنچانے کی ضرورت ہے تا کہ وہ غلط فہمی دور ہو جو اسلام اور مسلمانوں کے تعلق سے پیدا ہوگئی، اسلام کا نظام اخلاق دوسروں تک سامنے آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کے نمونے سامنے آئیں، لوگوں کو معلوم نہیں اس کے نتیجہ میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ اسلام میں نقص ہے، اور وہ زمانہ کے ساتھ چلنے کی صلاحیت نہیں رکھتا، اس لیے

ہمارے فضلائے مدارس اور علمائے دین کی بڑی ذمہ داری بنتی ہے کہ صحیح باتیں جو دوسروں تک نہیں پہنچیں، قرآنی تعلیمات وہدایات ابتدائی علوم دینیات سے لوگوں کی صحیح واقفیت ہو، یہ جامعہ علوم القرآن اچھی کوشش کر رہا ہے، ہمارے یہاں کئی بار حاضری ہوچکی ہے اور یہاں آکر بڑی اپنائیت محسوس ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ اس کے فیض کو دراور عام فرمائے۔

رویدرا اور جامعہ قاسمیہ کھروڈ میں:

جامعہ علوم القرآن جمبوسر سے عصر بعد رویدرا روانگی ہوئی اور رات مولانا عبداللہ جھانجی بن مولانا محمد بن سلیمان جھانجی کے مکان پر گزاری گئی، انھوں نے اپنے والد ماجد کی حیات وخدمات پر کتاب مرتب کر کے شائع کی ہے وہ پیش کی، دعوت وتبلیغ اور تقویٰ وخشیت کی ان کی جامع شخصیت تھی دعوت وتبلیغ کے عالمی مرکز بنگلہ والی مسجد نظام الدین دہلی سے تاحیات وابستہ رہے، اور اس کے امیر ثالث حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کے سفر وحضر میں رفیق کے طور پر ایک محترم شخصیت کے طور پر مقبول ومحبوب رہے، عمرہ کی حالت میں مکہ معظّمہ میں وفات پائی اور جنت المعلی کے مکیں ہوئے، ان کی نسبت سے یہاں حضرت مولانا دامت برکاتہم اپنے سفر گجرات میں ضرور تشریف لاتے ہیں اور رات کا قیام کرتے ہیں جہاں آس پاس کے علماء واہل تعلق ملنے بھی آجاتے ہیں، ہانسوٹ کھروڈ، پانولی کے علماء خاص طور پر ملنے آئے، ممتاز عالم دین مولانا عبداللہ مظاہری باوجود علالت کے ملنے آئے اور پانولی میں ان کے مکان میں حضرت تشریف لے گئے، ان کے بھائی مولانا عبدالرحمٰن رویدری کی التجا پر جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ پہنچے، وہاں دعا کرائی اور پانولی ہوتے ہوئے کھروڈ پہنچے، جاں شہر کی جامع مسجد میں جمعہ پڑھا، جامع مسجد کھروڈ میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے جمعہ سے قبل ایک خطاب فرمایا جس میں توجہ دلائی کہ انسان کو اپنے اعمال پر غرہ نہیں ہونا چاہیے، علم، طاقت، دولت جو بھی چیز قدرت نے ودیعت کی اس کو اللہ کا فضل سمجھنا چاہیے، اور جو اس کا خیال نہیں رکھتا اس کو بھاری نقصان اٹھانا پڑتا ہے، قرآن مجید میں اس کی بعض مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ باغ والا واقعہ اور

قارون کی دولت اور اس کے غرور کا انجام، فرعون کے غرور کا انجام وغیرہ۔

حضرت مولانا کے خطاب سے پہلے مولانا عبدالقادر ندوی گجراتی اور راقم الحروف کی بات بھی ہوئی، جامعہ قاسمیہ کھروڈ ۳۳ رسال قبل حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی مدظلہ کی سرپرستی میں قائم ہوا تھا، جس کی فی الوقت تعلیمی نگرانی مولانا ایوب فلاحی ناظم تعلیمات کررہے ہیں جب کہ مولانا محمد حنیف لوہاروی شیخ الحدیث ہیں اور یہ دونوں حضرت مولانا محمد یونس جون پوری کے شاگرد، معتمد اور خلیفہ ہونے کے ساتھ مولانا عبداللہ کاپودروی دام ظلہ کے بھی معتمد ہیں، مولانا کاپودروی زید مجدہ نے اپنا کتب خانہ اسی ادارہ کو عنایت فرمادیا ہے جو ان کے وطن کاپودرا میں تھا، مدرسہ کو دے کر اس کے افادہ عام کا ایک راستہ کھول دیا، ہمارے بہت سے علماء نے ایسا کیا ہے کہ اپنے ذاتی کتب خانوں کو دارالعلوموں کو عنایت فرمادیا، کھانے کا اہتمام شیخ محمد حنیف لوہاروی نے اپنے مکان پر کیا تھا، جہاں مدرسہ کے موجود اساتذہ اور ندوہ کے متعلقین کے علاوہ دارالعلوم دیوبند وقف کے نائب مہتمم مولانا محمد سفیان قاسمی بھی تھے۔

شیخ محمد حنیف لوہاروی نے چلتے وقت حضرت اور ان کے رفقاء کو ''مونس القاری'' بھی عنایت فرمائی جو صحیح بخاری کے ابواب وحی وایمان اور ابواب العلم کی حضرۃ الشیخ مولانا محمد یونس جون پوری کا درس ہے جس کو محققانہ انداز سے شیخ حنیف نے قلمبند فرمایا ہے۔

مجمع الشیخ عبداللہ الکاپودری کی عمارت کے ایک حصہ میں مہمان خانہ ہے اور ایک حصہ کتب خانہ ہے، جو اکیڈمک انداز سے ہے کہ ریسرچ اسکالر یہاں قیام کرکے اپنا علمی سفر طے کرسکتے ہیں، جیسے بڑے کتب خانوں اور اکاڈمیوں میں اس کا لحاظ رکھا جاتا ہے، جیسے خدا بخش لائبریری پٹنہ وغیرہ، کتب خانہ سے استفادہ کا یہ انداز لائق تقلید واستحسان ہے، معیاری الماریوں میں کتابیں فن وار اس اچھے انداز سے لگائی گئی ہیں کہ نہ پڑھنے والے کو بھی پڑھنے کا شوق پیدا ہوجائے، اس کے علاوہ بعض نمونے ایسے رکھے گئے ہیں جن کو شیشہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی عیادت:

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی ممتاز عالم دین مفکر، مبلغ، مصنف، مربی، داعی شخصیت کے طور پر یورپ وامریکہ میں متعارف رہے ہیں، ان کا عرصہ سے کناڈا میں قیام رہا ہے، اوراس قیام سے فائدہ اٹھا کر وہ دنیا کے مختلف ملکوں کے دینی علمی دعوتی سفر کر رہے ہیں ان کے خطابات کا مجموعہ ''صدائے دل'' کے نام سے شائع ہورہا ہے جس کا چوتھا حصہ انہوں نے عنایت فرمایا، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم نے اسے ملاحظہ فرما کر ان کے وسعت مطالعہ، حالات پر نظر سلامتی قلب اور فکر سلیم کی تعریف فرمائی ، ادھر ان کا یہ معمول تھا کہ اکتوبر سے مارچ تک چھ ماہ اپنے وطن ہندوستان میں گزارتے تھے مگر اپنی مسلسل علالت اور ضعف کی وجہ سے کناڈا کا سفر نہ کرسکے اوراس طرح ان کی زیارت وملاقات کا موقع نکل پایا ان کو بلاشبہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے بڑا تعلق ہے اوراسی طرح وہ ندوۃ العلماء سے بڑا تعلق رکھتے رہے ہیں، اس سفر میں جو گجرات کا اختیار کیا گیا، جمبوسر، اور پٹن کے پروگراموں کے ساتھ ان کی عیادت وزیارت کا بھی تھا، عصر بعد کھروڈ سے کاپودرا جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی اپنے رفقاء کے ساتھ پہنچے تو ان کے خوشی کی انتہا نہ رہی، اپنی بیماری بھول گئے، کہاں لیٹے رہتے تھے، ایسا بیٹھے کہ لیٹنے کو تیار نہ تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا تذکرہ ایسا چھیڑا کہ زبان سے پھول جھڑ رہے ہیں، اور منہ سے شہد نکل رہا ہو، حضرت مولانا کے ساتھ اپنے سفر اور سفر کے مؤثر واقعات بھی سنائے، اسی میں ایک واقعہ یہ تھا کہ ایک غیر مسلم کو اوپر کی سیٹ پر چڑھنا دشوار تھا کوئی اور سیٹ بدلنے کو تیار نہ تھا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے اپنی معذوری کے باوجود کہ اس زمانہ میں ان کو دکھائی نہیں دیتا تھا اور نقرس کی تکلیف رہتی تھی اوپر ان کو دے کر ایثار فرمایا جس کا سبھی پر بڑا اثر پڑا، ہم نے عرض بھی کیا کہ آپ کے لیے تو یہ بہت دشوار ہے، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا اسلام کی اخلاقی تعلیمات پیش کرنے کا موقع بار نہیں

آتا۔ گفتگو میں اپنے علماء ومشائخ کی اس فکر وتوجہ اور احساس کا خصوصیت کے تذکرہ کیا جو مکاتب دینیہ کے قیام میں انھوں نے برصغیر میں کوشش کی جس سے یہاں اسلام زندہ ہے اور اس کو حکومت کے تعاون سے دور رکھا۔

چلتے وقت چند کتابیں انھوں نے حضرت مولانا دامت برکاتہم اور ان کے رفقاء کو تحفہ میں پیش کیں، اور ایک خط بھی اس کے متعلق ساتھ کیا، کیا معلوم تھا کہ یہ ان کا ہم لوگوں کے نام آخری خط ہوگا، اور یہ ملاقات آخری ملاقات ہوگی۔ جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ:

"خط کے ساتھ ایک کتاب "مع الائمۃ" ارسال کر رہا ہوں جو بریدہ قصیم سعودیہ کی دینی دعوتی اور علمی شخصیت کے مالک اور مشہور ومعروف عرب عالم شیخ سلمان العودۃ کے تجزیہ نگار قلم سے نکلی ہوئی بیسیوں کتابوں میں سے ایک ہے۔

شیخ سلمان نے اس کتاب میں ائمہ اربعہ سے متعلق بہترین مواد جمع فرمایا ہے۔ چنانچہ حضرات ائمہ کرام کے مابین جامع نکات، ہر ایک کے امتیازات وخصوصیات اور ان کی پاکیزہ زندگی کے تابندہ نقوش اور دیگر اہم گوشوں کو اُجاگر فرمایا ہے۔ نیز اس کے ضمن میں علماء کرام کے مابین علمی اختلافات کے حدود وقیود، ان کے برتنے اور برداشت کرنے، باہم شگفتہ تعلقات وخوش گوار معاشرت بنانے اور آپسی اکرام وتکریم، احترام رائے، عزت افزائی اور اعتراف شخصیت کے بہترین نمونے پیش فرمائے ہیں۔

جناب والا کی خدمت میں یہ کتاب ہدیۃً ارسال کرنے کے ساتھ یہ درخواست ہے کہ اس کا بغور مطالعہ کرکے اپنے قیمتی تأثرات ذیل کے پتے پر ارسال فرمائیں گے تاکہ آپ کے زاویۂ نگاہ اور ذوق ووجدان سے ہم بھی مستفید ہوسکیں۔

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

عبداللہ کاپودروی

حضرت کاپودروی کے صاحبزادے مولانا اسماعیل کاپودروی اپنے والد ماجد کے قدم بقدم ہیں اور یہ دونوں ہی حضرت مولانا محمد یونس جون پوری رحمۃ اللہ علیہ کے مجاز

بیعت وارشاد ہیں، اپنے والد کے مزاج منشا اور تعلقات کو خوب سمجھنے والے اور اس کی رعایت کرنے والے ہیں۔ مولانا اسماعیل صاحب کا نام ان کے دادا کے نام پر ہے وہ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ کے مرید تھے۔ مولانا محمد اسماعیل صاحب کاپوردروی نے اپنے باپ دادا کی صفات کو اچھا جمع کیا ہے، اور پوری یکسوئی سے اپنے والد کی خدمت میں ہیں اور ان کے مجاز خلیفہ ہیں۔

بیجاپور، ویس نگر، اور پٹن کے پروگرام:

استاذ گرامی مولانا عبدالقادر ندوی مظاہری پٹنی نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ نے ۲۹/اپریل ۲۰۱۸ء کی تاریخ جامعۃ النور پٹن کی مرکزی عمارت کے افتتاح کے لیے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم سے لی تھی، اور یہی اس سفر گجرات کا باعث بنا جو ممبئی سے شروع ہوکر ممبئی پر ختم ہوا، تقریباً دو ہزار کیلو میٹر کا یہ سفر روڈ کا ممبئی سے ممبئی تک کا تھا جس کے لیے مولانا اسماعیل بھولا ندوی اور ان کے دوست حاجی شاہنواز علی گڑھی نے اپنی گاڑیاں ساتھ کی تھیں، حضرت دامت برکاتہم حاجی شاہنواز صاحب کی گاڑی پر تھے، یہ ایک مخلص دیندار اور تبلیغی جماعت سے وابستہ اہل تعلق میں ہیں، جمعرات ۲۶/اپریل کو جمبوسر اور پھر جمبوسر سے اسی شام کو رویدرا، جمعہ ۲۷/اپریل ۲۰۱۸ء کو ہانسوٹ، پانولی ہوتے ہوئے کھروڈ میں جمعہ پڑھا اور عصر کو کاپودرا حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی کی زیارت کرتے ہوئے آگے سفر جاری رکھا گیا اور رات بڑودہ میں قیام گیا، مولانا عبدالقادر ندوی پٹنی اور ان کے رفقاء کھروڈ سے ساتھ ہوگئے، کھروڈ میں مولانا سفیان قاسمی خلف الرشید حضرت مولانا محمد سالم قاسمی سے ملاقات ہوئی، اور اس موقع پر ان سے تسلی وتعزیت اور تعلق کے کلمات کہے گئے۔

بڑودہ میں قیام ممبئی کے مخلص اہل تعلق منصور بھائی مہتہ کی خواہش پر ان کے ہوٹل میں کیا گیا جو بڑودہ شہر میں ہے اور رات گزاری گئی، یہاں گودھرا سے مولانا مفتی محمد ابراہیم صاحب آچھودی، مولانا حافظ عبدالستار صاحب، مولانا محمد اختر ندوی استاذ دارالعلوم گودھرا

وغیرہ صبح آگئے تھے، وہ چاہتے تھے کہ گودھرا روانہ ہوجائے، اور وہاں دارالسنۃ کی عمارت کا افتتاح ہوجائے، مگر بیجاپور اور ویس نگر کے تقاضوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے گودھرا کو مؤخر کیا گیا، اور سنیچر ۲۸/ اپریل کو ظہرانہ بیجاپور میں بھائی سعید عبدالغنی ۹۹ ہرا کے یہاں تھا اور وہیں دوپہر اور عصر کا وقت گزار کر ویس نگر حاجی عبدالقیوم بلاڈی والا کی دعوت پر جا کر عشاء بعد پروگرام پر عمل کیا گیا جس میں پہلے مولانا سید صہیب حسینی ندوی استاذ تفسیر وحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ اور پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہم کا خطاب ہوا، جس میں دنیا وآخرت کے تقاضوں کو ایمانی وللّٰہی زندگی گزارنے کے ساتھ پورا کرنے کی طرف توجہ دلائی کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم دنیا کو برتتے تھے مگر دین کو اس سے غالب رکھتے تھے، اور آخرت کو پیش نظر رکھتے تھے اور جو بھی چیز دین سے ٹکراتی اور اس میں اللہ کی رضاجوئی کا پہلو نظر نہ آتا اس سے پہلو تہی کرتے، اسلام میں ربانیت ہے، رہبانیت ہے، دنیا کو برتنا ہے مگر دین کو غالب رکھنا ہے، اور جو بھی عمل کرتا ہے وہ اللہ کے لیے کرتا ہے، اس کے ساتھ یہ توجہ دلائی کہ اللہ کے احسانات اور انعامات بے شمار ہیں، ان کو ایک ایک کر کے یاد کرتے رہنے چاہیے، صرف ایک گلاس پانی روک دئے جانے سے بادشاہ اپنی ساری سلطنت اس کے لیے قربان کو تیار ہوجائے گا، یہ ہے انسان کی حیثیت اور حقیقت لیکن اس کو تھوڑی زیادہ طاقت، تھوڑی زیادہ دولت، تھوڑا زیادہ علم یہاں تک کہ تھوڑا زیادہ عمل مل جاتا ہے تو وہ اپنے کو دوسرے سے ممتاز سمجھنے لگتا ہے، اللہ والوں اور دوسروں میں فرق یہ ہے کہ اللہ والے اپنے کو اور حقیر اور چھوٹا سمجھنے لگتے ہیں، اور جس کا تعلق اللہ سے کمزور ہوتا ہے وہ اپنے کو بڑا اور دوسروں کو چھوٹا اور کم تر سمجھنے لگتے ہیں۔ ہر عمل وکردار میں اس کا خاص خیال رکھنے کی ضرورت ہے، خطاب کے بعد حضرت والا کی دعا پر جلسہ ختم ہوا۔

رات کو کھانے اور قیام کے لیے ٹھہرنا آسان نہ تھا، اسی وقت فیروز پور، پالن پور کے لیے روانہ ہوا۔ مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے مکان پر رات گزاری گئی جہاں ان کا خاندان چشم براہ تھا۔

بیت الحمد فیروز پور پالن پور کا سہ روزہ قیام:

بڑودہ سے بیجاپور جو احمد آباد سے آگے ہے اور ویس نگر ہوتے ہوئے رات کا قیام بیت الحمد فیروز پور پالن پور میں کیا گیا۔ جس کے داعی مولانا اسماعیل بھولا ندوی تھے۔ جہاں ان کے والد حاجی یاسین بھولا صاحب اور دوسرے افراد خاندان چشم براہ تھے، یہاں کہ اہم شخصیتوں میں مولانا حبیب اللہ فروز پوری بڑے عالم حدیث اور باکمال شاعر وادیب گزرے ہیں، جن کی زندگی قابل رشک اور موت بھی قابل رشک ہوئی تھی، وہ عرصہ تک دارالعلوم ندوۃ العلماء میں حدیث کے بڑے استاد کے طور پر رہے، اور صحیح بخاری بھی پڑھائی، اس زمانہ میں تعمیر حیات میں ان کے دینی ملی حمیت وغیریت کو بیدار کرنے والے اشعار بھی شائع ہوا کرتے اور ان کے کئی شعری مجموعے بھی شائع ہوئے، جن میں ایک مجموعہ "صور اسرافیل" بھی ہے جو بال جبرئیل کا جواب ہے۔

دنیاوی حیثیت کے کئی بڑے لوگ ہندوستان صنعت وتجارت پر چھائے، ان میں، مولانا اسماعیل بھولا ندوی کا بھی صنعتی ادارہ ہے جو جس کی اشیاء عالمی منڈی میں پیش کی جاتی ہیں اور کام کی صفائی سے وہ مقبول ہوتی ہیں، ان کے دادا جناب داؤد بھائی بھولا مرحوم بڑے صالح اور متدین شخص تھے، جن کے تین صاحبزادے ہیں، یاسین بھولا صاحب سب سے بڑے پھر عثمان بھولا صاحب پھر احمد بھولا صاحب، افسوس کہ عثمان بھولا صاحب چند ماہ قبل اچانک وفات پاگئے، یہ ایسا صدمہ اس مخلص دین پسند خاندان کے لیے تھا جس کو صرف ایمان باللہ ایمان بالآخرت سے ہی برداشت کیا جاسکتا ہے، اور ابھی قریب ہی عرصہ میں ایک دوسرے قریبی فرد خاندان حاجی سعید بھولا صاحب نے بھی وفات پائی، یہ بزرگوں وعلماء کے منظور نظر اور خود بڑے ہی محب مخلص اور بڑے مہمان نواز وخدمت گزار شخص تھے، حضرت مولانا واضح حسنی ندوی صاحب مدظلہ اور ہم لوگ ان کے صاحبزادے بھائی صادق بھولا اور دیگر پسماندگان سے تعزیت کے لئے ان کے گھر گئے۔

قریب آباد بستیوں کے لوگ اور اہل علم وفضل ملاقات کے لیے آتے رہے، ان میں مولانا محمد حنیف، مولانا ثناء اللہ رسول پوری، مولانا یاسین کاکوسی، مولانا نظام الدین خاموش، مولانا عبدالباقی وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، یہ علاقہ پالن پور کے علاقہ کے طور پر معروف اور یہاں لوگ پالن پوری کہے جاتے ہیں، اپنے مشترک کاروبار میں امانت دیانت میں مشہور ہیں اور یہاں سے کریتی تک ہوٹل کا نظام ان کے ہاتھ میں ہے، علاقہ میں شیعہ عقائد کے لوگ تھے اور کچھ ابھی بھی ہیں، مگر سخت اور متشدد نہیں ہیں اور خود بڑی سنی آبادی بھی ان حضرات کی ہیں جس کے بزرگوں نے شیعیت سے بھی توبہ کی، یہ لوگ تین چار صدی قبل گیارہویں صدی ہجری کے مشہور بزرگ حضرت پیر مشائخ کا بڑا احسان مانتے ہیں، جن کی صرف چالیس بیالیس سال عمر ہوئی تھی اور بڑی اصلاح ان کے ذریعہ ہوئی جبکہ قریبی عہد کے علماء میں مولانا محمد نذیر پالن پوری کے بڑے ممنون نظر آتے ہیں، اسی وجہ سے اسی علاقہ میں ان کے حفید صالح مولانا عبدالقدوس ندوی پالن پوری کو بڑی عزت حاصل ہے، دعوت وتبلیغ کے ترجمان مولانا محمد عمر پالن پوری کے فیوض وبرکات سے ان کی اپنی قوم وعلاقہ کیسے محروم رہتا، انھوں نے تبلیغ سے جوڑ کر اس پوری برادری کو جو مومن قوم کہلاتی ہے، اپنی دین پسندی، خدمت خلق، دعوت وتبلیغ دین سے ایسا متعارف کرایا، کہ ہر جگہ اس کی پہچان ہے، ارباب علم وفضل میں مولانا سعید احمد پالن پوری کو جو شہرت ومقام ملا، وہ کم لوگوں کے حصہ میں آیا، وہ دارالعلوم دیوبند میں شیخ الحدیث اور صدر المدرسین دونوں منصب پر فائز ہیں یہ خصوصیت اس سے قبل شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی کو حاصل تھی۔

جیسا کہ پچھلی سطروں میں گذرا ہے کہ مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے دادا داؤد بھائی بھولا مرحوم بڑی خصوصیات کے انسان تھے اور انہوں نے بڑی محتاط زندگی گزاری جس کی برکات ان کی نسل میں دینی و دنیوی دونوں اعتبار سے ظاہر باہر ہیں۔

مجلس توبہ:

بیت الحمد میں ایک مجلس توبہ (بیعت کی مجلس) منعقد ہوئی، جس میں

مرشد الامۃ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے الفاظ بیعت (توبہ) کہلانے سے قبل کچھ تمہیدی گفتگو بھی فرمائی، جو ریکارڈ کرلی گئی تھی، وہ حسب ذیل ہے:

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أشهد أن لآ إلٰهَ إلاّ الله و أشهد أنّ محمداً عبدهٗ و رسولهٗ

بیعت حقیقت میں توبہ ہے کہ کسی شخص کے مشورہ اور دین سے واقف کے سامنے جو اس کا مجاز ہو توبہ کرنا، جس کے سامنے یہ عمل کیا جاتا ہے وہ اس کا گواہ بن جاتا ہے، توبہ اللہ کا بڑا انعام ہے، اور تحفہ ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دنیا بسائی ہے، انسانوں کا امتحان لینے کے لیے، کہ اللہ کو مانتے ہیں، یا کسی دوسرے کو مانتے ہیں، مسئلہ یہ آجاتا ہے، کہ جی کچھ چاہ رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی مرضی اور چاہت کچھ اور ہے۔ اب آدمی کیا فیصلہ کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ دیکھنا چاہتا ہے، کہ تمہارے سامنے ایسا مسئلہ آجاتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ اپنے دلوں کو مانو گے یا اللہ کو مانو گے، مگر مزا اور لطف دل چاہنے میں ہوتا ہے، اس لیے انسان وہاں پھسل جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتا ہے، کہ دنیا میں جو کچھ دیا، زندگی دی، طاقت دی، دولت دی، عزت دی اور سب کچھ دیا وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ اللہ کا احسان وانعام مانتے ہو کہ نہیں، اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں کہ ہم اللہ کی عبادت کریں اس کے لیے اس کی بڑی مخلوق ہے، فرشتے ہیں، اور دوسری سب مخلوقات ہیں مگر انسان اور جنات کو اختیار دیا گیا، جن وانسان کے لیے یہ موقع بہت آتے ہیں کہ دل کچھ جاہ چاہ رہا ہے، اور اللہ کی مرضی کچھ اور ہے، مگر اللہ تعالیٰ نے دونوں کا مقصد حیات صاف صاف بتادیا کہ وما خلقتُ الجنّ والإنس إلاّ ليعبدون. (الذاریات:۵۶)

اور اللہ کی مرضی اور چاہت کے خلاف کرنے کی صورت میں مؤاخذہ اور سزا کی بات بھی صاحب فرمادی، مَنۡ يَّعۡمَلۡ سُوۡٓءًا يُّجۡزَ بِهٖ، (النساء:۱۱۰) کہ برائی کی سزا دی جائے گی مگر اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ توبہ رکھی ہے کہ بندہ معافی مانگ لے اور اعتراف قصور

کر لے کہ غلطی ہوگئی، اللہ تعالیٰ ایسا کریم اور رحیم ہے کہ اس پر معاف کر دیتا ہے، اور بڑے سے بڑے گناہ کو معاف کر دیتا ہے، یہاں تک کہ شرک وکفر ونفاق جیسے گناہ کو بھی اگر سچی توبہ کر لی جائے تو معاف فرما دیتا ہے، توبہ کے اس عمل کو تھوڑا اہتمام کر کے کئے جانے کی ضرورت ہے کہ دوسرے کو گواہ بنا کر کی جائے، اس کا اثر پڑتا ہے، جس کے ہاتھ پر یا جس کے کہلاتے ہوئے الفاظ پر اس کے سامنے یہ عمل کیا جاتا ہے اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر اس عمل کو انجام دے اس کو اطلاع کی جاتی ہے، اس میں وہ صورت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کو گواہ بنایا، اور اپنی نئی ایمانی زندگی گزارنے کے لیے جو عہد کیا اس میں اس کو اپنا امیر بنایا اس سے لحاظ اور حیثیت کی ایک کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور دل میں اہمیت پیدا ہوتی ہے۔

مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم جو اس موقع پر مرد وخواتین کو جو الفاظ بیعت (توبہ) کہلاتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

الفاظ بیعت

بسم اللہ الرحمن الرحیم

أشهد أن لآ إلٰهَ إلّا اللّٰه وأشهد أنّ محمداً عبدهٗ ورسولهٗ (ہم گواہی دیتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں وہی سب کا مالک ہے اور سب کا خالق ہے، اور ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندہ اور اللہ کے رسول ہیں، اور آخری رسول ہیں، ہم ان کو رسول مانتے ہیں۔

اے اللہ ہم توبہ کرتے ہیں، کفر سے شرک سے بدعت سے جھوٹ بولنے سے، چوری سے، بہتان لگانے سے اور ہر گناہ سے چھوٹا گناہ ہو یا بڑا، سب سے توبہ کرتے ہیں اور عہد کرتے ہیں کہ اے اللہ تیرے سب حکموں کو مانیں گے۔

اے اللہ ہماری توبہ قبول فرما، ہمارے گناہوں کو بخش دے، اور توفیق دے نیک عملوں کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کی۔

توبہ کے بعد کی ہدایات:

یہ الفاظ ہیں بیعت کے، یاد رکھئے جو کچھ ہوتا ہے، اللہ کے کرنے سے ہوتا ہے اور اللہ کی اجازت سے ہوتا ہے، یہ سمجھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو ہوگا، نہیں چاہے تو نہیں ہوگا، چاہے جو تدبیر کرلی جائے، ہر تدبیر بے کار ہو جاتی ہے، شفا دینا چاہتا ہے تو شفاء ہوتی ہے ورنہ کوئی دوا کارگر نہیں ہوئی، یہ یقین ہونا چاہیے کہ اَلاَ لَہُ الْخَلْقُ والأمر یاد رکھو پیدا کرنا بھی اس کا کام اور نظام چلانا بھی اسی کا کام ہے کسی دوسرے کا کوئی عمل دخل نہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہم سے غلطیاں ہوتی رہتی ہیں، توبہ سے پہلے اور توبہ کے بعد بھی اس لیے ہم کو توبہ کرتے رہنا چاہیے کہ اے اللہ ہمارے گناہوں کو معاف کردے ہم توبہ کرتے ہیں۔

نماز توبہ پڑھ کر دعا بھی کرلیا کریں، اور دعا برابر کرتے رہیں، دعا کو حدیث شریف میں عبادت کہا گیا ہے، اور اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں دعا کو کہا ہے، اور ضرور تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا "اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ"۔

اس طرح دعا کرتے رہیں، کہ ہم کوشش کر رہے ہیں، مگر ہمارے بس میں نہیں ہے، آپ چاہیں گے تو ہم بچ سکیں گے، اور اللہ تعالیٰ سے مانگتے رہیے۔

نمازوں کی پابندی اور قرآن پاک کی تلاوت کا معمول رکھیں، اس سے اعمال صالحہ کی توفیق ملے گی اور اچھی زندگی حاصل ہوگی، ابتدائی تسبیحات کا اہتمام کیا جائے، سو بار استغفار، سو بار درود شریف اور سو بار تیسرا کلمہ سبحان اللّٰہ، الحمد للّٰہ، لَآ اِلٰہَ اِلّا اللّٰہ، اللّٰہ اکبر، اس سے گناہوں سے بچنا آسان ہوگا، اور اللہ کا تعلق بڑھے گا، اسی طرح درود شریف کے اہتمام اور اس کی کثرت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بڑھے گی اور اتباع سنت کا عمل آسان ہوگا، استغفار کا عمل اعتراف مقصود بھی ہے اور دعا بھی اور توبہ بھی، اس طرح اس کے ذریعہ توبہ بھی ہوتی رہتی ہے۔

اللہ تعالیٰ آسان فرمائے اور توفیق عطا کرے۔

دعا کیجئے:

ربّنا اغفر لنا ذنوبَنا واِسرافَنا فیُ اَمرِنَا وثبِّتُ اَقدَامَنا فانصُرنَا عَلی القَوْمِ الکافِرِیۡنَ.

اللّٰهُمَّ اَحْسِنْ عَاقِبَتَنَا فِي الأُمُوْرِ كُلِّهَا وَفِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ.

اے پروردگار ہماری خطاؤں کو معاف فرما اور نیک اعمال کی توفیق عطا فرما، اور ہمارے دعاؤں کو قبول فرما۔

وصلی اللّٰہ تعالیٰ علی خیر خلقه محمد وعلیٰ اله وسلم تسلیمًا کثیرًا.

شفاء ہاسپٹل:

فیروز پور کے قیام میں ایک دن شفاء ہاسپٹل کی تقریب میں شرکت کے لیے جانا ہوا جو مغرب وعشاء کے درمیان منعقد ہوئی اور اس کی تیسری منزل کا افتتاح عمل میں آیا، اس افتتاحی تقریب کی نظامت مولانا ثناء اللہ صاحب نے کی، مولانا یاسین کاکوسی صاحب اور علاقہ کے متعدد علماء کی سرپرستی میں یہ اسپتال انسانی خدمت کے جذبہ سے مریضوں کی اخلاقی وایمانی رہنمائی کا کام بھی کرتا ہے، اس طرح یہاں کے مریض اپنی جسمانی شفایابی کے ساتھ روحانی طور پر بھی شفا حاصل کرتے ہیں، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے یہاں اپنے خطاب میں کہا کہ:

یہ شفاخانے خدمت خلق کا، اور مریضوں تک اسلامی تعلیمات پہنچانے، اور انسانی اخوت کے اسلامی ہدایات سے واقف کرانے کا بہترین ذریعہ ہے جس سے اسلام کے نظام اخلاق کو سمجھنا عملی طور پر آسانی ہوجاتا ہے، مسلم حکومتوں میں پہلے اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ مریض کو اعصابی طور پر طاقت پہنچائی جائے اور اس کو اطمینان دلایا کہ تم اتنے بیمار نہیں ہو جتنا اپنے کو بیمار سمجھ رہے ہو، یہ چیز قوت مدافعت کو بڑھانے میں بہت کام دیتی ہے، جب کہ آج اس کے برعکس ہورہا ہے اور لوگ مریض کو ڈرا کر اس کو

دہشت زدہ کردیتے ہیں، اور تیمارداروں کواور خود مریض کوزمین اور جائداد فروخت کرکے اپنا علاج کرانا پڑتا ہے، یہاں تک کہ مقروض ہوجاتے ہیں اور ذہنی مریض ہوجاتے ہیں، اس لیے ایسے شفاخانے جگہ جگہ قائم کرنے کی ضرورت ہے، جہاں مریض آکر اپنے کو اسپتال میں نہ سمجھے بلکہ اپنے کو اپنے گھر میں سمجھے، اور یہ یقین پیدا کرادیا جائے کہ شفا اللہ عطا فرمائے گا، بعض بڑے اچھے ڈاکٹر و معالج ہوئے ہیں مگر شفا ان کے ذریعہ مقدر نہیں، تو محض ہمدرد ڈاکٹر دوسرے کی طرف رجوع کرنے کو کہتے ہیں، ہمارے ماموں مولانا ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی بڑے اچھے معالج تھے، مگر بڑے عالم اور بڑے پرہیز گار اور اللہ سے ڈرنے والے تھے، وہ انگریزی، یونانی اور ہومیوپیتھی تینوں علاج سے واقف تھے، وہ اسی صورت میں علاج بدل دیتے اور دوسری صورت میں کسی دوسرے ڈاکٹر یا حکیم کی طرف رجوع کرنے کو کہتے اور پتہ بھی بتادیتے، اس کی بالکل فکر نہ کرتے کہ ان کا اپنا دواخانہ متأثر ہوگا، اللہ نے ان کے ہاتھ میں بڑی شفا رکھی تھی، یہ ان کے تقویٰ، اخلاص اور انسانی ہمدردی کی کھلی برکت تھی۔

یہ شفا اسپتال جیسا کہ معلوم ہوا ہمارے ہمدرد، مخلص اہل تعلق جن میں علماء بھی ہیں، چلا رہے ہیں وہ ان تمام خصوصیات کا خیال رکھتے ہیں، اس طرح یہ ایک نمونہ کا اسپتال بن گیا ہے، اور نام کا اثر ہوتا ہے، اور اسی طرح نیتوں اور مقاصد کا بھی اثر ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ یہاں مریض آتے ہیں اور الحمدللہ شفایاب ہوکر جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان کوششوں کو قبول فرمائے اور لوگوں کو زیادہ سے زیادہ اس کا نفع پہنچائے۔

جامعۃ النور کی جدید عمارت کا افتتاح

کنز مرغوب پٹن کی جامع مسجد میں اوائل سنبلیہ کا درس اور اجازت حدیث کی مجلس:

اوائل سنبلیہ پڑھ کر اجازت حدیث کی اس خصوصی مجلس کی تفصیلات اس کے داعی و منتظم استاذ محترم مولانا عبدالقادر صاحب ندوی پٹنی مظاہری نائب مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء و مجاز بیعت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے دی ہیں کہ مرشدی حضرت ناظم صاحب ندوۃ العلماء کے اس پورے سفر کی زحمت برداشت کرنے میں ایک بڑا محرک حضرت کی اپنے مزاج کی خاص بات خورد نوازی تھی، چناں چہ ۲۹/ اپریل کو حضرت کا پروگرام جامعۃ النور، رختاواڑہ، پٹن کی تعمیر کا افتتاح تھا، اس کے ساتھ ایک اہم پروگرام اوائل سنبلیہ سنا کر سامعین کو اس کی سند کی اجازت مرحمت فرمانا بھی تھا۔ عصر بعد حضرت مولانا دامت برکاتہم جامعۃ النور تشریف لائے۔

حالانکہ جامعۃ النور کی تعمیر میں کچھ کام باقی رہ جانے کی وجہ سے دعا پر اکتفا کیا گیا، جبکہ اہل تعلق اچھی تعداد میں عمارت میں جمع ہوگئے تھے اور ان کے لئے اسی جدید عمارت کی بالائی منزل میں عشائیہ کا انتظام تھا مغرب بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے عمارت کے باب الداخلہ پر تشریف لا کر دعا کرائی اور اس کے ذریعہ افتتاح فرمایا۔ لیکن دوسرا پروگرام مدرسہ کنز مرغوب میں رکھا گیا۔ اس کی مسجد کی وسعت مدرسہ کے قدیم اور سلف کی یادگار ہونے اور منتظمین مدرسہ کے ہمیشہ حسن تعاون کی وجہ سے، چناں چہ الحمدللہ بہت کامیاب رہا۔ حضرت نے اوائل سنبلیہ میں مرقوم تمام احادیث بذاتِ خود پڑھ کر سنائیں جس میں خاصا وقت بھی صرف ہوا اور حضرت کی پیرانہ

سالی رسالہ سفر اور ضعف کی وجہ سے کافی زحمت بھی برداشت کی اور سب سامعین کو جس میں احقر، مولانا ثناء اللہ صاحب رسولپوری اور مولانا یاسین کاکوسی اور مولانا محمد عمران ودیگر مدرسین کنز مرغوب کے علاوہ بھی اطراف کے علماء کی ایک تعداد نے شرکت کی، حضرت نے زبانی اجازت سبھی کو اسی وقت عنایت فرمادی اور شرکاء کے نام اپنی شرائط کے ساتھ لکھنؤ بھیجنے پر تحریری اجازت کا بھی وعدہ فرمایا۔ اللہ تعالیٰ بصد عافیت حضرت کے سایہ کو ہمارے سر پر قائم رکھے اور ہمیں ہمیشہ استفادہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

اس کے بعد فیروز پر رات میں قیام کر کے دوسرے دن گودھرا کے پروگرام میں شرکت کے لیے سفر فرمایا جس میں راقم عبد القادر کو بھی ہم رکابی کا شرف حاصل رہا۔

مولانا عبد القادر ندوی پٹنی کے نام ایک یادگار مکتوب

اللہ تعالیٰ جس سے کام لیتا اس کے والدین ماجدین یا آباء واجداد کی نیکیوں کا ضرور حصہ ہوتا، نیکیاں ضائع ہوتی ہوئیں "اِنَّ اللّٰـهَ لَا يُضِيعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ" کا مشاہدہ دنیا میں بھی ہوتا اور آخرت میں بھی بھرپور ہوگا۔ پٹن کے قیام میں مولانا عبد القادر صاحب نے اپنے نام اس یادگار مکتوب سے اس حقیقت کو پھر تازہ کیا جو اس مناسبت سے پیش خدمت ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مكة المكرمة

(۱۵/جمادی الثانیۃ ۹۹/یوم الجمعۃ المبارک)

11-05-1979

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہم

محبی العزیز مولوی عبد القادر سلمہ۔اس سے پہلے ایک خط لکھ کر یہاں ابوبکر کو دیا ہے۔چند روز میں ملے گا ان شاء اللہ۔ دیگر پٹن سے تمہارے بھائی کو خبر ملی ہے جیسے مجھے اطلاع ہوئی کہ آپ کے والد محترم اور میرے عزیز دوست و مربی اس دارِ فانی سے رحلت کر گئے "ونحن نقول كما قال الصالحون إنا لله وإنا إليه راجعون أعظم الله أجركم"۔

میرا ان سے بچپن سے ساتھ تھا۔شروع میں یہ خدا پر توکل کر کے کڈی سے استعفیٰ دے کر پٹن تشریف لائے، تب سے ایک دن ایسا نہ گیا کہ ان سے نہ ملے ہوں۔ آتے ہی اسی روز سے قاضی کے مسجد میں مع چند لڑکوں کے اذکار نقشبندیہ کی تعلیم فرما کر بعد مغرب روزانہ ختم کے لیے بیٹھتے، جس کو انھوں نے اب تک نبھائے رکھا۔پھر ہمیں راتوں کو لے کر قبرستان گئے اور وہاں نماز تہجد کی تعلیم دی۔تھوڑے ہی عرصہ بعد کنز مرغوب میں مدرس ہو گئے، پھر تو میرا ان سے دوہرا تعلق تھا۔قرأۃ کی تعلیم پر مجھے انھوں نے ہی توجہ دلائی اور خود سے میاں ولی ابراہیم خان صاحب جو مکہ معظمہ سے اُن دنوں پٹن آئے تھے ان سے قرأۃ سیکھی۔ ملاواڑ کی مسجد کا مدرسہ انھیں کی دعا کی برکت سے چلا۔اس زمانہ میں طبیعت علم سیکھنے کی طرف زیادہ مائل تھی۔اور اب تک یہی مشغلہ ذکر کے ساتھ

جاری تھا۔ آخر میں خلوت اختیار کی تو کتب تصوف کے لیے بھی ذکر کے علاوہ کچھ وقت نکالا تھا۔

تبلیغی جماعتوں میں انھیں عمل سے کام تھا۔ تقریر نہیں، عملی سرگرمی میں دور دراز تبلیغی سفروں کے باوجود ان کو اپنے مشائخ نقشبندیہ سے عشق تھا۔ میرے مذاق میں مرحوم صدیقین سے تھے۔ اللہ انھیں اپنی رحمتوں سے نوازے اور ہم ناکاروں کے لیے شفیع گردانے کہ جو وسیلۂ آخرت ہے۔ میرا دل اس سانحہ کی خبر سن کر بہت غمگین ہے لیکن کیا کیا جائے، یہ دارِ فانی سے سب کو ایک نہ ایک روز جانا ضرور ہے۔ حضرت باوا صاحب کے بعد ایک یہی اس فقیر غریب کا آسرا تھے جن کی صحبت سے فکر وغم دور ہو کر خدمت حاصل تھی، اب پٹن جا کر (اگر قسمت میں ہے تو) کس کے پاس بیٹھیں گے۔

بڑے ہمتی، عالی ظرف تھے۔ تمہاری والدہ کے حادثہ کے وقت انھوں نے جس تحمل کا ایک پتھر چھاتی پر گویا رکھا تھا اور تم کو لے کر ہمیشہ میرے پاس بیٹھ کر اپنے غم کو بھلانے کی کوشش کرتے کیا معنی، بلکہ اوران کو بھی اپنے حال کی خبر نہیں ہونے دیتے۔ زندگی میں اپنے اہل وعیال کے سب حقوق سے فارغ ہو چکے تھے۔ آخری علم کی تمنا میں تم کو پڑھنے کے لیے ندوہ چھوڑا، اور کم عمری میں باوا صاحب اور اس فقیر کے مشورہ سے طے پایا تھا جو اللہ کے فضل سے اپنی کامیابی نظروں سے دیکھ لی۔ پٹن پر بڑا احسان کیا، ورنہ علم کی جگہ خالی تھی، باقی ان کے رویائے صالحہ اور اخلاص والی باتیں اور دیرینہ صحبت بھلا کیسے بھول سکتا ہوں۔ طواف وغیرہ میں دعائیں کرتا رہوں گا۔ اب تم بھی اس غم کو جلدی بھلا دینا۔ اللّٰھم ارحمه رحمة الأبرار وأجمعنا به فضلا في دار القرار.

عاجز بندہ محمد شمس الدین عفی عنہ

کچھ اور سنو!

مناقب واوصاف میں سب سے بڑی صفت مخلوق سے استغناء میں باوا صاحب مرحوم کی نظر سے کوئی کتنا بھی مالدار آجائے ان کے اس کی ذرا بھی پروا نہیں، البتہ

دینی خوبیوں کے عاشق اور اپنے کو طالب علم کے زمرے میں ہی سمجھتے۔ ایسے باکمال واہل دل کی سالہا سال صحبت میں رہنے کے باوجود یہ نالائق سدا عمل سے کورا ہی رہا ہے لیکن اللہ پاک سے امید ہے کہ ان کے وسیلہ سے مجھ جیسے غبی کو بھی صالحین کے جھنڈے میں حشر کرے تو اس کی رحمت سے کچھ بعید نہیں کہ المرء مع من أحب۔ کتنا لکھوں ان کی ہر ہر ادا میری نظر میں گھوم رہی ہے، چین نہیں پڑتا، وہ پُر رونق و منیر چہرا اور گلابی سفید رنگ چوڑی پیشانی پھر سنت رسول ﷺ کا سر پر عمامہ گفتگو میں ایک نرالی شان و بے نفسی اور محبت میں خلوصیت سب یاد آ گئے۔ کوئی مجلس ایسی نہ ہوتی جس میں اس فقیر کو یاد نہ کیا ہو۔ آتے ہی پہلے نظر کر لیتے۔ اب میری آخری آرزو یہ ہے کہ تمہارے پٹن جانے پر ان کے بدن پر لگا ہوا کوئی کپڑے کا ٹکڑا ضرور محفوظ کر لینا اور ملاقات پر میں آپ سے مانگ لوں گا ان شاء اللہ اور ملاقات نہ ہونے پر مجھے ضرور بھجوا دینا۔ فقط۔

چوں کہ گل رفت نہ گلستاں شد خراب
ہوئی گلراز کہ بجوئیم از گلاب
مشو بمرگ زا مداد اہل دل نومید
کہ خراب مردمِ داناں امت عین بیداری
پس رجالؑ از نقل عالم شادماں
وز بقا پیش شادماں اپنی کودکاں

والسلام خدا حافظ

شمس الدین

لوناواڑہ کے احباب کی دعوت:

پالن پور سے گودھرا آنے سے پہلے امکان تھا لوناواڑہ بھی حضرت مولانا دامت برکاتہم کی تشریف آوری ہو، گودھرا پہنچنے پر بھی اس کی دعوت جاری رہی مگر آگے کا پروگرام پیش نظر تھا اور پیچھے جاکر آگے جانا آسان نہ تھا، لوناواڑہ کا اگر چہ پروگرام رہ گیا مگر اس کے متعلقین نے دار العلوم المدرسۃ العربیۃ تعلیم المسلمین کے احوال وکوائف سامنے رکھے، اور عبدالمجید رشید چیرٹیبل فاؤنڈیشن کی سرگرمیاں گوش گزار ونظر نواز کیں، یہ ادارہ متعدد رفاہی تعلیمی ودعوتی کام اچھے انداز میں کررہا ہے، اور مسلم قوم کی دینی ودنیوی تعمیر وترقی کے لیے کوشاں ہے، اس کے صدر جناب یوسف رشید صاحب ایک فعال شخصیت ہیں اور مولانا عبدالقادر ندوی پٹنی نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء سے خصوصی تعلق رکھتے ہیں۔

دار العلوم گودھرا میں:

دار العلوم رحمانیہ گودھرا میں دار الحدیث کی دار السنہ کے نام سے عمارت کے افتتاح کی تقریب کا پروگرام حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے پروگرام کو دیکھ کر طئے کیا گیا اور حسن اتفاق سے شب براءت میں عشا بعد یہ تقریب منعقد ہوئی، شہر سے بھی خاصی تعداد میں لوگ جمع ہوگئے تھے، بڑی اچھی تقریب ہوئی، سال گزشتہ ۲٦ رجنوری ۲۰۱۷ء کو اس کا سنگ بنیاد ایسی سادہ اور پر رونق مجلس میں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے رکھا تھا اور دعا کرائی تھی، ڈیڑھ سال کا عرصہ بھی نہیں گزرا کہ یہ عمارت تکمیل کو پہونچ گیا اور آج اس کا افتتاح عمل میں آیا، دورۂ حدیث کا سال شروع کرنے کی غرض سے کم وقت میں اس عمارت کی تکمیل کرائی گئی مگر بعض مصلحت سے دورۂ حدیث کا آغاز ابھی نہیں کیا جارہا ہے، چوں کہ حفظ قرآن کریم کی مناسبت حفاظ کی دستار بندی کا پروگرام رکھا گیا تھا، حضرت مولانا دامت برکاتہم کے خطابت دونوں مناسبتوں کا اچھے انداز میں ذکر ہے، جلسہ کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا، حفظ قرآن کریم کی سعادت تیس طلبہ نے حاصل کی، اور جلسہ کی

نظامت مولانا محمد امین ندوی استاد دینیات دار العلوم گودھرا، مولانا حافظ عبد الستار صاحب ناظم تعلیمات، مولانا مفتی محمد ابراہیم آچھودی اور دیگر اساتذہ وعلماء موجود تھے۔ افسوس کہ مولانا اسماعیل صاحب گودھرا، مولانا احمد حسین صاحب اور مولانا فرید صاحب اپنی دعوتی مصروفیات کی وجہ سے سفر میں تھے وہ شریک نہ ہوسکے اور ان سے ملاقات کی تمنا رہ گئی۔

اسوۂ حسنہ:

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے تقریب افتتاح عمارت دار الحدیث (دار السنۃ) میں فرمایا عزیزو اور طالبانِ علوم نبوت، بڑے شرف اور عزت کی بات ہے کہ آپ اللہ کا کلام پڑھ رہے ہیں اور یاد کر رہے ہیں، یہ پڑھنا اور یاد کرنا اس مقصد سے ہے کہ زندگی کو صلاح ورشد کا حامل بنایا جائے اور قرآنی تعلیمات اسوۂ رسول میں پوری طرح آگئی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کو ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک جملہ میں ذکر فرمایا تھا: "کان خُلُقُہٗ القرآن" اور قرآنی پاک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو اسوۂ حسنہ کہا گیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے حالات سے گزارا گیا کہ تمام حالات میں آپ کی حیاتِ طیبہ وسیرت پاک کی روشنی حاصل کی جاسکی، قرآن پاک میں جو کچھ فرمایا گیا، وہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں آگیا ہے۔

یہ زندگی جو دنیا کی ہم برت رہے ہیں وہ اصل نہیں ہے، یہ اس لیے ہے کہ اس سے ہم اپنی آخرت کی زندگی بہتر بنا سکیں، ایک ذرّہ برابر کی نیکی ہو یا بدی ہو وہاں ظاہر ہو کر رہے گی، "فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ" (سورۃ الزلزال) یہ نیکی اور نیکی والی زندگی کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ سے پایا جاسکے گا، اس لیے سنت کی بڑی اہمیت ہے، سنت کے دو بڑے مصدر ہیں، ایک حدیث پاک کا ذخیرہ جو صحاح، سنن، مؤطا، مسانید، معاجم، مصنفات اور حدیث پاک کے دوسرے ذخیروں میں جمع کردیا گیا ہے، اور دوسرا مصدر سیرت پاک کی کتابیں ہیں، جیسے سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، زاد المعاد للامام ابن القیم، دلائل النبوۃ بیہقی وغیرہ اور دوسری سیرت کی

کتابیں ہیں، اور یہ سب قرآن مجید کی تعلیمات کا عملی حصّہ ہیں، قرآن مجید یاد کرنے کا مقصد دین کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا اور دوسروں کو اس کے متعلق آگاہ کرنا ہونا چاہیے۔

یہ بڑی مبارک مجلس ہے جس میں شرکت سے میں خود سعادت محسوس کر رہا ہوں، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور اس کے ذریعہ کو قرآن مجید اور حدیث شریف کی خدمت کا فیض عام فرمائے۔

سورت کا سفر اور ساحل میں قیام:

دوسرے دن صبح سورت کے لیے روانگی ہوئی جہاں منیار خاندان ایک دیندار تاجر خاندان بزرگوں، اہل علم و دین سے تعلق رکھنے والا خاندان درمیان شہر میں آباد ہے اور ساحل کے نام سے دریا کنارے ان کے مکانات ہیں، اس وقت اس خاندان کے بزرگ بھائی عبدالحفیظ منیار صاحب ہیں، جو شیخ محمود مینار مرحوم سے چھوٹے ہیں، باقی سب بھائی بلال منیار صاحب، خالد منیار صاحب، مولانا محمد علی منیار صاحب، ابراہیم منیار صاحب اور دوسرے بھائی بھی دین پسند، علم پسند اور دین دار اور دین کے لیے وقت فارغ کرنے والے حضرات ہیں۔

الحاج بلال منیار صاحب مکہ معظمہ میں مقیم ہیں اور وہاں ان کے صاحبزادگان مولانا یحییٰ بلال منیار ممتاز عالم اور مولانا موسیٰ منیار اچھے خطیب و امام ہیں، مولانا محمد علی منیار مظاہر علوم کے فاضل اور مدینہ منورہ میں مقیم ہیں، ان کے صاحبزادہ مولوی حسین منیار بہت تعلق سے ملے، اسی طرح مولوی نجم الثاقب منیار اور مولوی حذیفہ منیار، بھائی خالد منیار کے صاحبزادگان اور مولوی عبدالباسط منیار بن الحاج عبدالحفیظ منیار اور شیخ محمود منیار کے صاحبزادگان بھی) بہت تعلق سے تقریباً سو کے قریب اس منیار خاندان کے افراد بقول بھائی عبدالحفیظ منیار آل عبدالرؤف یعنی ان کے دادا الحاج عبدالرؤف منیار مرحوم کی بڑی اولاد میں سو کے قریب علماء و حفاظ ہیں۔ سبھی تاجر ہیں، مگر تجارت ثانوی چیز میں علم و دین کے حصول اور حفظ قرآن کریم کو اولیت دینے میں حضرت مولانا دامت برکاتہم کے قیام کی مناسبت سے بھائی عبدالحفیظ منیار نے اپنے پوتے کے حفظ قرآن پاک کی تکمیل کا

پروگرام رکھ لیا۔عورتوں میں بھی یہ خصوصیت پائی جاتی ہے،خواتین کے لکھنؤ سے نکلنے والا رسالہ ماہنامہ رضوان پابندی سے ۲۵/عدد اس خاندان میں جاتا ہے،اور سبھی خواتین اس کا بشوق مطالعہ کرتی ہیں، بھائی خالد منیار جو حضرت مولانا محمد طلحہ کاندھلویؒ کے خلیفہ بھی ہیں، بڑے ہی دین پسند اور دین پر عمل ہیں، سورت کے ایک حافظ صاحب کے بارے میں بتایا کہ رمضان کے علاوہ سال میں بھر میں دوسو سے زائد قرآن پاک ختم کر لیتے ہیں، گزشتہ سال ۲۲۸/ختم کیے تھے، اور اس سال شوال سے رجب تک ۲۴۴/ختم کر لیے ہیں، جو ڈھائی سو اوپر تک شعبان کے آخر تک پہنچ جائیں گے، یہ نوجوان ۳۵/۴۰ کے ہیں۔

عزیزم عبدالغفور بن مولوی عبدالباسط بن عبدالحفیظ منیار کی تقریب ختم قرآن تھی جو بھائی خالد منیار صاحب کے نواسے ہیں۔اس موقع پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا خطاب ہوا جو حسب ذیل ہے۔اور دعا کرائی۔

محترم حضرات! اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی نعمت جو ہمیں عطا فرمائی وہ آسانی سے مل گئی ہے، اس لیے قدر نہیں ہوتی، پانی کے لے لیجیے، آسانی سے مل جاتا ہے، اس کی قدر نہیں ہوتی، جب ضرورت پر نہیں ملتا، سلطنت مٹانے کو تیار ہوجاتا ہے، ایک عابد نے ستر سال عبادت کی اور ان کو اپنی عبادت کا خیال آیا، ان کو اٹھایا گیا کہ ایک صحراءلق ودق ہے، وہاں پانی کا شدت کا احساس ہوا، ایک گلاس پانی کی ضرورت تھی، اور ادھر ستر سال کی عبادت، وہ اس کو اس کے لیے دینے کو تیار ہوگئے، اللہ نے یہ دکھایا کہ یہ ستر سال کی عبادت کی مگر اللہ کے اس فضل کے ساتھ کی، اس لیے اللہ کے فضل پر نگاہ رہنی چاہیے، اور اس کے دین کی اور دین کی باتوں کی پوری قدر ہونی چاہیے، آج ہر چیز آسانی سے مل رہی ہے، اس لیے اس کا وہ خیال نہیں رہ گیا جو ہونا چاہیے، قرآن مجید ہی کو لے لیا جائے، اس کا ایک نسخہ ہوتا، اور کہا جاتا، دنیا کے فلاں حصہ میں ایک غار میں رکھا ہے، تو لوگ کتنا خرچ کر کے اور کسی مشقت اٹھا کر وہاں جاتے اور پھر اس کو انسانی حروف میں کر کے اللہ تعالیٰ نے ہماری سہولت کے لیے دے دیا، اور عام کر دیا، اور انسانی حروف کا غلاف چڑھا دیا

جیسے بجلی ہے اگر اس پر غلاف نہ چڑھایا جائے، تو ہاتھ لگاتے ہی انسان راکھ ہو جائے گا، قرآن مجید جس کو پہاڑ برداشت نہیں کر سکتا، انسان کیسے بردات کر سکتا تھا، جل کر راکھ ہو جاتا، لیکن اللہ نے یہ کرم کیا کہ انسانی حروف اپنے کلام پاک کو دیا اور سب سے مطہر ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر میں اس کو اتارا، پھر آپ کے قلب اطہر سے صحابہؓ کے قلب اطہر میں منتقل فرمایا اور پھر اس کا فیض عام کر دیا۔

قرآن مجید کے الفاظ و معانی پر غور کرنا اس کا حق ہے، اور صحیح تلفظ کے ساتھ اس کی تلاوت اور دوسروں کو اس کی تعلیم و تبلیغ و تفہیم سب اس کا حق ہے، جب کہ اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں دیتے ہیں، قرآن مجید کو جو غور کر کے پڑھتے ہیں، ان کے لیے آگے تلاوت مشکل ہو جاتی ہے، ایک ایک آیت رات گزار دینے اور روتے رہنا سلف کے واقعات سے اور سب سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی پاکیزہ سیرت سے ملتا ہے، اللہ کے کلام اللہ کا کلام سمجھ کر اس کی عظمت اور محبت کے ساتھ پڑھا جائے تو لگتا ہے جیسے دل پھٹ جائے گا۔

یہ خوشی و مسرت کی بات ہے کہ اس خاندان میں اس کا بڑا خیال ہے، اور یہ دین سے محبت اور اللہ سے محبت کی بات ہے، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اور اس کی برکتیں پڑھنے والے کو اور ان کے خاندان والوں کو سبھی کو عطا فرمائے، آمین۔

دوبارہ ممبئی میں:

گودھرا سے لکھنؤ واپسی کی سبھی تدابیر ناکام رہیں، بالآخر سورت کے راستہ ممبئی دوبارہ جا کر وہاں۔ سے لکھنؤ واپسی ہوئی، مولانا اسماعیل بھولا ندوی کے مکان پر جوگیشوری میں قیام رہا اور وہاں پاکیزہ مسجد میں جمعہ ادا کر کے انھی کے مکان پر وہ دن گزارا گیا، پھر اگلے دن سنیچر کو لکھنؤ واپسی ہوئی، جن اہل تعلق کو معلوم ہوا وہ یہاں ملاقات کے لیے آئے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی نے سورت سے ممبئی آئے ہوئے، بھائی عبداللہ بھولا صاحب (برادر خورد مولانا اسماعیل ندوی) کے نئے قائم کردہ صنعتی پلانٹ میں جا کر دعا کی اور اسی طرح

مولوی جنید ندوی کی درخواست کو بھی شرف قبولیت بخشا، مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، جناب شاہد حسین صاحب، برادرم سید سحبان ثاقب ندوی، بھائی شاہنواز صاحب اور مولوی محمد ڈابھیل اور راقم السطور ساتھ تھا، الحمدللہ عافیت کے ساتھ سفر اختتام کو پہنچا۔

گجرات کا بین الاقوامی مولانا عبداللہ کاپودروی سیمینار

(صفر المظفر ۱۴۴۰ھ --- اکتوبر ۲۰۱۸ء)

گجرات اور ممبئی سے واپسی کے بعد زیادہ تر قیام لکھنؤ میں رہا رمضان المبارک کا بھی تقریبا پورا مہینہ ندوۃ العلماء میں گزرا جہاں برابر حضرت سے استفادے اور ان کی عیادت کے لئے ملک بھر سے لوگ برابر آتے رہے عید الفطر اپنے وطن تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں گزاری جہاں ۲۷/رمضان المبارک کو پہنچ گئے تھے، شوال کا مہینہ جو جولائی سے مطابقت رکھتا تھا ملت اسلامیہ کو ایک بڑے خسارہ سے سامنا کرنا پڑا کہ فخر گجرات مفکر ملت حضرت عبداللہ کاپودروی نہیں رہے جو ادھر چند سالوں سے علیل تھے اور ان کی عیادت کے لئے دو مہینہ پہلے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی کا پورا گجرات کا سفر کیا تھا، کیا معلوم تھا کہ یہ سفر حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا آخری سفر ہوگا اور یہ آفتاب علم و معرفت بھی ۹ جمادی الاول ۱۴۴۰ھ - مطابق ۱۶/جنوری ۲۰۱۹ء کو غروب ہو جائے گا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

گجرات میں دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کا حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی شخصیت اور خدمات بین الاقوامی سیمینار ۱۸/۱اکتوبر ۲۰۱۸ء میں منعقد ہوا جس میں دنیا بھر کی نمائندگی تھی اگر چہ سیمینار ایک روزہ تھا لیکن اس میں ڈیڑھ سو سے زائد مقالات پیش کئے گئے اور مقالات کی بڑی تعداد اس مختلف نشستوں میں پڑھی گئی اور خطابات بھی ہوئے جس کی تفصیل کا موقع نہیں البتہ دو اہم مقالے نظر قارئین کئے جارہے ہیں جو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ کے ہیں۔ اگر چہ یہ دونوں بزرگ اپنی کمزوری صحت کی وجہ سے اس بین الاقوامی سیمینار میں شرکت نہیں فرما سکے تھے۔

خطبۂ صدارت

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی بین الاقوامی سیمینار

الحمد لله رب العلمين ، والصلوة والسلام على سيد المرسلين وخاتم النبيين سيدنا محمد ، وعلى آله وصحبه أجمعين ، أما بعد :

حضرات! ہم کواس بات کی مسرت ہے کہ اصحابِ علم وفضل گجرات جیسے علمی وعملی کوششوں اور کارگزاریوں کے علاقے میں اس کے ایک اہم اور تاریخی ضلع سورت کے قصبہ ترکیسر میں جمع ہیں، جس میں اس اہم خطے کی علمی، ادبی اور دینی کوششوں کے تعلق سے سیمینار منعقد کر رہے ہیں۔ یہ سیمینار دارالعلوم فلاح دارین کا سیمینار ہے، جواس ادارے کی بڑی شخصیت اور سربراہ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ سے متعلق ہے، جن کا تین ماہ قبل طویل علالت کے بعد انتقال ہوا۔ اس ادارے نے ان کے فکر وعمل سے بڑی ترقی کی، اپنی معتدل اور متوازن فکر سے انہوں نے علما میں بڑا مقام پیدا کیا اور سبھی کے دلوں میں ان کا احترام اور قدر ومنزلت تھی۔

مختلف ممالک اور بالخصوص ہمارے ملک ہندوستان سے ممتاز اہلِ قلم اور اصحابِ علم وفضل اور دینی واصلاحی کوششوں میں حصہ لینے والی شخصیات شریک ہورہی ہیں، ان میں اکثر نے اپنے مقالے اور بعض نے اپنے خطبات کے ذریعے حصہ لیا۔

حضرات! آج کا یہ سیمینار گجرات کی اِس سرزمین پر منعقد ہورہا ہے، یہاں کی سرزمین کو علم وادب سے شروع سے مناسبت رہی ہے، اور اس سرزمین نے ہمیشہ علم وفضل کے آفتاب وماہتاب کو اپنی آغوش میں لیا ہے اور یہاں کے لوگوں نے دوسری جگہوں پر جاکر بھی لوگوں کو فیض یاب کیا ہے۔

یہ علاقہ ادبی اور دینی لحاظ سے نہ صرف یہ کہ زرخیز ہے بلکہ مسلمانوں کی اس برصغیر میں آمد کا دروازہ بھی بنا، جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں بلکہ عربوں کا اس بر صغیر سے تعلق اسی سرزمین سے شروع ہوا اور مسلمانوں کی پہلی کھیپ یہیں کے ساحلوں پر پہنچی، جس کی طرف قرونِ اولی سے مسلمانوں کی توجہ رہی اور اسی سرزمینِ ہندوستان سے عربوں سے بلکہ حجازِ مقدس سے تعلق کا نقطۂ آغاز ہوا۔ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے عہدِ خلافت میں ہی عربوں نے سواحلِ گجرات پر قدم رکھا تھا، اسی طرح کچھ صحابہ اور تابعین نے بھی یہاں کا رخ کیا، اور جب رجب ۱۵۹ھ میں عباسی خلیفہ نے یہاں کچھ لوگوں کو بھیجا تو ان میں حضرت ابوبکر ربیع بن صبیح البصری تابعیؒ (م ۱۶۰ھ) بھی تھے، جن کو یہ شرف حاصل ہے کہ حدیث کی پہلی کتاب انھوں نے تیار کی، اس کی یہ برکت ظاہر ہوئی کہ اس خطۂ ارضی کو علمِ حدیث سے خصوصی مناسبت رہی اور پے درپے یہاں ایسی شخصیتیں پیدا ہوتی رہیں جنھوں نے حدیث کو موضوع بنایا، بعد میں یہاں علامہ ابن حجر العسقلانیؒ کے شاگرد، علامہ سخاویؒ کے شاگرد، علامہ ابنِ حجر مکی کے تلامذہ کافی تعداد میں آکر مقیم ہوئے اور علمِ حدیث کی اشاعت وترویج میں اپنی زندگیاں گزاردیں۔

صوفیائے کرام، دُعاۃ ومبلغین، فقہا ومحدثین کی آمد ہوئی اور ان کے ذریعے سے اسلام کا تعارف اور اسلامی علوم کا تعارف اِس ملک میں ہوا، اور حکمرانوں نے بھی اِس ملک کو اپنا میدانِ عمل بنایا، اور سلاطینِ گجرات نے خصوصیت کے ساتھ بڑی علمی وادبی سرپرستی کی۔ مولانا عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ گجرات کو اِس سلسلے میں دہلی پر فوقیت دیتے ہیں، اور لکھتے ہیں کہ ”میں بلاخوفِ مخالفت کہہ سکتا ہوں کہ شاہانِ گجرات نے اپنے ڈیڑھ دو سو برس کے زمانۂ فرمانروائی میں جس قدر علوم وفنون کی سرپرستی کی، دہلی کی شش صد سالہ تاریخ اس کی نظیر نہیں پیش کرسکتی، یہ صرف اُن کی قدردانی اور حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ شیراز ویمن ودیگر ممالکِ اسلامیہ کے چند برگزیدہ بندوں

نے یہاں آکر بودوباش اختیار کی جن کے فیوض سے چند دنوں میں گجرات مالا مال ہوگیا اور خود گجرات میں اس پایے کے علما پیدا ہوئے جن کے فیوضِ علمی کی آبیاری سے اب تک ہندستان کی درسگاہیں سیراب ہو رہی ہیں"۔

(یادِایام صفحہ ۶۸-۶۹)

سلاطین میں سلطان مظفر شاہ گجراتی خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو نعم الخلف لنعم السلف کے صحیح مصداق اور علوم وفنون میں ماہر اور عامل بالعزیمت تھے۔ اور مظفر شاہ کا پوتا محمود شاہ دوم اس قدر علم پرور تھا کہ مولانا عبدالحی حسنیؒ رقم طراز ہیں کہ "اُس زمانے میں سرمایۂ نازشِ ہندوستان شیخ علی متقی دوبار ہندستان تشریف لائے اور اُسی کے زمانے میں ایک عظیم الشان مدرسہ مکہ معظّمہ میں باب العمرۃ کے متصل قائم کیا گیا، جس میں علامہ شہاب الدین ابن حجر مکی اور عزالدین زمزی وغیرہ علمائے مکہ تدریس کی خدمت انجام دیتے تھے۔ علاوہ اُس کے کئی رباط اور مکتب مکہ معظّمہ میں تعمیر کرائے گیے۔ محمود شاہ نے اِسی پر قناعت نہیں کی بلکہ اُس نے خلیج کنبایت (کھمبات) میں ایک بندرگاہ کی آمدنی محض حرمین شریفین کے رہنے والوں کے واسطے وقف کردی تھی"۔ (یادِایام صفحہ ۵۵-۵۶)

صوفیاءِ کرام کے ذریعے توحید کی دعوت جو امت اسلامیہ کی اساس ہے، اِس ملک ہندستان میں عام ہوئی، گجرات کے علاقوں میں بھی یہ فیض اِس طریقے سے خوب پھیلا۔ اور اس فیض میں بھی صوفیا کے ساتھ سلاطین کا بھی حصہ رہا۔ نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شیروانی لکھتے ہیں کہ "تاریخِ گجرات کا یہ واقعہ قابلِ اضافہ ہے کہ ظفر خاں شاہِ گجرات کا باپ "سہارن" فیروز شاہ بادشاہِ دہلی کے ہاتھ پر مسلمان ہوکر ایک معزز عہدے پر ممتاز ہوا تھا۔

(پیش لفظ یادِایام صفحہ ۳۹)

اہلِ قلب مشائخ وصوفیا کی جدوجہد اور ان کے انفاسِ قدسیہ سے گجرات میں

ایمان کی بادِ بہاری چلی اور اُس کے طفیل سے ایسے مواقع پیدا ہوئے کہ بڑی اہم علمی و دینی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور انھوں نے علمی و دینی سطح پر غیر معمولی خدمات انجام دیں۔ چھٹی صدی ہجری سے لے کر گیارہویں صدی ہجری تک پورے برصغیر میں علمائے دین وشریعت کی حیثیت سے یہ خطۂ ارضی پورے برصغیر میں سب سے زیادہ مایۂ ناز رہا۔ متعدد ایسی عظیم شخصیتیں ہیں جو اِس پورے برصغیر میں بہت خصوصی امتیاز کی حامل ہوئیں، جن میں شیخ علی متقی صاحب کنز العمال اپنے علمی کمالات اور نوع بنوع صفات کی وجہ سے بڑے ممتاز ہیں۔ اُن کے شاگرد و خلیفہ مولانا عبدالوہاب متقی ہوئے جو علامہ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے مرشد و مربی اور استاذ ہیں اور اُن کا گجرات کے اِسی تاریخی اور علم دوست شہر بھروچ سے تعلق تھا، جہاں ہمارا یہ مذاکرۂ ادبی منعقد ہو رہا ہے۔ اِسی طرح ایک اہم شخصیت شیخ علاء الدین علی بن احمد المہائمی کی بھی ہے جن کے بارے میں مولانا عبدالحی حسنیؒ کا یہ جملہ کافی ہے کہ ”میرے نزدیک ہندستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے سوا حقائق نگاری میں اُن کا کوئی نظیر نہیں۔.......... کہیں اور اُن کا وجود ہوتا تو اُن کی سیرت پر کتنی کتابیں لکھی جا چکی ہوتیں اور کیسے پرفخر لہجے میں مؤرخین اُن کی داستانوں کو دہراتے“۔ (یادِ ایام صفحہ ۹۳)

اِسی طرح علامہ وجیہ الدین گجراتی کی شخصیت ہے جنھوں نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ وصول کیا اور درس وتدریس، تصنیف و تالیف اور تربیت وارشاد کے ذریعے گجرات کو مرجعِ خلائق بنا دیا تھا۔

اور علامہ مجد الدین محمد بن طاہر پٹنیؒ کی شخصیت تو کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اُن کو علمِ حدیث میں وہ درک اور عربیت و بلاغت میں وہ رسوخ حاصل تھا جس کی نظیر نہیں ملتی۔ اِسی کے ساتھ اُن کی کتاب ”مجمع بحار الأنوار“ کو جو قبولیت ملی وہ کسی کی نظر سے پوشیدہ بات نہیں۔

مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ (سابق ناظمِ ندوۃ العلما، لکھنؤ) نے صحیح لکھا ہے

کہ علوم وفنون میں اگر گجرات شیراز تھا تو خدمات کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا۔

گجرات کا فیض صرف گجرات کے اندر محصور نہیں رہا۔ دور دور سے لوگوں نے گجرات میں آکر علم وادب کے سرچشموں سے سیراب ہونا چاہا۔ انھیں شخصیتوں میں ایک اہم نام شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (۱۰۵۲) کا ہے جن کی تصنیفات ورسائل علوم شریعت وفنونِ ادبیہ سبھی پر محیط ہیں۔ پروفیسر خلیق احمد نظامی نے صحیح لکھا ہے کہ ''شیخ عبدالحق پر گجرات کی رونق اور اُس کی اہمیت کا جو اثر تھا اُس کا اندازہ اِس شعر سے ہوسکتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

حقی از گوشۂ دہلی نہ نہم پا بیروں | خود گر فتیم کہ ملک گجراتم دادند

(مقدمہ یادایام)

مفتی قطب الدین نہروالی ایسے جلیل القدر عالم تھے کہ علامہ شوکانی کو اُن کے متعلق اپنی کتاب "البدر الطالع" میں لکھنا پڑا کہ " ولہ فصاحة عظيمة ، يعرف ذلك من اطلع على مؤلفه البرق اليماني في الفتح العثماني" ۔ اِن کے علاوہ آصفی صاحب "ظفر الواله بمظفر و آله" شیخ عبدالقادر بن حضرمی صاحب "البرق السافر في أعيان العاشر" اور سید پیر مشائخ صاحبِ "دیوان المشایخ" جن کے ذریعے سماج میں خصوصاً پالن پور کے خطے میں بڑا انقلابی انقلاب آیا۔ دوسری علم دوست وادب نواز شخصیتیں عبدالعزیز آصف خاں، خانِ خاناں مرزا عبدالرحیم اور خواتین نے علم وادب میں حصہ لیا تو خانِ خاناں مرزا عبدالرحیم کی صاحبزادی جاناں بیگم، اور مشائخ وصوفیا میں شیخ محمد غوث گوالیاری کی گجرات میں خدمات، اور شیخ صبغت اللہ بھروچی (۱۰۱۵ھ) شیخ عیسی جند اللہ، سید عبدالرحیم رفاعی سورتی اور سید عبدالصمد خدانی جو احمد آباد میں رہے اور اُن سے علماءِ فرنگی محل، خصوصاً بانیِ درسِ نظامی ملا نظام الدین فرنگی محلی کے شیخ حضرت عبدالرزاق نے کسبِ فیض کیا،

قابلِ ذکر حضرات ہیں۔نمونے کے طور پر چند نام ذکر کیے گیے۔شعرا میں مولانا نظیری وغیرہ۔تذکرہ نگاروں میں صاحبِ گلزارِ ابرار محمد غوث شطاری اور دوسرے نام ہیں۔

اِسی طرح فنونِ ادبیہ کے ماہرین کی ایک بڑی تعداد ہے جیسے علومِ ادبیہ کے امام علامہ بدرالدین محمد بن ابوبکر الدمامینی جو ۸۰۰ھ میں گجرات تشریف لائے اور برسوں احمد آباد میں درس وتدریس فرماتے رہے۔تسہیلِ ابن مالک کا نسخہ احمد آباد ہی میں ان کو ملا تھا، جس کی ایک مبسوط شرح لکھ کر سلطان احمد شاہ گجراتی کے نام معنون کی۔جمال الدین محمد بن عبداللطیف الجامی جو مخدوم زادہ کے لقب سے مشہور اور فنونِ ادبیہ میں یکتائے روزگار تھے، ''النور السافر'' میں اُن کے ادبی قصائد کے کچھ کچھ حصے منقول ہیں، وہ دیکھنے کے قابل ہیں۔شیخ احمد بن عبدالمعطی باکثیر محدث بھی تھے اور ادیب بھی، اُن کے لطائفِ ادبیہ اور قصائدِ بلیغہ ڈھونڈھنے سے بھی اب نہیں مل سکتے۔ثقۃ الدولہ مولانا عبدالصمد دبیر جو محمود شاہ دوم کے زمانے میں میر منشی تھے۔مولانا عبداللہ عمر بن محمد آصفی جنھیں پہلے آصف خاں کی سرکار سے تعلق تھا، اُس کے بعد الغ خان کے میر منشی ہو گیے۔اُن کی کتاب ''ظفر الوالہ'' تعارف کی محتاج نہیں۔مولانا ابوبکر بن محسن باعبود علوی سورتی صاحبِ مقاماتِ ہندی مولانا عبدالحی حسنیؒ نے انھیں زبردست انشا پرداز قرار دیا ہے۔

گجرات کا علمی وادبی اور دینی جائزہ لینے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اِس خطے میں سورت، احمد آباد، بھروچ، پالن پور، پٹن خصوصی اہمیت کے حامل شہر ہیں؛ جنھوں نے علم وادب کی کشتی کی برابر ناخدائی کی۔

(سورت کی شخصیات سے متعلق ایک قدیم مرجع حقیقتِ سورت کے نام سے مشہور ہے۔اور احمد آباد کی علمی وادبی شخصیات کے تعارف پر بھی مشائخِ احمد آباد کے نام سے مولانا محمد یوسف متالا کی ایک دستاویزی کتاب بھی طبع ہو کر منظرِ عام پر آچکی ہے، جس میں اُن شہروں کی شخصیات کا تفصیلی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔اِس کے علاوہ مولانا عبد اللہ سورتیؒ کی کتاب ''أضواء علی الحركة العلمية و الأدبية في غجرات''

پورے گجرات کی اجمالی تاریخ پر ایک جامع کتاب ہے جو عربی میں ہے۔)

جن شخصیتوں کا ذکر کیا گیا ہے، اُن میں سے اکثر شخصیات نے شریعت ِاسلامی اور دعوتِ اسلامی کو اپنا موضوعِ عمل بنایا، لیکن اُن میں سے متعدد نے ادب وزبان کو بھی موضوع بنایا۔ ادب کے لحاظ سے یہاں کچھ شخصیتیں قابلِ تذکرہ ہیں، اُن کی طرف بھی گزشتہ سطروں میں اشارہ کیا گیا ہے۔

ادبی شخصیات میں مغل حکومت کے مشہور سپہ سالار عبدالرحیم بیرم خانِ خاناں بھی جامع الکمالات اور جامع الاضداد ہستی تھے۔ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے انہیں فارسی، ترکی اور ہندی کا بلند پایہ شاعر اور شعروادب کا نقاد جوہری اور مبصر بتایا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ ”عبدالرحیم خانِ خاناں ہندی کے مانے ہوئے شعرا میں ہیں جن کا ہندی شاعری میں خاص مقام ہے، فارسی کے بھی چوٹی کے شعرا میں تھے۔ اُن کی امارت اور اُن کی جامعیت نے اُن کی فارسی شاعری پر پردہ ڈال دیا۔ اگر اُس کو اپنی ناموری اور اظہارِ کمال کا ذریعہ بناتے تو اُن کا پایہ اُن کے دربار کے ایرانی شعرا سے کم نہ ہوتا، جن کے نغموں سے فارسی شاعری کا ایوان ابھی تک گونج رہا ہے“۔

(ہندستانی مسلمان ایک جائزہ صفحہ ۶۱)

آخری عہد میں علامہ عبدالعزیز میمنی راجکوٹیؒ نے تو اپنے عہد کے عظیم علماء ِادبِ عربی سے اپنی تحقیقات کا لوہا منوالیا۔ ابوالعلاء المعری کے سرمایۂ ادبی پر اُن کی تحقیق و تنقیح ایک زبردست سند کی حیثیت رکھتی ہے۔ عربی زبان وادب کے تعلق سے ایک نام مولانا محمد سورتی کا بھی بڑھا لیا جائے تو اور بہتر ہوگا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ لکھتے ہیں:

”ادبا و محققین عرب نے پروفیسر عبدالعزیز میمن اور مولانا محمد سورتی کی عربی لغت اور نحو پر اُن کی گہری نظر اور علمیت کا لوہا مانا“۔

(ہندستانی مسلمان ایک جائزہ صفحہ ۶۱)

اِن شخصیتوں کے علاوہ وہ شخصیتیں بھی ہیں جنھوں نے تعلیم و دعوت اور تصنیف و تحقیق کے لیے اِس سرزمین کو اپنا مرکزِ عمل بنایا۔ علامہ انور شاہ کشمیری، علامہ شبیر احمد عثمانی، مولانا بدرِ عالم میرٹھی، مولانا محمد یوسف بنوری، مولانا محمد ایوب اعظمی اور مولانا محمد ناظم ندوی (رحمہم اللہ) وغیرہ جو جامعہ اسلامیہ ڈابھیل کے بڑے اساتذہ رہے، اُن کی تعلیم و تربیت سے اچھے علما نکلے۔ اُنھیں علما میں ایک اہم نام حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ہے۔ جو یہاں سے دارالعلوم دیوبند گیے، اور وہاں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث میں استفادہ کیا اور اپنے علمی شوق سے دنیا کے ممتاز علما و اصحابِ فکر سے استفادہ کیا، جس کو وہ اپنی ایک کتاب میں محسن شخصیات کے تذکرے میں بیان کر چکے ہیں۔

اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد وہ کسی ایک مکتبِ فکر میں محدود نہ رہے بلکہ اپنے وقت کے صالح فکر کے اداروں اور شخصیات سے بھی اُنھوں نے اپنا تعلق رکھا اور تصنیفی و علمی کاموں میں وقت کے تقاضوں کا خیال رکھا۔ اسی میں عربی ادب کا اسلامی تقاضا بھی ہے۔ اس کی ضرورت کے سلسلے میں رابطہ ادبِ اسلامی کی تنظیم کے قیام سے بھی ربط رکھا اور اس کے پروگراموں میں حصہ لیا، اُس کے متعدد جلسوں میں اپنے مقالوں کے ساتھ شرکت کی اور اس کے تحت ان کی بعض تصنیفات بھی سامنے آئیں اور رابطہ کے کارکنان سے اُن کا ربط رہا جس کے ذریعے اُن کے حلقے میں رابطے سے تعلق کو مدد ملی۔

حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بہت اچھی طبیعت کے حامل تھے۔ سب سے اخلاق و محبت سے ملتے تھے اور علمی ضرورت اور کاموں میں اچھا تعاون رکھتے تھے۔ چنانچہ اُن کو ندوۃ العلما اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے اُس وقت سے تعلق تھا جب وہ دارالعلوم دیوبند میں زیرِ تعلیم تھے۔ اپنے ہندستان کے قیام میں ندوۃ العلما تشریف لاتے۔ مولانا کو عربی زبان کا

اچھا ذوق تھا اور علمی موضوعات کا اچھا مطالعہ تھا، اِس کی بنا پر وہ ادبی و علمی سیمیناروں میں شریک ہوتے اور اہلِ علم کی مجلسوں کو مفید بنانے میں نمایاں حصہ لیتے تھے۔ اِس طرح اہلِ علم کے حلقوں میں وہ قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ دار العلوم دیوبند سے فراغت کے وقت سے ہی ندوۃ العلما کی علمی وادبی شخصیتوں سے مانوس ہوکر تعلق کے حامل بنے اور حضرت مولانا علی میاں صاحب ندوی رحمۃ اللہ علیہ اور اُن کے بعد اُن کے شاگردوں سے مانوس ہوئے۔ اُن میں خاص طور پر مولانا سید محمد الحسنی مرحوم، راقمِ سطور (مولانا) محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی صاحبان سے علمی و ادبی ذوق کے تعلق سے مانوس ہوئے جو تاحیات قائم رہا اور سیمیناروں میں شریکِ کار رہے۔ اُن کے علمی و ادبی ذوق میں توسع اور وسیع النظری تھی۔ اسی طرح ہندستان کے قدیم مدارس اور ندوۃ العلما کے انداز کے اہلِ علم کے درمیان تعلق کا ذریعہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کو بہت بہت جزائے خیر عطا فرمائے۔

اُن کو اللہ تعالیٰ نے معتدل فکر، انسانیت کا درد اور ملّی حمیت وغیرت کا وصف عطا فرمایا تھا اور اچھا علمی ذوق بھی حاصل تھا جو اُن کی ملاقاتوں سے ظاہر ہوتا۔ ابھی دو ماہ پہلے ہی ان سے ملاقات ہوئی اور اُس میں اُنھوں نے جس تعلق ومحبت کا اظہار کیا اُس سے طبیعت بہت متاثر ہوئی۔ کیا معلوم تھا کہ یہ اُن سے آخری ملاقات ہوگی۔ اِس موقع پر انھوں نے کتابوں کا جو ہدیہ دیا، اُن میں اُن کی تقریوں کا مجموعہ " صدائے دل" بھی تھا جس کو جستہ جستہ دیکھا اور بہت مفید پایا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی دینی خدمات کو قبول فرمائے، اُن کے مراتب بلند فرمائے، اور صدیقین وشہدا کے ساتھ اُن کا حشر فرمائے اور سبھی پس ماندگان کو صبرِ جمیل سے نوازے اور اُن کے نقشِ قدم پر چلائے۔ اُنھوں نے اپنا جو علمی مقام پیدا کیا، اُس کا حق تھا کہ اُن کے متعلق سیمینار کا

انعقاد ہوتا۔ مقامِ مسرت ہے کہ اُن کے تلامذہ' احباب اور تعلق والوں نے جو بلا شبہ ہزاروں کی تعداد میں ہیں، اِس سیمینار کا انعقاد کیا اور اِس طرح مرحوم کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کا اہتمام کیا۔ اگر چہ میں اپنے اعذار کی وجہ سے خود شرکت نہیں کر پا رہا ہوں ،لیکن اپنے تاثرات کے ذریعے سے یہ سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ آمین۔

۲۵/۰۱/۱۴۴۰ھ
۰۶/۱۰/۲۰۱۸ء

محمد رابع حسنی ندوی
ناظم ندوۃ العلما، لکھنؤ

مولانا عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ
علم وعمل کی جامع شخصیت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم
ناظم ندوۃ العلماء، لکھنو

ہندوستان کو دنیا بھر کے ملکوں کے درمیان تہذیب، نسل اور مذہب کے اعتبار سے جو تنوع حاصل ہے اور حاصل رہا ہے، اس میں اس کو ایک انفرادیت حاصل ہے، اس انفرادیت کی خصوصیت نے دنیا میں امتیازی حیثیت عطا کی جس سے یہاں کے باشندوں نے انسانی قیادت کے مختلف شعبوں میں اپنی کارکردگی سے اہم حصہ لیا اور ملکی سطح پر یکجہتی کا بھی ثبوت دیا۔

ہندوستان کے مغربی کنارہ کے پڑوسی ممالک نے مشرق وسطی کے علم وثقافت کے جو اثرات یہاں کے ساحلی علاقوں پر ڈالے وہ کیرالہ اور گجرات کے ساحلی علاقوں میں دیکھے جاسکتے ہیں اور ہندوستان کے مغربی ساحلی مقامات میں اس سے جدا اثر ملتا ہے، ہندوستان کے مشرقی حصے تہذیب اور انداز زندگی میں الگ پہچان رکھتے ہیں، مسلمانوں کو تجارت وسیاحت کی غرض سے آنا ہوا تو وہ عموماً شرق اوسط سے آئے، اس لیے وہ اپنی سوغات لائے اور انہوں نے اس ملک کو جو دیا اس نے یہاں کی تہذیب ومذہب دونوں پر اثر ڈالا اور یہ اثر صرف سادہ سا اور رواداری کا اثر نہیں رہا، بلکہ یہاں کی زبانوں کو متاثر کیا، مذہب کے دائرہ میں توحید کو کارفرما بنانے کا کام بھی انجام دیا، اسی کے ساتھ ساتھ مزید یہ اہم کام انجام

دیا کہ قرآن مجید نے علم کو انسانی زندگی کے لیے جو اہم ضرورت بتایا، اس نے بتدریج علم کی فضا بنادی اور جلد ہی علمی شخصیتیں اور علمی مراکز ملک کے مختلف حصوں میں قائم ہوئے اور انہوں نے علم کا چرچا بڑھادیا، جس کی جھلکیاں ہم ہندوستان کے مغربی ساحل میں دیکھتے ہیں، اس میں گجرات کا بڑا حصہ رہا ہے، اور وہاں کی بعض شخصیتوں نے وہ علمی مقام حاصل کیا جس کے ذریعہ ان کا نام تاریخی اور زندہ جاوید بن گیا، وہ تو نہیں رہے؛ لیکن ان کے علمی کاموں کی چمک قائم ہے۔

یہ علاقہ علمی، ادبی اور دینی لحاظ سے نہ صرف یہ کہ زرخیز علاقہ ہے، بلکہ مسلمانوں کی اس برصغیر میں آمد کا دروازہ بھی بنا، جیسا کہ ذکر کیا جاتا ہے کہ مسلمانوں بلکہ عربوں کا اس برصغیر سے تعلق اسی سرزمین سے شروع ہوا اور مسلمانوں کی پہلی کھیپ یہیں کے ساحلوں پر پہنچی، جس کی طرف قرون اولی سے مسلمانوں کی توجہ رہی اور اسی سرزمین سے ہندوستان کا عربوں سے بلکہ حجاز مقدس سے تعلق کا نقطۂ آغاز ہوا، یہاں ایسی شخصیتیں پیدا ہوئیں جنہوں نے حدیث شریف کو موضوع بنایا اور علم حدیث کی اشاعت وترویج میں اپنی زندگیاں گزار دیں، صوفیائے کرام، دعاۃ مبلغین، فقہاء ومحدثین کی آمد ہوئی اور ان کے ذریعہ اسلام کا تعارف اور اسلامی علوم کا تعارف اس ملک میں ہوا، اور حکمرانوں نے بھی اس ملک کو اپنا میدان عمل بنایا اور سلاطین گجرات نے خصوصیت کے ساتھ بڑی علمی وادبی سرپرستی کی۔ صوفیاء کرام کے ذریعہ توحید کی دعوت جو امت اسلامیہ کی اساس ہے اس ملک ہندوستان میں عام ہوئی، اہل قلب مشائخ صوفیاء کی جدوجہد اور ان کے انفاس قدسیہ سے گجرات میں ایمان کی باد بہاری چلی اور اس کے طفیل سے ایسے مواقع پیدا ہوئے کہ بڑی علمی ودینی شخصیتیں پیدا ہوئیں اور انہوں نے علمی ودینی سطح پر غیر معمولی خدمات انجام دیں۔

گجرات میں اس کا سلسلہ ختم نہیں ہوا؛ بلکہ وہ جاری ہے، اس کی مایہ ناز شخصیتوں میں قصبہ کاپودرا کے مولانا عبد اللہ کاپودرویؒ نے علم وادب کی لائن میں اپنے حسن ذوق اور

کارگزار عمل کا اچھا ثبوت دیا اور علمی و دینی راہوں میں اپنی خصوصیات کا اچھا نمونہ پیش کر کے اس دنیا سے آخرت کی طرف منتقل ہوئے۔

مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے مصادر علوم دینیہ کے ساتھ علم وادب کے قابل توجہ شعبوں سے بھی شروع سے ہی دلچسپی رکھی، اس خصوصی دلچسپی کے ذریعہ انہوں نے اسلامی تعلیمی لائنوں میں اپنی شرکت و مشغولیت کا ثبوت دیا اور اس طرح اپنے علمی وادبی ذوق و عمل کو پروان چڑھایا۔

ہندوستان میں آج سے سوا سو سال قبل جب وقت کی ضرورت اور حالات کے تقاضہ پر نظر رکھنے والے علمائے امت نے بیرونی وکافر تہذیب وفکر کو تعلیمی ذریعہ سے ملک پر چھا دینے کی کوشش کا اثر عام ہوتے دیکھا اور تعلیمی ذریعہ سے مسلمانوں کی نئی نسلوں کو خطرہ میں جاتے دیکھا تو مہم چلائی جو ندوۃ العلماء کے نام سے چلی، لیکن متعدد دشواریوں کی بنا پر اس کے اثرات شروع میں کمزور رہے کیونکہ جامع تعلیم کے نظریہ کو مشکل اور کم مفید بھی سمجھا گیا، لیکن پھر بھی ہر عصر میں ایسے افراد سامنے آتے رہے جنہوں نے اس نقطۂ نظر کو اختیار کیا، ہمارے دور میں ایسے لوگوں میں مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی کا نام نمایاں ملتا ہے، ان کا تعلق دیوبند اور ندوہ سے یکساں ملتا ہے۔ ان کی سرپرستی دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کو حاصل رہی اس کے اثر سے فلاح دارین کا ندوہ سے خاصا قرب ہے۔

مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نے دیوبند میں تعلیم حاصل کی اور ندوہ کے کارگزار فضلاء سے ربط رکھا، انہوں نے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے بھتیجے محمد الحسنی سے شروع سے رابطہ بنالیا تھا، جس کا سلسلہ تاحال ان کے عزیزوں سے رہا اور وہاں کے متعدد پروگراموں میں شریک رہے، مجھ سے بھی اچھا ربط تھا اور ملاقات پر ہم دونوں کو ایک دوسرے سے مل کر خوشی ہوتی تھی، ابھی قبل رمضان گجرات کے سفر میں ان کے یہاں جانے کا موقع ملا جب وہ مریض تھے، لیکن ایسی بشاشت سے ملے

جیسے کوئی مرض نہ ہو۔

مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کی تصنیفات وتالیفات دیکھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاف اور دل پسند اسلوب اور وسعت قلبی کے حامل تھے، مولانا کے خطبات علم ومعرفت، فکر ونظر اور اصلاح وتربیت پر مشتمل ہیں جو ''صدائے دل'' کے عنوان سے چار جلدوں میں شائع ہوکر مقبول عام ہو چکے ہیں، ان خطبات میں اسلوب کی سادگی، ادب کی چاشنی، علمی لطائف، سوز دروں، حالات کی نباضی، علم دوستی اور ادب نوازی، کتب خانوں اور تعلیمی اداروں کی دل چسپ داستان، انتظام وانصرام کے کامیاب گر، عمر کے طویل تجربات کا نچوڑ، معاشرے کی خرابیوں کی نشاندہی اور ان کا علاج، حسن اخلاق کے میٹھے پھل، دعوت کی گہری بصیرت اور یورپ کی اخلاقی انارکی کے ساتھ ساتھ اس کے عروج کے اسباب وعوامل جیسے دسیوں موضوعات کا ذکر جابجا ملے گا۔

مولانا کو مطالعہ کا بڑا اچھا ذوق وشوق تھا، اس کا اثر مولانا کے ہر خطبہ اور تحریر میں صاف نظر آتا ہے، اسی ذوق وشوق کی آبیاری کے لیے کتب خانوں، تعلیمی اداروں اور ریسرچ سنٹروں کا سفر کیا، حالات حاضرہ کے گہرے مطالعہ نے امت اسلامیہ کی بدحالی اور دشمنان اسلام کی سازشوں سے پردہ اٹھانے پر مجبور کیا، مولانا کے خطبات کے مجموعہ کے مطالعہ سے ان باتوں کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

مولانا عبداللہ کاپودروی

ممتاز داعی ومفکر دین وملت شخصیت

(مولانا سید) محمد واضح رشید حسنی ندوی، معتمد تعلیم ندوۃ العلماء لکھنو

گجرات میں شیراز ویمن اور دیگر ممالک اسلامیہ کے چیدہ اور برگزیدہ علماء نے بود وباش اختیار کی جن کے فیض سے چند دنوں میں گجرات مالا مال ہوگیا اور خود گجرات میں اس پائے کے علماء پیدا ہوئے جن کے فیض علمی کی آبیاری سے اب تک ہندوستان کی درسگاہیں سیراب ہورہی ہیں، یہاں جلیل القدر علماء اور مستند اور باکمال ماہرین فن پیدا ہوئے جنہوں نے تمام علوم وفنون کے فروغ واشاعت میں عظیم الشان خدمات انجام دیں، بقول علامہ عبدالحی حسنی ''گجرات اگر علوم عقلیہ کے اعتبار سے شیراز تھا تو حدیث شریف کی خدمت کے لحاظ سے یمن میمون سے مماثلت رکھتا تھا، گجرات زمانۂ سابق میں علوم وفنون کا مرجع ومقصد بنا ہوا تھا، اور تھوڑی مدت میں ایسے ارباب فضل وکمال وہاں سے نکلے جن کی فہرست بڑی طویل ہے''۔

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان میں مسلمانوں کی آمد اور ان کا استقبال سب سے پہلے گجرات میں ہوا، یا پھر ممبئی اور کیرالا کے بعض علاقوں میں، اسی طرح علماء ومحدثین کو اسی سرزمین نے سب سے پہلے اپنی آغوش میں لیا اور پھر اہل قلوب اور اصحاب اصلاح وتربیت نے یہاں سے اپنا فیض دنیا میں عام کیا اور علم وفن، بحث وتحقیق اور تصنیف وتالیف کے میدان میں انمٹ نقوش چھوڑے جن میں شیخ علاء الدین علی بن احمد مہائمی تفسیر اور حقائق نگاری اور اسرار شریعت کے علم میں بڑی ممتاز شخصیت کے طور پر سامنے آئے، علم حدیث میں علامہ محمد بن طاہر پٹنی کی معرکہ آراء لغت اور مصطلحات حدیث

میں لاجواب کتاب ''مجمع بحارالانوار'' سے بڑا نام روشن ہوا، اسی عہد کی ایک دوسری شخصیت علامہ وجیہ الدین علوی گجراتی نے بھی مختلف علوم وفنون میں بڑی خدمات پیش کیں، آخر عہد میں ادب وشعر اور نقد ادب میں علامہ عبدالعزیز میمن راجکوٹی کا نام اور کام بہت روشن ہے، جن کی مشہور کتاب ''ابوالعلاء المعری وما الیہ''، اور ایک دوسری کتاب ''سمط اللآلی فی شرح الأمالی للقالی'' بحث وتحقیق کی کسوٹی پر ایسی اتری کہ علماء عرب بھی اس کا جواب نہ دے سکے، علامہ میمنی نے اپنی کتابوں میں مستشرقین کے گمراہ کن افکار وخیالات اور تحقیقات کا بھرپور جواب ہی نہیں دیا، بلکہ ان کی قلعی کھول دی۔

گجرات کے علماء ومحققین نے مختلف موضوعات کو اختیار کیا اور تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، ادب، فکر اسلامی اور دعوت واصلاح کے موضوعات کو اختیار کیا اور ان میں اپنی خدمات پیش کیں، ایک خصوصیت علماء گجرات کی یہ بھی نظر آتی ہے کہ وہ دوسرے علماء سے استفادہ میں پیچھے نہیں ہیں، ہمارے رابطہ ادب اسلامی نے علماء گجرات کی علمی ادبی خدمات کو موضوع بنا کر وہاں کے ایک موقر ادارہ جامعہ علوم القرآن جمبوسر میں جنوری ۲۰۱۰ء میں انعقاد کا فیصلہ کیا تھا، اس میں ان کے متعلق اتنے مقالے پیش کیے گئے جو ہمارے پچھلے اور بعد کے سیمیناروں میں اس بڑی تعداد میں سامنے نہیں آسکے، گجرات اور علم حدیث، فقہاء گجرات، علماء گجرات کے مخطوطات، علم وادب کی اشاعت میں گجرات کا حصہ، جیسے موضوعات کے علاوہ مختلف ممتاز شخصیات پر مستقل مقالے لکھے گئے تھے۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب نے ایک اچھوتا عنوان اختیار کیا، ''گجراتی زبان کے اسلام پسند مصنفین اور صحافی'' اور اس میں انہوں نے چالیس سے زائد ایسے نام گنائے تھے جن کا اچھا کام سامنے آچکا ہے، مولانا کے اس مقالہ سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ وسیع المطالعہ اور وسیع النظر اور صاحب فکر عالم دین تھے اور یہ بات ان کے خطبات اور تقریروں کے مجموعے سے بھی ظاہر ہوتی ہے جس کے چار حصے ''صدائے دل'' کے نام سے سامنے آچکے ہیں، مدارس کے علماء وخطباء کے سامنے

ان کے خطابات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مختلف زاویوں، طریقوں اور اسلوب سے مطالعہ کے تنوع اور وسعت نظر کی طرف توجہ دلاتے ہیں، اور گجرات کی علمی اور دینی عظمتِ رفتہ کو یاد دلاتے ہوئے جو اس میں انحطاط نظر آتا ہے اس کو دور کرنے کی طرف متوجہ کرتے ہیں۔

اکل کواں کے اشاعت العلوم میں رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار میں مولانا مرحوم نے شرکت فرمائی تھی اور اس میں عربی ادب کی بعض خصوصیات خاص طور پر اختصار جو عربی زبان کا امتیاز ہے اس کی متعدد مثالیں دے کر اپنی زبان دانی وعربی ذوق کا ثبوت دیا تھا۔

ان سے ملاقاتوں میں بھی ان کی وسعت نظر و تحقیق اور داعیانہ مزاج وکردار کا پتا چلتا تھا اور معلوم ہوتا تھا کہ ان کو متاثر کرنے والی باتوں میں وہ عملی اخلاق کی باتیں اہمیت رکھتی ہیں جو لوگوں کے ساتھ معاملات وبرتاؤ میں آتی ہیں، وہ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ اپنے ایک سفر کا واقعہ خاص انداز سے بیان کرتے تھے اور اپنی آخری ملاقات میں بھی ہم لوگوں سے اس واقعہ کو جس کے پیش آئے چالیس پچاس کا عرصہ گذر رہا ہے اس انداز سے بیان کیا کہ جیسے یہ واقعہ آج ہی یا قریب کے دنوں میں پیش آیا ہے کہ ایک خاتون کو اوپر کی سیٹ پر چڑھنا دشوار تھا اور وہ اس کے لیے دوسرے سے مدد چاہ رہی تھی، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بڑی آسانی سے اپنی نیچے کی سیٹ عنایت کردی اور باوجود ضعف بصارت اور پیروں کی تکلیف ومعذوری کے اوپر جانا گوارا کیا، ان کے اس اخلاق کا سب پر بہت اثر پڑا، ہم نے عرض کیا کہ آپ تو معذور تھے پھر کیوں آپ نے یہ زحمت اٹھائی، فرمایا: اسلام کے نظام اخلاق کو پیش کرنے کا موقع بار بار نہیں آتا۔

یہ واقعہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی سے قریب ہونے کا ذریعہ بنا، حالانکہ وہ اپنے اکابر علماء ومشایخ کے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے

ساتھ اعتماد و محبت کے تعلق کو جانتے تھے اور دیکھ بھی چکے تھے، جو انہیں حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا محمد الیاس کاندھلویؒ، حضرت مولانا عبد القادر رائے پوریؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ اور دوسرے علماء علامہ محمد یوسف بنوریؒ وغیرہ کا معلوم تھا اور یہ کشش انہیں ان کے دار العلوم دیو بند کے زمانۂ طالب علمی سے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ لانے کا باعث رہی تھی اور ان کو اس زمانہ سے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور راقم السطور سے بھی ایک اچھا رابطہ قائم ہو گیا تھا اور جب عالمی رابطہ ادب اسلامی کا قیام عمل میں آیا تو اس وقت بھی ندوۃ العلماء لکھنؤ میں منعقدہ سیمینار میں انہوں نے اپنے عربی مقالہ کے ساتھ شرکت کی تھی، جس میں بعد میں گرانقدر اضافہ بھی کیا اور ایک اچھی کتاب کی صورت میں منظر عام پر آیا جس میں انہوں نے گجرات کے اہل علم وفضل کی خدمات پر روشنی ڈالی ہے اور مولانا سید عبد الحی حسنیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء کی کتاب ''یاد ایام'' (مختصر تاریخ گجرات) اور ان کی عربی میں تراجم رجال پر معرکہ آراء کتاب ''نزھۃ الخواطر'' سے خاصا فائدہ اٹھایا ہے جو بلاد عربیہ سے ''الاعلام بمن في تاریخ الہند من الأعلام'' کے نام سے شائع ومقبول ہوئی اور اس کا پہلا ایڈیشن دائرۃ المعارف عثمانیہ حیدر آباد سے مولانا آزاد اور مولانا حسین احمد مدنیؒ کی فکر وکوشش سے شائع ہوا تھا۔

مولانا عبد اللہ صاحب برابر مطالعہ جاری رکھتے تھے اور وہ نئی نئی کتابوں کے مشتاق ومنتظر رہتے تھے اور اس کی فکر کرتے تھے کہ وہ کتابیں اہل ذوق ونظر کے سامنے سے بھی گذریں اور اپنی طرف سے تحفہ میں انہیں اور اہل مدارس کو بھیجنے کا اہتمام کرتے تھے۔

وفات سے چند مہینوں قبل خود راقم کی بعض تصنیفات ان کی نظر سے بعض اہل تعلق کی طرف سے گزریں تو وہ بڑے مسرور ہوئے اور ان کو منگانے کا اہتمام کیا اور خاص خاص مقامات پر اور خاص احباب واہل ذوق ونظر کو پیش بھی کیں، اسی طرح وہ کتابوں کی نمائش میں جانے کا بھی اہتمام کرتے تھے اور ان کتابوں کو اختیار کرتے

جو نئی نسل کی تعمیر اور ان کے علمی، دینی اور اخلاقی تشکیل اور قائدانہ صلاحیت کو ابھار نے میں معاون ہوں۔ وہ عالم اسلام کے مسائل سے سچی واقفیت اور ان سے دلچسپی بھی رکھتے تھے اور ان کو صحیح مصادر و ذرائع سے سمجھنے کی کوشش کرتے تھے، اس سلسلہ میں ان کو حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ندوۃ العلماء کی فکر و منہج سے زیادہ قربت اور انس تھا اور ہم لوگوں سے بھی وہ مناسبت رکھتے تھے اور ہمارے رسائل ''البعث الاسلامی''، ''الرائد'' اور ''تعمیر حیات'' کے بڑے قدرداں تھے۔

اس کے ساتھ ان کو اپنی دینی ترقی کی برابر فکر رہتی اور اس کے لیے اہل قلوب سے بھی رابطہ رکھتے جبکہ وہ بڑے مشائخ سے استفادہ کیے ہوئے تھے اور ان کو اجازت بھی حاصل تھی، دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر سے سبکدوش ہونے کے بعد جس کے وہ پہلے مہتمم تھے، کناڈا کی سکونت اختیار کرلی تھی اور دعوتی مقصد سے قیام اختیار کیا تھا، اس کے باوجود اپنے وطن کاپودرا تشریف لاتے تھے اور وہاں ایک اچھا کتب خانہ تیار کیا تھا، جس سے ان کے اعلیٰ علمی ذوق کا پتا چلتا ہے جو بعد میں انہوں نے اپنے قریب کے زیر سرپرستی جامعہ قاسمیہ کھروڈ کو منتقل کردیا۔ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کو بھی ان کی سرپرستی آخر تک جاری رہی اور وہ رئیس الجامعہ کے طور پر رہے۔

شکر اور تعلق مع اللہ کی بات تھی کہ انہوں نے بڑی ہمت و برداشت سے اپنی بیماری کی تکلیفوں کو برداشت کیا، جبکہ اس کے لیے ان کو اپنے وطن کاپودرا سے ممبئی کا سفر اختیار کرنا پڑا تھا اور علاج کے لیے وہاں وقت گزارنا ہوتا تھا، ممبئی میں اور ان کے وطن کاپودرا میں متعدد بار ان کی عیادت کا موقع ملا، لیکن وہ دین اور علم اور علماء کی باتیں کرتے رہے، اس کے ساتھ علماء کی دل سے قدر کرتے اور ان کی تکریم کرتے تھے، اس کے لیے ان کو خواہ تکلیف ہی کیوں نہ اٹھانی پڑے، خود ان سے میری آخری ملاقات میں اس کا ذاتی طور سے مشاہدہ ہوا کہ جب برادر معظم مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے ساتھ ان کی عیادت کے لیے ان کے مکان پر کاپودرا حاضر ہوا تو

وہ برابر بیٹھے رہے اور دین وعلم اور اخلاق کی باتیں کرتے رہے اور اس تعلق کا اظہار کرتے رہے جو انہیں ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ اور وہاں کے رسائل اور کتابوں سے رہا ہے۔

مولانا کی اہم کتابوں، تصنیفات اور ترجموں میں اہمیت کی حامل دیوان الشافعی کی اردو شرح وترجمہ، حارث المحاسبی کی کتاب ''رسالۃ المسترشدین'' کا ترجمہ ''نصیحت المسلمین'' اور'' گلدستہ محبت'' کے علاوہ چھوٹے بڑے متعدد رسائل ہیں، جن پر لوگ اظہار خیال کریں گے۔

مولانا کے شاگردوں اور تربیت یافتہ لوگوں میں ایسی شخصیتیں ہیں جو مولانا کے ذوق کے مطابق علمی ودعوتی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مختلف مراکز دینی کی سرپرستی کررہے ہیں، اس میں خاص طور پر مولانا غلام محمد وستانوی صاحب کا کام اور نام زیادہ روشن ہے، ان کے علاوہ اور بھی متعدد حضرات افریقہ اور یورپ وغیرہ کے ملکوں میں ہیں۔

بعض بزرگوں کا قول ہے کہ جس کے خلف ایسے ہوں ان کی موت موت نہیں ہے، ان کا فیض جاری رہتا ہے، وہ زندہ ہیں اللہ تعالی مرحوم کی مغفرت فرمائے اور ان کے فیض کو جاری رکھے اور ان کے علوم ومعارف کا نفع عام فرمائے۔

تصنیفات

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی

نام کتاب	قیمت
امت مسلمہ رہبر اور مثالی امت	110/-
تحفۂ رمضان	40/-
تحفۂ گجرات	80/-
جزیرۃ العرب	200/-
حالات حاضرہ اور مسلمان	110/-
حج اور مقامات حج	70/-
دو مہینے امریکہ میں	300/-
رہبر انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم (اردو، عربی، ہندی، انگریزی)	300/-
سماج کی تعلیم وتربیت	80/-
سمرقند و بخارا کی بازیافت	75/-
تحفۂ جنوب	70/-
عالم اسلام اور سامراجی نظام-امکانات اور اندیشے	180/-
غبارِ کارواں	110/-
فقہ اسلامی اور عصر جدید	60/-
قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبر کامل	260/-
احتساب زندگی (تفسیر سورۂ انبیاء)	120/-
مسلم پرسنل لابورڈ: مزاج اور طریقہ کار	50/-
مسلم سماج-ذمہ داریاں اور تقاضے	140/-
مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ عہد ساز شخصیت	200/-
نقوش سیرت	120/-

یادوں کے چراغ	250/-
مقامات مقدسہ	
اسلامی شریعت ایک محکم قانون اور انسانی زندگی کی ضروریات	
امت اسلامیہ اور اس کی ثقافت	
مسلمان اور تعلیم	40/-
اسلامی معاشرہ سورہ حجرات کی روشنی میں	40/-
خطبات رابع	300/-